عورت

اسلامی معاشرے میں

کز ... ت اسلامی ہند دہلی

عورت

اسلامی معاشرہ میں

سید جلال الدین انصر عمری

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی ۶

بار اوّل	۱۰۰۰	نومبر سنہ ۱۹۶۱ء
بار دوم	۱۱۰۰	اگست سنہ ۱۹۶۴ء
بار سوم	۲۰۰۰	اپریل سنہ ۱۹۷۰ء
قیمت	~~۴/-~~ ۵	~~چار روپے~~ پانچ روپے
قیمت جلد	۱/۰	ایک روپیہ

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی ۶

مطبوعہ

جمال پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مقدمہ	۹	عورت اور جدید نظریات	۳۲
عورت دورِ قدیم میں	۱۳	عورت اسلامی معاشرہ میں	۵۲
یونان وروم اور عورت	۱۵	(اساسی تصورات)	۵۲
عرب اور عورت	۱۸	(۱) انسان محترم ہے	۵۲
یورپ اور عورت	۲۳	(۲) معیار بزرگی ایمان و عمل	۵۴
عورت مذہب کی نظر میں	۲۵	(۳) مرد اور عورت تہذیب کے معمار ہیں	۵۸
یہودیت اور عورت	۲۵	(۴) عورت کے متعلق اسلام کا نظریہ	۵۵
عیسائیت اور عورت	۲۸	(۵) حقوق میں مساوات	۶۸
ہندومت اور عورت	۲۹	وراثت کے متعلق ایک غلط فہمی	۷۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
کا ازالہ (حاشیہ)		تحریر کا رواج	۱۲۰
(۶) مشترک قانون	۷۴	خواتین کی علمی خدمات	۱۲۱
(۷) قانونِ زوجیت	۷۷	عورت میدانِ عمل میں	۱۲۹
عورت کا حقیقی دائرہ کار	۸۱	گھر سے باہر سعی و جہد کی اجازت	۱۳۳
پس منظر	۸۱	کاشتکاری	۱۳۴
عورت کی مصروفیت کا احترام	۸۳	تجارت	۱۳۵
معاشرہ ایک وحدت ہے	۹۱	صنعت و حرفت	۱۳۶
معاشرہ میں فرد کی کامیابی کے شرائط	۹۳	حقوق کی حفاظت	۱۳۷
عورت کی تعلیم و تربیت	۹۶	اجتماعی مفاد کے لئے کوشش	۱۴۲
جمعہ اور عیدین میں خواتین کی شرکت	۹۹	اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں عورت کا حصہ	۱۴۳
ماں باپ اور خاوند کو ہدایت	۱۰۳	مسلمان خواتین کی قربانیاں	۱۴۳
کتابت کی تعلیم	۱۰۶	جنگی خدمات	۱۴۶
عورت کی تعلیم کی قانونی حیثیت	۱۰۷	دین کی مدافعت اور اسکی ترغیب	۱۵۷
تعلیمی سہولتیں	۱۰۹	اظہارِ حق	۱۶۱
فکری تربیت	۱۱۰	اعیانِ حکومت کو نصیحت اور	۱۶۳
دورِ صحابہؓ	۱۱۲	اس کے نتائج	
نتائج	۱۱۳	تنقید و احتساب	۱۷۱

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رائے اور مشورہ کا حق اور اس سے استفادہ	۱۷۳	عورت اور منصبِ امامت	۲۳۰
عملی تعاون	۱۸۰	عورت کن اجتماعی ذمہ داریوں کی اہل ہے ؟	۲۳۳
عورت اور اجتماعی مناصب	۱۸۲	بعض اصولوں کی پابندی	۲۳۵
(عورت کی فکری صلاحیتیں)		(۱) حقیقی پوزیشن پر نظر	۲۳۵
عورت کمزور ہے	۱۸۳	(۲) خاوند کی اطاعت	۲۳۶
عورت کی کمزوریوں کی رعایت	۱۸۳	(۳) اختلاط سے اجتناب	۲۴۵
عورت کی ذہنی صلاحیت	۱۸۶	کیا غزوات میں خواتین کی شرکت صنفی اختلاط کی دلیل ہے ؟	۲۵۲
عورت کی گواہی	۱۸۸		
تنہا عورتوں کی گواہی	۱۸۹	تاریخ سے غلط استدلال اور اس کا جائزہ	۲۵۸
عورت اور مرد کی مشترکہ گواہی	۱۹۴		
گواہی کی اہلیت	۱۹۵	جنسی تعلقات (عہدِ قدیم سے دورِ جدید تک	۲۷۴
عورت کی گواہی سے متعلق فقہاء کے خیالات کا تجزیہ	۱۹۶	رہبانیت	۲۷۷
روایتِ حدیث میں عورت پر اعتماد	۲۱۵	اباحت پسندی	۲۸۴
عورت کی عملی صلاحیتیں	۲۱۹	دورِ جدید	۲۸۸
خواتین کی جداگانہ تنظیم	۲۲۳	اسلام اور جنسی تعلقات	۳۱۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
خدا ترسی کا راہبانہ نقطۂ نظر اور اس کی تردید	۳۱۵	مقصد کے معاون اسباب	۳۶۳
		احتیاطی تدابیر	۳۷۳
جنسی تسکین (جائز حدود میں)	۳۲۵	غضِّ بصر	۳۷۵
زنا حرام ہے	۳۳۱	سماع پر پابندی	۳۷۸
حرمتِ زنا کے اسباب	۳۳۳	زبان کی حفاظت	۳۸۰
فرد کی تربیت	۳۳۸	لباس کا اہتمام	۳۸۱
احساسِ عظمت	۳۳۹	نامحرم کے ساتھ تنہائی کی ممانعت	۳۸۲
ضمیر کی آواز	۳۴۰	معاشرہ کی اصلاح	۳۸۴
جذبۂ حیا کا فروغ	۳۴۲	نظریات کی قوت	۳۸۸
محاسبۂ آخرت	۳۴۶	اخلاق کی قدر و قیمت	۳۹۱
گناہ کا واضح تصور	۳۵۲	بدکاروں کی توہین	۳۹۲
زوجین ایک دوسرے کے لئے وجہِ آزمائش ہیں	۳۵۲	تجرد کا خاتمہ	۳۹۴
		چار بیویاں رکھنے کی اجازت	۳۹۷
زنا کی پاداش	۳۵۴	عورت کے لئے عقدِ ثانی کا حق	۳۹۹
عفت کی جزا	۳۵۵	فسخ نکاح کا اختیار	۴۰۱
نکاح کا مقصد	۳۵۶	جائز رشتوں کا احترام	۴۰۲
حصولِ مقصد کیلئے زوجین کی معاونت	۳۵۸	اجتماعی احساس	۴۰۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اسلامی قانون	۴۰۹	(۴) آزادانہ اختلاط پر پابندی	۴۱۶
(۱) محارمِ ابدیہ	۴۰۹	(۵) فحاشی کی اشاعت کا عدمِ جواز	۴۲۲
(۲) خفیہ تعلقات کی ممانعت	۴۱۰	(۶) تعزیر	۴۲۵
(۳) بیسوائی کے پیشہ پر قدغن	۴۱۲	(۷) رجم اور کوڑوں کی سزا	۴۲۸

دخترانِ ملّت

اگر پندے زِ درویشے پذیری
ہزار اُمّت بمیرد تُو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرؑ بگیری

(اقبال)

مقدمہ

عورت نصف انسانیت ہے۔ مرد انسانیت کے ایک حصہ کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسرے حصہ کی ترجمانی عورت کرتی ہے۔ عورت کو نظر انداز کر کے نوعِ انسانی کے لئے جو بھی پروگرام بنے گا وہ ناقص اور ادھورا ہوگا۔ ہم ایسی کسی سوسائٹی کا تصور نہیں کر سکتے جو تنہا مردوں پر مشتمل ہو اور جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو۔ دونوں ایک دوسرے کے یکساں محتاج ہیں۔ نہ عورت، مرد سے مستغنی ہو سکتی ہے اور نہ مرد، عورت سے بے نیاز۔ ان کے احتیاج کی نوعیت سماجی و معاشرتی بھی ہے اور جنسی و نفسیاتی بھی۔ ایک طرف اجتماعی زندگی ان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قدم سے قدم اور شانہ سے شانہ ملا کر کام کریں دوسری طرف جنسی تقاضے ان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے دامن میں سکون اور اطمینان ڈھونڈیں۔

اجتماعی زندگی ترقی اس وقت کرتی ہے جب کہ دونوں کا سیاسی و سماجی رشتہ بھی ٹھیک ہو اور جنسی تعلق بھی صحیح ہو۔ عورت کی سعی و جہد میں جو خلا رہ جائے

اس کو مرد پورا کرے اور مرد کی دوڑ دھوپ میں جو نقص، اور کمی ہو اس کو عورت پورا کرے۔ اسی طرح جنسی تعلق کو اپنے فطری حد میں رہنے دیا جائے اور لذت کشی کا ذریعہ نہ سمجھ لیا جائے۔

لیکن اگر مرد اور عورت کے سماجی و معاشرتی رشتوں میں عدم توازن اور جنسی تعلقات میں بے اعتدالی ہو تو معاشرہ زوال اور انحطاط کی طرف بڑھنے لگتا ہے کیونکہ سماجی رشتوں میں توازن نہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے بعض گوشے خالی اور ویران ہونے لگتے ہیں اور بعض گوشوں پر ضرورت سے زیادہ قوت صرف ہوتی جاتی ہے، اور یہ دونوں ہی باتیں معاشرہ کے لئے تباہ کن ہوتی ہیں۔ اسی طرح جنسی تعلق میں بے اعتدالی سے سوسائٹی یا تو بے راہ روی کا شکار ہوگی یا تجرد کی طرف مائل ہوگی۔ اب تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں میں جنسی آوارگی عام ہوئی وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکیں اور تجرد پسندی نے تو کسی تہذیب کو وجود ہی میں آنے نہیں دیا۔

موجودہ تہذیب، عورت اور مرد کے درمیان سماجی روابط قائم کرنے میں بھی ناکام ہے اور جنسی مسئلہ حل کرنے میں بھی۔ اس نے عورت اور مرد کا سماجی رشتہ متعین کرنے میں غلطی یہ کی کہ عورت کو اس کے حقیقی مقام سے ہٹا کر مرد کی صف میں کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ مرد کے دائرہ میں تو تگ و دو کرتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس میدان سے غائب ہے جس کے لیے فطرت نے اس کی تخلیق کی تھی۔ جنسی جذبات کو موجودہ تہذیب نے اس قدر ابھارا ہے کہ انسان کے دل و دماغ پر ان کا مکمل غلبہ ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ٹھوس کاموں

سے توجہ ہٹتی جارہی ہے اور لذت پسندی کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔

موجودہ تمدنی و معاشرتی حالات پر غور و فکر کرنے والا ہر انسان اس اعتراف پر مجبور ہے کہ عورت اور مرد کے غلط رشتہ نے موجودہ تہذیب کی بنیادیں ہلادی ہیں اور انسان کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا ہے جہاں سکون اور چین کے ہزار سامان کے باوجود وہ ان سے محروم ہے۔

یہ حالات ہیں جن میں اسلامی معاشرہ میں عورت کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ وقت کے سماجی نقشہ میں کوئی پیوند کاری نہیں ہے بلکہ یہ اس دور کے لئے ایک نیا اور مختلف نقشہ ہے چاہے دنیا اس کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن ہمارا یقین ہے کہ صرف اسلامی معاشرہ نے عورت اور مرد کے سماجی و جنسی تعلقات کے لئے صحیح بنیادیں فراہم کی ہیں، ان بنیادوں پر جو تعلقات استوار کئے جائیں گے وہ کامیاب ہوں گے۔ ان کے علاوہ جس اساس پر بھی یہ تعلقات قائم ہوں گے ان کی ناکامی یقینی ہے۔

جو شخص اسلامی معاشرہ میں عورت کی سیاسی و تمدنی اور تہذیبی و معاشرتی حیثیت سمجھنا چاہے ان شاء اللہ وہ کتاب میں قابلِ اطمینان حد تک مواد پائے گا۔ کوشش کی گئی ہے کہ جو بات بھی کہی جائے قرآن و حدیث کی روشنی میں کہی جائے اور تحقیق و استناد کے ساتھ کہی جائے۔ کتاب میں بعض مباحث ایسے بھی ہیں، جن میں قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات نہیں ہیں۔ ان مباحث میں فقہ و کلام سے مدد لی گئی ہے کیونکہ یہ اس امت کے ان بہترین دماغوں کا حاصل ہے جن کی زندگیاں کتاب و سنت کے رموز و اسرار کے سمجھنے کے لئے وقف تھیں۔

اس لئے بلامبالغہ یہ علمی سرمایہ اس قابل ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ لیکن اس کا مرتبہ کتاب و سنت کے بعد ہی ہوگا۔ چنانچہ جہاں کوئی خیال قرآن و حدیث کے خلاف نظر آیا، ہم نے پوری سنجیدگی کے ساتھ اس سے اختلاف کیا ہے اور اپنی رائے دلائل کے ساتھ پیش کر دی ہے لیکن خود ہماری رائے پر جرح و تنقید کی بہرحال گنجائش ہے، قلم سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ دل ہر علمی تنقید کے استقبال کے لئے کھلا ہوا ہے۔

جلال الدین

۳۰ر جنوری ۱۹۶۰ء

عورت دورِ قدیم میں

اس وقت زمین کے مختلف حصّوں پر تقریباً تین ارب انسان پائے جاتے ہیں۔ اُن کی صدہا زبانیں ہیں۔ ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے، شادی بیاہ اور خوشی اور غم کے بے شمار طریقے ہیں۔ سائنس دانوں کے اندازہ کے مطابق نوعِ انسانی کی عمر دو لاکھ سال سے زائد ہے۔ اس لمبی مدت میں انسان کو کن حالات و مسائل کا سامنا کرنا پڑا، موجودہ حالت تک کن مراحل سے گذر کر اس نے رسائی حاصل کی، کہاں کہاں اس کی آبادیاں تھیں۔ وہ کتنی قوموں اور قبیلوں میں بٹا ہوا تھا، اس نے کب کس قسم کی صنعت ایجاد کی، کیا اس نے وحشت و بربریت سے تہذیب و تمدّن کی طرف ترقی کی یا اس سے پہلے بھی وہ ترقی کے ادوار دیکھ چکا ہے؟ یہ اور اس طرح کے جتنے سوالات ہیں ان کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں دی جا سکتی کیونکہ انسان اپنے ماضی سے بہت ہی کم واقف ہے اتنا، جتنا کوئی ستر سال بوڑھا اپنی زندگی کے صرف ایک سال کو جانے۔ لیکن اس کے باوجود اتنی بات پورے وثوق

کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انسان کے سفر کا آغاز عورت اور مرد کے اتحاد سے ہوا۔ اسی سے اس کی نسل بھی پھیلی اور علم و فن، صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدّن میں بھی ارتقا ہوا۔

عورت اور مرد کے اتحاد کے علاوہ انسانوں کے درمیان جتنے رشتے اور تعلقات ہیں وہ یا تو اسی اتحاد کا نتیجہ ہیں یا خارجی اسباب و حالات نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر یہ اسباب و حالات مفقود ہوں تو یہ تعلقات بھی وجود میں نہیں آ سکتے۔ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسایہ سے محبت کرتا ہے۔ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کو گلے سے لگاتا ہے، ایک مسافر دوسرے مسافر کا ہم خیال ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک طالب علم دوسرے طالب علم سے۔ ایک تاجر دوسرے تاجر سے، ایک پیشہ والا دوسرے ہم پیشہ شخص سے قرب اور یگانگت محسوس کرتا ہے لیکن جب دونوں کی حیثیت بدل جاتی ہے تو ان میں دوری اور اجنبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس عورت اور مرد کے اتحاد کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ بعض نوعی خصوصیات یا تمدّنی ضروریات کی بنا پر وہ ایک ساتھ رہنے اور مل جل کر کام کرنے لگے ہوں۔ بلکہ ان کا تعلق اس فطری جذب و کشش کا ظہور ہے جو ان کو جڑے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس لئے وہ بغیر کسی خارجی محرک کے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہیں حالانکہ ان کی دلچسپیاں مختلف اور ان کے کام کے دائرے الگ الگ ہیں۔

عورت اپنے خون کے ذریعہ نسلِ انسانی کی پرورش تو کر سکتی ہے لیکن ہل چلا کر اپنی معاش کا فراہم کرنا اور تیر و تفنگ سے دشمن کا مقابلہ کرنا اس کے لئے دشوار ہے کیونکہ قدرت نے اس کو آہنی پنجہ اور قوی بازو نہیں عطا کئے ہیں البتہ وہ اپنے

سینہ میں مہر و الفت اور ہمدردی و ایثار کے جذبات رکھتی ہے۔ چنانچہ ہمیشہ بچوں کی دیکھ بھال، گھر کا انتظام۔ کھانے اور کپڑے کی تیاری عورت کے فرائض رہے ہیں۔ اور جانوروں کا شکار، زراعت اور تجارت اور دشمن کی مدافعت مرد نے کی ہے کیونکہ وہ جفاکش اور محنتی ہے اور مضبوط دست و بازو رکھتا ہے۔

لیکن عورت اور مرد کی قوتوں اور صلاحیتوں کا یہ فرق تاریخ کے بیشتر ادوار میں عزت اور ذلت کا معیار بن گیا۔ مرد زور اور قوت رکھتا ہے اور ایسے کام بآسانی کر گزرتا ہے جن کو عورت اپنی حد استطاعت سے باہر سمجھتی ہے اس لئے اس کو ارفع و اعلیٰ سمجھ لیا گیا اور اس کے مقابلہ میں عورت کی حیثیت فروتر قرار پائی۔ کیوں کہ وہ کمزور ہے اور بہت سے معاملات میں مرد کی دست نگر ہے چنانچہ جو ممالک اپنے عدل و انصاف میں مشہور تھے، جہاں شب و روز اخلاق کے درس دیئے جاتے تھے اور انسانی حقوق کی تعلیم ہوتی تھی وہاں بھی مرد کی برتری ایک مسلمہ حقیقت تھی، اور عورت کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کو جانوروں کی طرح خریدا اور بیچا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اس کو ان حقوق سے بھی محروم رکھا گیا جن سے اس زمین پر سانس لینے والا ہر متنفس بہرہ مند ہے۔

یونان و روم اور عورت

قدیم تاریخ کے متعلق کسی قدر مفصل اور مستند معلومات ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے عہد سے ملتی ہیں۔ انھوں نے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں اس قدر ترقی کی کہ اسکی بنیاد پر بہت سی تہذیبیں اور بہت سے علوم وجود میں آئے۔ لیکن بایں ہمہ ترقی ان کے ہاں عورت کا مقام بہت ہی پست تھا۔ وہ اس کو انسانیت پر بار سمجھتے تھے۔ ان کا

مقصد ان کے نزدیک سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ خادمہ کی طرح گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔

اہلِ یونان اپنی معقولیت پسندی کے باوجود عورت کے بارے میں ایسے ایسے تصورات رکھتے تھے جن کو سن کر ہنسی آتی ہے۔ لیکن ان سے اس بات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کی نگاہ میں عورت کی کیا قدر و قیمت تھی اور وہ اپنے درمیان اس کو کیا حیثیت دیتے تھے۔ ان کا قول تھا "آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے، لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے"۔ نیڈورا نامی ایک عورت کی بابت ان کا عام اعتقاد تھا کہ وہی تمام دنیوی آفات و مصائب کی جڑ ہے۔ ایک یونانی ادیب کہتا ہے "دو مواقع پر عورت، مرد کے لئے باعثِ مسرت ہوتی ہے۔ ایک تو شادی کے دن، دوسرے اس کے انتقال کے دن"۔

لیکی نے اپنی کتاب تاریخ اخلاقِ یورپ میں لکھا ہے:۔

"بہ حیثیت مجموعی با عصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا۔ اس کی زندگی مدۃ العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں، اس کے مقابلہ میں اس کے مرد۔ اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم عملاً وہ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموسِ حیا کے منافی

تھا ... افلاطون نے بے شبہہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی۔ عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔ ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا یعنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظتِ ملک کے کام آئے اور اسپارٹا کے قانون میں یہ تصریح موجود تھی کہ مُسن، ضعیف القویٰ شوہروں کو اپنی کمسن بیویاں کسی نوجوان کے حبالۂ عقد میں دیدینا چاہیئے تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

اسی مصنف کی زبان سے رومی عورت کا حال سُنیئے :۔

"عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصۂ دراز تک نہایت پست رکھا۔ افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر، اسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا، جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانۂ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہوگیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہوگئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا۔ ۵۲۰ سال تک طلاق

کا کسی نے نام بھی نہ سُنا۔"

غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہ تھا۔ رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں تھا البتہ اسکی طبعی کمزوریوں کی بنا پر اس کو بعض سہولتیں دی گئی تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں رومیوں نے اس کو حقوق بھی دیئے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں ملا[1]

عرب اور عورت

تہذیب و تمدّن کے ان مراکز میں جب اس صنفِ نازک کی مظلومیت اور بیچارگی کا یہ حال تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تمدّن ناآشنا عرب میں وہ کس درجہ بے کس و بے بس رہی ہوگی۔ اہل عرب عورت کے وجود کو موجبِ ذلّت و عار سمجھتے تھے۔ لڑکی کی پیدائش ان کے لئے غم و اندوہ کا پیام تھی۔ وہ نرینہ اولاد پر اتراتے اور فخر کرتے لیکن لڑکیوں کا وجود ان کے سرِ عظمت کو جھکا دیتا۔ قرآن مجید نے ان کے

---

[1] روم کے مختلف ادوار میں عورت کے سماجی اور معاشرتی حالات کیا تھے اور ان میں بتدریج کیسے اصلاح ہوئی۔ اس کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں دیکھی جائے۔

ان جذبات کی کتنی صحیح تصویر کشی کی ہے:۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دیجاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس خبر کو وہ اس حد تک برا سمجھتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنی قوم سے چھپائے پھرتا ہے (اور سوچ میں پڑ جاتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کرتے ہوئے اس کو باقی رکھے یا زیر زمین دفن کر دے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

واللہ ان کنا فی الجاھلیۃ ما نعد للنساء امرا حتی انزل اللہ فیھن ما انزل وقسم لھن ما قسم[1]

قسم بخدا، ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لئے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔

عورت سے نفرت اور بیزاری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک شخص کے گھر لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے اس گھر ہی کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔[2] اس سے بھی آگے کی بات یہ کہ عورت کے لئے ان کے اندر رحم و محبت کے جذبات ناپید تھے۔ چنانچہ وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ حد یہ ہے کہ اس شقاوت قلب کا مظاہرہ ان افراد کی طرف سے ہوتا تھا جن کو شفقت و محبت کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض ایسے اندوہناک واقعات منقول ہیں کہ انھیں سن کر ہی دل

---

۱ صحیح مسلم، کتاب الطلاق   ۲ تفسیر کبیر ج ۷، ص ۴۳۵

کانپ کانپ جاتا تھا۔

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جاہلیت کے زمانہ کا واقعہ سُنایا کہ "میرے ایک بچی تھی اور وہ مجھ سے بہت مانوس بھی تھی جب کبھی میں اُسے بُلاتا تو بڑی ہی مسرت سے میرے پاس آجاتی۔ چنانچہ ایک دن میں نے اسے آواز دی تو وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑی چلی آئی۔ میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور قریب کے ایک کنویں میں جھونک دیا اور وہ اس وقت بھی ابّا جان ابّا جان ہی کہتی رہی۔" واقعہ کو سن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں یہاں تک کہ ریشِ مبارک تر ہو گئی۔[۱]

اس سے زیادہ اس کی مظلومیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ باپ کا دستِ شفقت اس کے حق میں بھیڑیئے کا پنجہ ثابت ہو۔

قیس بن عاصم نے جاہلیت میں آٹھ؎ دس لڑکیاں دفن کی تھیں۔[۲]

اس مظلوم صنف کو وہ زندہ بھی رکھتے تو اس سے تمام حقوقِ زندگی سلب کر لیتے تھے۔ شادی کی کوئی حد نہیں تھی جتنی عورتوں کو چاہتے اپنے نکاح میں رکھتے۔ وہب اسدیؓ نے جس وقت اسلام قبول کیا تو ان کے عقد میں دسؓ بیویاں تھیں[۳] غیلان ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے پاس دس بیویاں تھیں[۴]۔

---

[۱] سنن دارمی، باب ما کان علیہ الناس قبل بعثۃ النبی صلعم۔ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷۸، ۴۷۷
[۳] ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع [۴] ترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ عشرۃ نسوۃ۔

اسی طرح طلاق پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی مرد جب چاہتا اور جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔[1] اس طرح وہ زندگی بھر اپنی بیوی کو دق کر سکتا تھا۔ ایک شخص کے متعلق روایت آتی ہے کہ اس نے اپنی کو پریشان کرنا چاہا تو اس سے کہا کہ میں نہ تو تجھے اپنے ساتھ رکھوں گا اور نہ جدا کروں گا، بیوی نے دریافت کیا وہ کیسے؟ کہا اس طرح کہ طلاق دوں گا اور جب عدت ختم ہونے لگے گی رجوع کر لوں گا پھر دوبارہ طلاق دوں گا، اور پھر عدت کا زمانہ پورا ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا۔[2]

جب تک کہ خاوند زندہ رہتا وہ اس کے ماتحت رہتی، خاوند کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کا اس پر مکمل حق ہوتا،[3] چاہتے تو خود ہی اس سے شادی کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے سے شادی کر دیتے اور وہ اس میں بھی آزاد تھے کہ اس کی شادی ہی نہ ہونے دیں۔[4]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث۔ [2] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۸۰، اس حدیث کے راوی یعقوب بن حمید کے بارے میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں "ضعفہ غیر واحد" لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان سے امام بخاری نے اپنی کتاب "افعال العباد" میں احادیث لی ہیں۔ اور ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے بھی انکی روایات کو قبول کیا ہے۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۔ [3] بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء۔ باب قولہ لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرہا۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب قولہ لا یحل لکم ان ترثوا النساء۔

[4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۵۔

بیوہ کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے اسے دوبارہ ازدواجی زندگی ہی سے محروم کر دیتے۔ بعض اوقات کسی کمسن لڑکے کے بڑے ہونے تک اس کا نکاح روکے رکھتے تاکہ وہ اس سے شادی کر سکے[1]

سوتیلی ماں تک سے شادی کرنا ان کے نزدیک معیوب نہیں تھا۔ علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:۔

وقد کان نکاح امراۃ الاب مستفیضا شائعا فی الجاھلیۃ[2]	سوتیلی ماں سے نکاح جاہلیت میں عام تھا۔

اگر اتفاق سے کوئی حسین اور صاحب ثروت یتیم لڑکی کسی شخص کی سرپرستی میں آجاتی تو خود ہی اس سے نکاح کر لیتا اور مہر بھی ٹھیک سے ادا نہ کرتا[3]

وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا[4] جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی کہ جنگ احد میں ثابت شہید ہو گئے۔ ان کی دو بچیاں ہیں۔ لیکن ثابت کے بھائی نے ان کے پورے مال پر قبضہ کر لیا ہے اور ان بچیوں کے لئے ایک حبہ نہیں چھوڑا ہے بتایئے کہ ان کی شادی کیسے ہو؟[5]

اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ متعین کیا تو اہل عرب کو بڑا تعجب ہوا اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا عورت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۵ [2] احکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۵ [3] بخاری، کتاب التفسیر سورۃ النساء [4] بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب ولکم نصف ما ترک ازواجکم

[5] ترمذی، ابوداؤد، کتاب الفرائض۔ باب ما جاء فی میراث الصلب

آدھی میراث کی حقدار ہے جو نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتی، نہ دفاع کر سکتی ہے[1]

یورپ اور عورت

یورپ اس وقت مساواتِ مرد و زن کا سب سے بڑا دعویدار ہے۔ لیکن ابھی یورپ میں ایک صدی سے کچھ پہلے تک عورت، مرد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور کوئی ایسا مضبوط قانون نہیں تھا جو مرد کی زیادتیوں کو روکتا۔

انگلستان کے قانون کی رو سے یہ بات طے تھی کہ شادی کے بعد مرد کی طبیعت میں تو کوئی تبدیلی نہیں آتی البتہ عورت کی شخصیت مرد کی شخصیت کا ایک جزء بن جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ اصول تھا کہ شادی سے پہلے عورت کے ذمہ جو قرض ہوگا وہ مرد ادا کرے گا اور عورت کی جو مال و دولت یا جائیداد ہوگی وہ مرد کی ہو جائے گی۔ الّا یہ کہ اپنی جائیداد کے سلسلہ میں عورت شادی سے پہلے کوئی معاہدہ کرلے۔

نان و نفقہ کا بھی کوئی مناسب قانون نہیں تھا اور نہ عورت کو مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا حق تھا۔ مرد چاہتا تو عورت کو حقِ وراثت سے محروم کر سکتا تھا لیکن بیوی کی جائیداد کا وہ جائز حقدار سمجھا جاتا تھا۔

عورت کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے میں آزاد نہیں تھی۔ وہ اپنے اختیار سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی، حتیٰ کہ اس کو اس کی بھی اجازت نہیں تھی کہ خود کما کر اپنی ذات پر خرچ کرے اور اپنی پسند سے شادی کرے۔

لڑکیاں ماں باپ کی ملک سمجھی جاتی تھیں وہ جس سے چاہتے شادی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۸

کرنے۔ شادی ایک تجارت تھی جس کے ذریعہ والدین اپنی لڑکیاں لڑکوں کو فروخت کرتے تھے۔

آزادیٔ نسواں کا مشہور علمبردار (Mill) اپنی کتاب محکومیتِ نسواں میں لکھتا ہے:-

"تاریخ یورپ کو دیکھیئے تو معلوم ہوگا کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ باپ اپنی بیٹی کو جہاں چاہتا بیچ ڈالتا تھا اور اس کی مرضی کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔"

دینِ مسیح کے پھیلنے سے پیشتر مرد مالک الکل کی حیثیت رکھتا تھا۔ عورت کے مقابلہ میں مرد کے لئے نہ کوئی تعزیر تھی نہ کوئی قانون۔ مرد جب چاہتا عورت کو چھوڑ دیتا لیکن عورت کو کسی حالت میں مرد سے علیحدگی کا اختیار نہ تھا۔ انگلستان کے پرانے قوانین میں مرد کو عورت کا مالک کہا جاتا ہے بلکہ حقیقتاً وہ اس کا بادشاہ مانا جاتا تھا یہاں تک کہ شوہر کے قتل کا اقدام قانونی اصلاح میں بغاوتِ ادنیٰ کہلاتا تھا اور عورت اس کا ارتکاب کرے تو اس کی پاداش میں اس کو جلا دینے کا حکم تھا جو بغاوت کی سزا سے بھی زیادہ ہے اور اب تک، انگریزی قوانین میں بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں عورت گویا مرد کی زرخریدی جاتی ہے۔ اب بھی گرجا میں نکاح کے وقت اس سے تمام عمر شوہر کی اطاعت کا عہد لیا جاتا ہے اور عمر بھر قانون کی رو سے وہ اپنا عہد پورا کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ شوہر کی مرضی کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر چاہے بھی تو اپنے لئے کوئی جائیداد نہیں پیدا کر سکتی اور اگر پیدا کرتی ہے تو وہ سب خود بخود شوہر کی ہو جاتی ہے اس بارے میں انگلستان کا

قانون، عورت کی حیثیت اتنی بھی نہیں باقی رہنے دیتا جو اکثر ممالک میں غلاموں کی تھی!"

عورت مذہب کی نظر میں

یونان ہو یا روم، عرب ہو یا عجم، یورپ ہو یا ایشیا ہر جگہ عورت مظلوم ہی رہی ہے۔ اسکی پوری تاریخ مظلومیت کی داستان ہے۔ حد یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں خدا کی طرف سے نیکی و شرافت، سیرت و کردار اور عفت و عصمت کی جو تعلیم آتی رہی ہے رفتہ رفتہ اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جانے لگا کہ عورت سے تعلق نہ رکھا جائے۔ اس سے کنارہ کشی اور دوری اختیار کی جائے کیونکہ اس سے ربط و تعلق انسان کو معصیت اور گناہ سے قریب کرتا ہے۔

زمانہ کی رفتار کے ساتھ جیسے جیسے یہ تصوّر بڑھتا گیا عورت سے نفرت اور بیزاری میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کو شیطان کی ایجنٹ اور معصیت کا دروازہ کہا گیا ہے۔ اس سے تعلق کو منافی تقویٰ، اور اس سے احتراز کو خدا ترسی کی دلیل سمجھ لیا گیا۔

ان تصورات کا اثر لازماً عورت کی اجتماعی و معاشرتی زندگی پر بھی پڑا۔ اس کو سوسائٹی میں عزت و سربلندی کا وہ مرتبہ نہیں مل سکا جو مرد کو حاصل تھا۔ اس کے وہ حقوق نہیں رہے جو مرد کے تھے۔ اس کی حیثیت ایک ایسے گنہگار اور مجرم کی تھی جسے حقارت اور ذلت سے دیکھا جاتا ہے۔

یہودیت اور عورت

یہودیت کا شمار دنیا کے ان مذاہب میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف چند عقائد و نظریات ہی نہیں

پیش کیے بلکہ ان کی بنیاد پر زندگی کے عملی مسائل سے بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ ایسے ایک مذہب سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ عورت کے بارے میں حقیقت پسندانہ خیالات کا اظہار کرے گا۔ لیکن وہ ہمارے سامنے یہ تصور لاتا ہے کہ مرد نیک سرشت اور نیک کردار ہے اور عورت بد طینت اور مکار۔ نسل انسانی کے پہلے فرد حضرت آدمؑ جنت میں عیش و راحت کی زندگی گذار رہے تھے کیونکہ وہ خدا کے فرمانبردار تھے لیکن ان کی بیوی حوا نے انہیں سب سے پہلے خدا کی نافرمانی پر اکسایا اور ان کو ایک ایسا پھل کھلایا جس کے کھانے سے خدا نے انہیں روکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے اور ان کو مشقت اور تکلیف کی زندگی نصیب ہوئی۔

عہد نامۂ قدیم میں ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے دریافت کیا "کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟" تو آدمؑ نے جواب دیا کہ "جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔"

تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حوا سے کہا:۔

"میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" (پیدائش باب ۳)

دوسرے الفاظ میں حوا نے آدمؑ کو گمراہ کر کے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا خدا کی طرف سے اس جرم کی یہ سزا ملی کہ وہ حمل اور ولادت کی تکلیف میں مبتلا کی گئی اور ہمیشہ کے لئے اس پر مرد کا اقتدار اور غلبہ قائم کر دیا گیا۔ اب قیامت تک مرد

عورت پر حکومت کرتا رہے گا۔ اسی فلسفہ کا نتیجہ ہے کہ یہودی شریعت میں مرد کا اقتدار و تصرف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اگر کوئی عورت خداوند کی منت مانے اور اپنی نوجوانی کے دنوں میں اپنے باپ کے گھر ہوتے ہوئے اپنے اوپر کوئی فرض ٹھہرائے اور اس کا باپ . . . جس دن یہ سنے اسی دن اسے منع کرے تو اسکی کوئی منت یا کوئی فرض جو اس نے اپنے اوپر ٹھہرایا ہے قائم نہیں رہے گا اور خداوند اس عورت کو معذور رکھے گا۔ کیونکہ اس کے باپ نے اسے اجازت نہیں دی۔ اور اگر کسی آدمی سے اس کی نسبت ہو جائے۔ حالانکہ اس کی منتیں یا منہ کی نکلی ہوئی بات جو اس نے اپنے اوپر فرض ٹھہرائی ہے اب تک پوری نہ ہوئی ہو اور اس کا آدمی یہ حال سن کر اس دن اس سے کچھ نہ کہے تو اس کی منتیں قائم رہیں گی لیکن اس کا آدمی جس دن یہ سب سنے اسی دن اسے منع کرے تو اس نے گویا اس عورت کی منت کو اور اس کے منہ کی نکلی ہوئی بات کو جو اس نے اپنے اوپر فرض ٹھہرائی تھی توڑ دیا اور خداوند اس عورت کو معذور رکھے گا ——— اگر اس نے اپنے شوہر کے گھر ہوتے ہوئے کچھ منت مانی یا قسم کھا کر اپنے اوپر فرض ٹھہرایا ہو اور اس کے شوہر نے جس دن یہ سب سنا اسی دن سے اسے باطل ٹھہرایا ہو تو جو کچھ اس عورت کے منہ سے اس کی منتوں اور ٹھہرائے ہوئے فرضوں کے بارے میں نکلا ہے وہ قائم نہیں رہے گا اس کے شوہر نے ان کو توڑ ڈالا ہے اور خداوند اس عورت کو معذور رکھے گا۔ اس کی ہر منت کو اور اپنی جان کو دکھ دینے کی ہر قسم کو اس کا شوہر چاہے تو قائم رکھے یا اگر چاہے تو باطل ٹھہرائے ———

شوہر اور بیوی کے درمیان اور باپ بیٹی کے درمیان جب بیٹی جوانی کے ایام

میں باپ کے گھر ہو ان ہی آئین کا حکم خداوند نے موسیٰ کو دیا"۔ گنتی باب ۳۰

حتیٰ کہ یہودی قانون کی رو سے مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی تھی۔ اس طرح عورت کو دوسری شادی کا بھی حق نہیں تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا)

عیسائیت اور عورت

عورت کے ساتھ عیسائیت کی روش تو اور بھی زیادہ ناپسندیدہ رہی ہے اس نے مظلوم صنف کو جس قدر پستی میں پھینکا جا سکتا تھا پھینک دیا۔ عورت کے بارے میں عیسائیت کے جذبات کا اندازہ طرطولین کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے:۔

"عورت تو! تم نہیں جانتیں کہ تم میں سے ہر ایک حوا ہے۔ خدا کا فتویٰ جو تمہاری جنس پر تھا وہ اب بھی تم میں موجود، تو پھر جرم بھی تم میں موجود ہوگا۔ تم تو شیطان کا دروازہ ہو۔ تم ہی نے آسانی سے خدا کی تصویر یعنی مرد کو ضائع کیا۔"

سینٹ پال اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:۔

"عورت کو چپ چاپ کمال تابعداری سے سیکھنا چاہیئے۔ اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے کیوں کہ پہلے آدم بنایا گیا۔ اس کے بعد حوّا اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔

(تیمتھیس کے نام پولس کا پہلا خط ب۲)

ایک دوسرے خط میں لکھا ہے :۔

"پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ (مرد) خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے مگر عورت ، مرد کا جلال ہے، اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے۔ اور مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی۔ پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے۔" (پولس رسول کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام ۱۱ب)

ہندومت اور عورت[1]

ہندوستان ایک مذہبی ملک سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی مذہبی حیثیت ہمیشہ دوسری حیثیتوں پر غالب رہی ہے۔ یہاں بھی عورت کو غلامی اور محکومی کی زندگی سے نجات نہیں ملی۔ ہندوستان کے مشہور مقنن منوراج نے عورت کے بارے میں کہا ہے کہ:

"عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے۔ خودمختار ہو کر کبھی نہ رہے۔" منوسمرتی $\frac{۵}{۱۴۷}$

"عورت خواہ نابالغ ہو خواہ جوان ہو خواہ بوڑھی ہو گھر میں کوئی کام خودمختاری سے نہ کرے۔" منوسمرتی $\frac{۵}{۱۴۷}$

---

[1] ہندو مذہب کے بارے میں یہ معلومات مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی کتاب نظام سلطنت سے ماخوذ ہیں۔

"عورت کے لئے قربانی اور برت کرنا گناہ ہے، صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے، عورت کو چاہیئے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے، کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے" (۱۵۵، ۱۵۷، ب ۵)

"جھوٹ بولنا عورتوں کا ذاتی خاصّہ ہے" (ب ۹/۱۲)

چانکیہ برہمن جس نے منوجی مہاراج کی منوسمرتی کو حشو و زوائد سے پاک کیا اور جس کی تعلیمات ایک عرصہ تک حکومت کا دستور العمل رہیں وہ عورت کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتا ہے -

"دریا، مسلح سپاہی، پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے" چانک نیتی ب ۱/۱۵

"جھوٹ بولنا: بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی یہ عورت کے جبلّی عیب ہیں" ب ۲

"شہزادوں سے تہذیب اخلاق: عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیئے" ب ۱۸/۱

"آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے" ب ۱۴/۱

"دوست خدمت گار اور عورت مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے

ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آجاتے ہیں۔" ؎۱۵

ہندوستان میں ستی کا رواج خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہاں عورت کا کوئی مستقل وجود نہیں سمجھا جاتا تھا اور خاوند کی موت کے ساتھ اس سے بھی زندگی کا حق چھین لیا جاتا تھا۔

ہندو مذہب یا یہودیت وعیسائیت یا دنیا کا کوئی اور مذہب ان کے مرکز دنیا کے وہ علاقے رہے ہیں جو تہذیب وتمدن کے لحاظ سے بھی پڑھے ہوئے تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے تمام علاقوں میں اقتدار وقیادت ہمیشہ مرد ہی کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ مرد نے ان مذاہب میں ایسی تحریفات کی ہیں جن کی بنا پر عورت کے ساتھ ہر طرح کی چیرہ دستی اس کے لئے جائز ہو جائے اور ہر ظلم وزیادتی کے لئے اس کو خدائی سند مل جائے ورنہ خدائے تعالیٰ عدل وانصاف کا سرچشمہ ہے۔ اس کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بھی ظلم اور ناانصافی کا بھی حکم دے سکتا ہے۔

عورت اور جدید نظریات

ظلم کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ عورت ایک طویل عرصہ سے مظلوم چلی آرہی تھی۔ جب اس کی مظلومیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اس کے نتائج بھی انتہائی گھناؤنی شکل میں نمودار ہونے لگے۔ دورِ جدید میں جہاں زندگی کے بہت سے میدانوں میں انقلاب آیا وہاں عورت کی سماجی حیثیت بھی بدل گئی۔ کل تک اس کو ذلیل و خوار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وہ عزت و سربلندی کی دعویدار ہے ایک وقت تھا جب کہ مرد اس کو صحیح مقام دینے تک کے لئے تیار نہ تھا لیکن جیسے ہی موقع ملا وہ اپنی اصل پوزیشن سے آگے بڑھ گئی اور مزید بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس پر زندگی کے وہ دن بھی گذرے جب کہ وہ گھر کے چھوٹے سے دائرہ میں آزاد نہیں تھی اور آج اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ کوئی گھر کے اندر ہے اور نہ گھر کے باہر۔

عورت کو آزادی کے اس مرحلے تک پہنچانے میں تاریخی طور پر وقت کے حالات نے بھی ساتھ دیا، جس وقت وہ مرد کے پنجۂ ستم سے رہائی کے لئے کوشاں تھی اس وقت مغرب میں بڑی تیزی سے صنعتی انقلاب آرہا تھا ـــــ

_____ اس انقلاب نے عورت کی جدوجہد آزادی کو کامیابی کی راہ پر لگا دیا وہ اس سے پہلے گھر جو اس کا دائرہ کار سمجھا جاتا تھا، سے بغاوت کرنا چاہتی بھی تو اسے نہیں معلوم تھا کہ گھر سے باہر وہ کیا کرے گی اور زندگی کے کس نقشے کو اختیار کرے گی۔ اس انقلاب نے اس کے سامنے گھر سے باہر کے لئے ایک ایسا نقشہ پیش کیا جو خانگی زندگی سے زیادہ حسین تھا اور جس کے ذریعہ وہ غلامی کی زنجیر کو توڑ سکتی تھی۔ اس نئے نقشے کو پاکر وہ ۔ جو کبھی ماں باپ اور شوہر کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتی تھی، ان سے بغاوت پر آمادہ ہوگئی کیونکہ اب وہ کسی معاملے میں ان کی دست نگر نہیں تھی اور اس کے لئے ہر طرف رزق کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

اس بغاوت کے پیچھے عورت کے اندر اپنی حالت کی اصلاح سے زیادہ مرد کی بندشوں سے آزادی اور اس سے انتقام کا جذبہ کارفرما تھا اس لئے اس نے سب سے پہلے اس نظام کو توڑنا شروع کیا جو اس کو ، مرد کے تابع اور ماتحت رکھتا تھا۔ حالانکہ یہ نظام بالکلیہ قابل رد نہیں تھا۔ اس میں گو بعض خامیاں گھس آئی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اندر بہت سے صالح اور مفید اجزا بھی رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نظام کی شکست و ریخت کی نہیں بلکہ اصلاح کی ضرورت تھی۔ لیکن کسی نظریہ و مسلک کے خلاف ردِ عمل ہمیشہ اپنی انتہا کو پہنچ کر رہتا ہے چنانچہ مرد کی چیرہ دستی اور ظلم کے خلاف نفرت اور غم و غصہ کے شدید جذبات نے آزادی نسواں کی تحریک کو بھی اپنی حد کے اندر رہنے نہیں دیا اور اس نے عورت کو وہاں پہنچا دیا جہاں عورت ، عورت نہیں رہتی بلکہ مرد کا روپ دھار لیتی ہے حالانکہ

یہ ایک مصنوعی لبادہ ہے جو اس نے اوڑھ رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ عورت مرد بن سکتی ہے، اور نہ مرد کو عورت کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ صلاحیتوں اور قوتوں کے مالک ہیں۔ ایک ہی مقام، ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی ماحول میں پرورش پانے والے مرد اور عورت طبعی اور نفسیاتی طور پر باہم اس قدر مختلف ہوتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے دو ہم جنس افراد اتنے مختلف نہیں ہو سکتے۔ دو مردوں کے درمیان مزاج اور رجحانِ طبع کے ہزار اختلاف کے باوجود اتنی متحد اور مماثل خصوصیات بھی ہوں گی کہ ان کا تناسب متضاد رجحانات سے کہیں زیادہ ہوگا۔ یہ تناسب کسی بھی مرد اور عورت کے درمیان نہیں پایا جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کی نگاہ میں رنگ و نسل، آب و ہوا اور جغرافیہ و زبان کا اختلاف کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا البتہ اس کے نزدیک صنفی اختلاف انتہائی اہم ہے۔ اس لئے وہ صلاحیتوں کے عطا کرنے میں سیاہ و سپید، پست قد اور بلند قامت کے درمیان کوئی قابلِ لحاظ فرق نہیں کرتی۔ ہاں یہ فرق ضرور کرتی ہے کہ کون کس صنف سے تعلق رکھتا ہے۔ تاریخ کا مسلسل تجربہ ثابت کر چکا ہے کہ صنفی اختلاف معمولی اور جزئی اختلاف نہیں بلکہ بنیادی اختلاف ہے۔ اس فرق و اختلاف کو تعلیم و تربیت اور ماحول کے ذریعہ مٹایا نہیں جا سکتا کیونکہ آدمی اپنے اندر ایسی ہی قوتوں کو نشو و نما دے سکتا ہے جو فی نفسہ اس میں موجود ہوں۔ کسی ایسی قوت کا پیدا کرنا اس کے لئے ممکن نہیں جس کا مادہ قدرت نے اس کے اندر رکھا ہی نہ ہو۔ عورت ہو یا مرد کسب و محنت سے قدرت کی طرف سے عطا کردہ صلاحیتوں کو جلا تو دے سکتے ہیں، کوئی نئی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتے۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس کا ثبوت ہر دور کی تاریخ فراہم کر چکی ہے اور آج تک کوئی علمی تحقیق اس کی تردید نہیں کر سکی۔ ایک فرانسیسی مصنف الگزس کیرل، جس کو نوبل پرائز ملا تھا اپنی کتاب MAN THE UNKNOWN میں لکھتا ہے:۔

"مردوں اور عورتوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ یہ اختلافات اُن کے جسم کی رگوں اور ریشوں کی ساخت کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ عورت کے بیضہ دان سے جو کیمیادی مادّے خارج ہوتے ہیں ان کا اثر صنفِ نازک کے ہر حصے پر پڑتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے طبعی اور نفسیاتی اختلافات کا سبب بھی یہی ہے"

ڈاکٹر لیمبروس گنا اپنی کتاب روحِ نسوانیت میں تحریر کرتی ہے۔ کہ "عورتیں اور مرد صرف طول وقامت، ہڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں بلکہ اس اعتبار سے بھی مختلف ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے، ان کے امراض کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ ان کے ذہن اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔"

یہ وہی خیالات ہیں جن کا اظہار تقریباً ایک صدی قبل (جبکہ آزادیٔ نسواں کا پودا برگ و بار نہیں لایا تھا) علمی حلقوں میں کیا گیا تھا چنانچہ انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:۔

"مرد و عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف اگرچہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہے لیکن صرف یہی ایک

اختلاف نہیں ہے بلکہ عورت کے اور تمام اعضاء سر سے پیر تک مرد کے اعضاء سے مختلف ہیں یہاں تک کہ وہ اعضاء بھی جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں۔"

دونوں صنفوں کا یہ اختلاف متقاضی ہے کہ جس صنف میں جس نوعیت کی قوت وصلاحیت ہے۔ اس سے اسی نوعیت کا کام لیا جائے۔ زندگی کے بیشتر معاملات میں عمل بھی اسی پر کیا جاتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی انجنیئر کو کاشتکاری میں لگا دیا جائے یا کسی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے کو فوج میں منتقل کر دیا جائے۔ ایک ہی صنف کے دو افراد کے درمیان صلاحیت، رجحان طبع، ذوق اور مناسبت کی بنا پر فرق کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دو مختلف صنفوں کے مابین اس فرق کو نظر انداز کر دیا جائے جب کہ دونوں کی جسمانی ساخت، پیدایش سے موت تک ان پر طاری ہونے والے حالات اور دونوں کے جذبات و احساسات صاف بتاتے ہیں کہ ان کی تخلیق بالکل جداگانہ ڈھنگ پر ہوئی ہے اور قدرت ان سے دو مختلف نوعیت کے کام لینا چاہتی ہے۔

لیکن جدید فکر کی غلط اندیشی نے دونوں کو ایک ہی میدان میں دھر گھسیٹا ہے اور ایک ہی میدان میں ترقی کے مواقع بھی فراہم کئے ہیں۔ حالانکہ اس کے پاس اس بات کا کوئی طبعی اور نفسیاتی ثبوت نہیں ہے کہ عورت اور مرد کی صلاحیتیں اور قوتیں ایک نوعیت کی ہیں اور جو کام مرد انجام دیتا ہے وہ عورت بھی انجام دے سکتی ہے۔

الگزس کیرل مردوں اور عورتوں کے طبعی اور نفسیاتی اختلافات پر بحث

کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"ان بنیادی حقائق کو جو عورت اور مرد کے طبعی فرق پر دلالت کرتے ہیں، نظرانداز کردینے کی وجہ سے نسوانی آزادی کے علمبرداروں نے یہ دعویٰ کیا کہ مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں اور حقوق بالکل یکساں اور مساوی ہونے چاہئیں حالانکہ فی الحقیقت مردوں اور عورتوں کے درمیان بے حد اختلافات پائے جاتے ہیں۔ عورت کے جسم کے ہر خلیے پر اس کی نسوانیت کے نقوش مرتسم ہوتے ہیں۔ یہی بات اس کے اعضاء کے متعلق بھی صحیح ہے اور بالخصوص اس کے نظام عصبی کے متعلق۔ عورتوں کو اپنی فطرت کے مطابق اپنے رجحانات کی تشکیل کرنی چاہیے، بغیر اس کے کہ وہ مردوں کی تقلید کریں۔ تہذیب کے ارتقاء میں عورتوں کا بہ نسبت مردوں کے زیادہ حصّہ ہے۔ اس لئے انہیں اپنے خصوصی فرائض سے پہلوتہی نہیں کرنا چاہیے۔"

(ڈاکٹر لیمبروس گنا رقم طراز ہے:۔

"ترقی اور ارتقاء صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین کرنے میں ان کے فروق و اختلافات کو مدنظر رکھا جائے۔)

(حقیقت یہ ہے کہ مغرب نے مساواتِ مرد و زن کا تصور اس لئے نہیں قبول کیا ہے کہ اس نے دونوں کے طبعی فرق کو غلط ثابت کر دیا ہے یا بدل کر رکھ

دیا ہے بلکہ اس کی نگاہ میں یہ تصوّر، عورت کی مظلومیت کا واحد حل ہے، اس کے نزدیک عورت کی مظلومیت کی وجہ یہ ہے کہ سوسائٹی میں مرد کو ظلم و زیادتی کے تمام مواقع حاصل ہیں اور عورت ان حقوق سے محروم ہے جن سے کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ عورت کو بھی وہ تمام سماجی حقوق حاصل ہوں جو مرد کو حاصل ہیں اور جو اسباب و وسائل کے ذریعہ سوسائٹی میں عزت و سربلندی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ کسی ایک صنف کے ساتھ مخصوص نہ سمجھ لئے جائیں تاکہ مردوں کی طرح بھی اونچے سے اونچے منصب تک رسائی حاصل کر سکے اور بہتر سے بہتر صنعت اور اعلیٰ سے اعلیٰ پیشہ اختیار کر سکے) ورنہ کسی ایک صنف کو ترقی کے مواقع فراہم کرنے اور دوسری کو محروم رکھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم سماج میں انسانیت کی ایک صنف کو مستقل ذلیل اور پست رکھنا چاہتے ہیں اور اس کی ترقی کے خواہاں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی طبقہ سماجی حیثیت سے پست ہوگا تو وہ برتر طبقہ کے جور و ستم کا نشانہ بنا رہے گا۔ با اقتدار گروہ کو ظلم اور چیرہ دستی سے دنیا کی کوئی قوت باز نہیں رکھ سکتی۔

(اس پوری بحث میں عورت کے سماجی حقوق اور اس کی سماجی ذمہ داریوں کو ایک کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان میں بنیادی فرق ہے۔ کسی فرد کے ساتھ عدل و انصاف اور مساوات کا سلوک ایک الگ چیز ہے اور اس کو کسی متعین سماجی کام میں لگا دینا ایک دوسری ہی چیز۔ ان دونوں کو ایک قرار دینا یا ایک کو دوسرے پر منحصر سمجھنا خطرناک غلطی ہے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ جو شخص

بعض متعین کام انجام نہ دے وہ سماجی حقوق سے بھی محروم رہے۔ اگر عورت پر ظلم و زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنے حقوق سے محروم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست اور سماج اپنی ذمہ داری سے غفلت برت رہے ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس کو معاشی و معاشرتی، تعلیمی و تمدنی سہولتیں بہم پہنچائیں تاکہ وہ ایک آزاد اور پُرامن شہری کی حیثیت سے زندگی گزار سکے۔ جو ریاست اپنے اس فرض کو صحیح طور سے انجام نہیں دیتی وہ اپنے وجود کی نفی کرتی ہے۔ کیونکہ فرد ریاستی اور اجتماعی زندگی کو اسی لئے اختیار کرتا ہے کہ زندگی کے جن اہم مقاصد کو وہ اپنے محدود ذرائع و وسائل کی بنا پر پورا نہیں کر سکتا۔ ریاست کے وسیع اور قوی ذرائع سے ان کی تکمیل کر سکے۔ اس لئے کسی ریاست کو نہ تو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی شہری کو اس کی بنیادی ضروریات سے محروم کر دے اور نہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مخصوص طبقے کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرے اور دوسرے طبقے کو عدل و انصاف سے محروم رکھے۔ دنیا کی کوئی بھی ریاست اس امتیاز کے لئے وجہ جواز نہیں رکھتی۔

لیکن کسی ریاست کا شہری ہونا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہر قسم کی ریاستی ذمہ داری بھی اس پر ڈال دی جائے کیونکہ ذمہ داری اہلیت کی بنا پر سونپی جاتی ہے اور ضروری نہیں کہ ہر شخص میں ہر کام کرنے کی اہلیت ہو۔ اس لئے حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ عورت پر وہی ذمہ داریاں عائد کی جائیں جن کی وہ متحمل ہو اور جن کو پورا کرنے کی اس میں صلاحیت ہو،

(مغرب نے اپنے استدلال میں اسی حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے ترقی اور عزت کو چند مخصوص پیشوں اور صنعتوں کے ساتھ وابستہ

کردیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عزت و ذلت کا ایک خود ساختہ پیمانہ ایجاد کیا ہے۔ یہ وہ پیمانہ ہے جس کے بنانے میں مرد کی قوتوں اور صلاحیتوں کو تو سامنے رکھا گیا ہے لیکن عورت کے مزاج اور فطرت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور پھر اس کو دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ عزت اور سربلندی کی خواہاں ہے تو اس پیمانے پر پوری اترے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ فطرت نے جس صنف انسانی میں جس نوعیت کی صلاحیت رکھی ہے۔ اسی نوعیت کا کام اس کے لئے کامیابی و کامرانی کا ذریعہ تصوّر کیا جاتا۔ اس طرح ہر صنف، فطری طور پر معاشرے میں اپنا مقام پیدا کرتی اور عزّت حاصل کرنے کے لئے اس کو غیر فطری جدوجہد نہ کرنی پڑتی۔

کہا جاتا ہے کہ جس چیز کو عورت کی فطرت کہا جاتا ہے وہ دراصل ایک مصنوعی حالت ہے جو مرد کے مسلسل ظلم کی وجہ سے اس پر طاری ہو گئی ہے۔ عورت کو چونکہ ایک زمانہ دراز سے کچلا اور دبایا جا رہا تھا۔ اس لئے اس کی فکری و عملی قوتیں ٹھٹھر کر رہ گئیں کیونکہ جب تک صلاحیتوں کے ابھرنے کے مواقع نہیں ملتے وہ دبی پڑی رہتی ہیں۔ عورت کو اگر حرکت و عمل کی آزادی ہوتی تو وہ ان میدانوں میں بہترین پارٹ ادا کر سکتی جو مرد کے لئے مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔

جہاں تک عقل و استدلال کا تعلق ہے اس دعوے کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ جس طرح اس بات کا امکان ہے کہ عورت آزادیٔ عمل پاکر ہر پہلو سے مرد کی برابری کا ثبوت دے۔ اسی طرح بالکل اس کے مساوی اس بات کا بھی امکان ہے کہ آزادی کے بعد وہ وہیں رہے جہاں پہلے تھی۔ جب یہ دونوں امکانات ایک ہی درجے میں پائے جاتے ہیں تو کس دلیل کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر

خالص مردانہ فرائض کے انجام دینے کی بھی صلاحیت ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اس کی موجودہ نفسیات اور صلاحیتیں گواہی دیتی ہیں کہ زندگی کی جدوجہد میں اس کا دائرہ اور مرد کا دائرہ بالکل الگ الگ ہے۔

پھر یہ بات بھی حقیقتِ واقعہ کے خلاف ہے کہ مرد ہمیشہ ظالم رہا، اور اس کے جور و ستم نے عورت کے جذبات اور ارادوں کو ظہور پذیر ہونے نہیں دیا۔ کیونکہ اگر مرد کو جبر و ظلم کی قوت حاصل ہے تو عورت کے پاس حسن و دلربائی کا افسوں ہے جس سے وہ سنگ دل اور بے رحم انسانوں کو موم بنا سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ میں جہاں مردوں کی چیرہ دستی کی مثالیں ملتی ہیں وہاں اس قسم کے واقعات کی بھی کمی نہیں ہے کہ وقت کی ایسی ایسی شخصیتیں عورت پر جان و دل سے نثار رہی ہیں جن کے کسی طرف جھک جانے کے معنی یہ تھے کہ سارا ماحول اس کے تابع ہو گیا۔ لبا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ عورت بڑے بڑے تخت و تاج کی بلا شرکت غیرے مالک رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود معاشرتی نفسیات کے محققین کی رائے ہے کہ عورت نے اپنے دائرے سے باہر کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں دیا۔

ہیولاک ایلس جو اس زمانے میں جنسی نفسیات کا سب سے بڑا ماہر خیال کیا جاتا ہے اپنی کتاب "مرد اور عورت" میں لکھتا ہے:۔

"عورت دو مردوں کی ہمدردی کے لئے تڑپتی ہے اور اس میں مختاری کا جذبہ ویسا پُرزور نہیں ہوتا جیسا مردوں میں ہوتا ہے۔"

اس دعوے کے ثبوت میں ایلس ان چند عورتوں کی مثال پیش کرتا ہے جنہوں نے بڑے بڑے عملی کام کئے ہیں ان میں ایک عورت

بھی ایسی نہیں جس نے اپنا بہترین کام مردوں سے الگ رہ کر انجام دیا ہو۔ چنانچہ میڈیم کیوری نے اپنے شوہر کیوری کے ساتھ سائنس میں مسز براؤننگ نے اپنے رفیقِ حیات براؤننگ کے ساتھ شاعری میں اور جارج ایلیٹ نے مسٹر طلیوس کے ساتھ ناول نویسی کے میدان میں جو کارہائے نمایاں کئے وہ مردوں کی معیت اور رفاقت کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئے"

جن خواتین نے مواقع حاصل ہونے کے باوجود مرد کے میدان میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ان کے متعلق ممکن ہے یہ توجیہہ کر دی جائے کہ گو ان خواتین کو انفرادی طور پر آزادی میسر تھی لیکن طبقۂ نسوانیت کے طویل ذہنی وعملی انحطاط نے ان کے جذبات فکر و عمل کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ مرد کے سہارے کے بغیر کسی اہم اقدام کی جرأت نہیں کرتی تھی، ان کے اندر یہ حوصلہ نہیں تھا کہ آزادانہ رائے قائم کریں اور اپنے بل بوتے پر کوئی کام کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ عرصہ دراز تک وہ حریت اور آزادی کی زندگی گذاریں اسی کے بعد یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اندر عزم و حوصلہ اور خود اعتمادی کی روح بیدار ہوگی۔

یہ توجیہ گو حسین ہے لیکن واقعات سے مطابقت نہیں رکھتی، تاریخ میں ایسے دور بھی گذر چکے ہیں جب کہ عورت کو مرد کے برابر جدو جہد کے مواقع حاصل تھے اور آج بھی بہت سی ایسی غیر مہذب قومیں جن میں عورت کسی ایک دائرے میں بند ہو کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ زندگی کے تمام مسائل سے مرد

کی طرح براہِ راست نپٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود فطرت نے عورت اور مرد کے درمیان جو طبعی فرق رکھا ہے وہ بہر طور باقی ہے۔

خود موجودہ تہذیب نے ایک صدی سے آزادی میں مرد کے ساتھ اس کو بھی شریک کر رکھا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آزادی نے مزاجِ نسوانیت میں تبدیلی پیدا کر دی؟

پروفیسر دو ناریني لکھتا ہے:۔

"جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے بعینہٖ اسی طرح امریکہ کی وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔"

یہی مصنف مزید لکھتا ہے:۔

"تمدن کے بڑھنے کے ساتھ ہی قدرتی اختلاف کی وضاحت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ گوری رنگت کے مردوں اور عورتوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ سیاہ فام رنگت کے وحشی مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاف سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہے!"

(اپنے فطری دائرے سے عورت کے خروج کو ثابت کرنے کے لئے مغرب نے ایک اور دلیل بھی فراہم کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر عورت سماجی و تمدنی کاموں سے کنارہ کش ہو جائے تو تہذیب و تمدن کی رفتار گھٹ کر آدھی ہو جائے گی اور پچاس سال کے عرصے میں تہذیب، ترقی کے جن منازل تک پہنچ سکتی ہے۔

ان تک سو سال میں پہنچے گی۔

بالفاظ دیگر اس دلیل کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی خانگی مصروفیت اور جدوجہد سے سماج کو فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ اس لئے اس کو ایسے کام اختیار کرنے چاہئیں جن سے سماج کی تعمیر و ترقی ہو سکے۔

یہ دلیل انتہائی غلط اور غیر علمی ہے کیونکہ سماج کوئی مخصوص فنی نوعیت کا ادارہ نہیں کہ صرف اس فن کی ترقی کو سماج کی ترقی سمجھا جائے۔ بلکہ یہ زندگی کے مختلف شعبوں کی ترکیب سے وجود میں آتا ہے۔ ان ہی میں وہ شعبہ بھی ہے جس کو عورت سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر یہ شعبے ختم ہو جائیں تو سماج بھی فنا ہو جائے۔ اس لئے سماجی ارتقا کے معنی یہ ہیں کہ اس کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ ترقی کریں اور بحیثیت مجموعی زندگی کا معیار بلند ہو۔ مزدور کو اپنی مزدوری میں آسانیاں فراہم ہوں اور خوشحالی نصیب ہو۔ صحافی کو صحافت میں کوئی زحمت نہ رہے۔ اور تاجر کو تجارت کی آزادی ہو۔ اسی طرح سماجی ترقی کے لئے ناگزیر ہے کہ عورت کو بھی اس کے اپنے دائرے میں کام کے پورے مواقع حاصل ہوں اور اس پر کسی قسم کی غیر ضروری قدغن نہ عائد کی جائے۔ نہ یہ کہ سماج کی فلاح و بہبود کے نام پر اس کو اس کے حقیقی دائرۂ عمل سے باہر کھینچ لایا جائے۔ اس کا جواز صرف اس صورت میں نکل سکتا ہے جب کہ ہم یہ ثابت کر دیں کہ عورت سماج کی جو خدمات انجام دے رہی ہے وہ سماج کے لئے نقصان دہ یا کم از کم غیر مفید ہیں۔ ورنہ سوال پیدا ہوتا ہے کیوں نہ مزدور اپنا کارخانہ چھوڑ دے، صحافی اپنا اخبار بند کر دیں اور پڑھنے اور پڑھانے والے تعلیم گاہوں سے باہر نکل آئیں۔ ظاہر ہے کوئی

عقلمند اس کو درست نہیں قرار دے سکتا۔

کہا جاتا ہے بلاشبہ عورت سماج ہی کے فائدے کے کام کررہی ہے۔ لیکن اس کو بالکل معمولی اور حقیر کاموں کے لئے مخصوص سمجھ لیا گیا ہے اور اگر وہ معاشرے کی کوئی اہم خدمت انجام دینا بھی چاہے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی حالانکہ ہر پیشے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے اپنا پیشہ بدل دے اور جس صنعت کو چاہے اختیار کرے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ عورت کو جو قوتیں اور صلاحیتیں حاصل ہیں، عقل کا صریح تقاضا ہے کہ ان ہی کے مطابق اس کے لئے نقشۂ عمل تجویز کیا جائے اور اگر یہ نقشہ کسی کو ناقص نظر آتا ہے تو اسے فطرت سے سوال کرنا چاہیئے کہ کیوں اس نے ایک صنف کو حصولِ کمال کی سعادت سے مستقلاً محروم رکھا؟ یا کم از کم اس کو عورت کی صلاحیتوں میں ایسی تبدیلی لانی چاہیئے جس سے وہ اس کے تجویز کردہ نقشے کے مطابق کام کر سکے۔

موجودہ تمدّنی ترقی کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے اس نظریے کی تردید کر دی ہے کہ عورت ایک مخصوص دائرے ہی میں کام کر سکتی ہے کیونکہ تمدّن نے جس شعبے میں بھی ترقی کی ہے اس میں مرد کے ساتھ عورت بھی شریک رہی ہے اگر عورت نے ساتھ نہ دیا ہوتا تو ترقی کی رفتار گھٹ جاتی۔

یہ تجزیہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ موجودہ تمدن کی ترقی کا سبب وہ طبعی و مادّی علوم ہیں جن کا آغاز اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں ہوا جن کی مدد سے انسان بہت سے ایسے مادّی حقائق کے دریافت

کرتے ہیں کامیاب ہوا جن کو وہ اپنی دسترس سے باہر خیال کر رہا تھا۔ یہی حقائق و انکشافات ہیں جو موجودہ تمدن کا سرچشمہ ہیں۔ ان علوم کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ تحقیقات مرد کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اس میں عورت کا حصہ بہت کم رہا ہے اس لئے اس میدان میں ایسا کوئی مستقل کارنامہ نہیں انجام دیا ہے جس کا تمدن پر کوئی گہرا اثر پڑا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کے کسی بھی شعبے میں آج تک اس کو امامت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ —— اس لئے کہ یہ اس کا حقیقی دائرۂ عمل نہیں ہے وہ اگر اس طرف رخ کرتی ہے تو اس کی حیثیت ایک اجنبی کی سی ہوتی ہے اس میدان میں کام کے خواہ کتنے ہی مواقع اس کو کیوں نہ حاصل ہوں۔ وہ مرد کی ہمسری کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ خود مغربی مفکرین کو اعتراف ہے کہ عورت تمام سہولتوں کے باوجود ان شعبوں میں اتنی کارآمد نہیں ثابت ہو رہی ہے جتنی کہ اس سے توقع کی جاتی ہے اور ایک کم تعلیم یافتہ مرد سوسائٹی کو ایک اعلیٰ التعلیم یافتہ عورت سے زیادہ فائدہ پہنچا رہا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کام تو کرنا چاہتی ہے مردوں کا لیکن اسکی نسوانیت اس کو اس کی اجازت نہیں دیتی۔ موجودہ رجحانات اس کو جس طرف لے جا رہے ہیں اس کی طبعی صلاحیتیں اس طرف چلنے سے انکار کر رہی ہیں۔ اس کش مکش نے اس کو ایک عذاب میں مبتلا کر دیا ہے جس سے خود مغرب پریشان ہے۔

پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پچھلے دنوں ہم نے خالص مادی پہلو سے

اپنے مشکلوں کا حل سوچنے کی جو کوشش بھی کی وہ ناکام رہی اور ہمارے تمام منصوبے تمسخر بن کر رہ گئے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہم نے ایسی مشینیں ایجاد کر کے جن سے ہزاروں آدمیوں کو مشقت سے بچایا جا سکتا ہے ہم نے کتنی "عظیم الشان" ترقی کی ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے لیکن اسکا یہ ایک عجیب نتیجہ نکلا کہ عورت غریب آج اتنی محنت کر رہی ہے جتنی اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ مثلاً امریکی عورت ہی کو لیجئے وہ گھریلو کام کاج کیلئے بیرونی مدد لینے سے محروم ہے اور خود اس کے حالات اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ محض خانہ داری کی دیکھ بھال ہی کے لئے اپنا سارا وقت دے سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ بے چاری دوہری مشقت میں پسی جا رہی ہے، گھر پر وہ بیوی اور ماں ہے اور باہر وہ کسی دفتر یا کارخانے میں ملازمہ ہے۔ جنگ کے دنوں میں انگلستان میں عورت کی یہ حیثیت تقریباً ملک گیر تھی۔ حالات کا یہ رُخ کسی طرح حوصلہ افزا نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ دنیا میں تنزل کے دور عام طور پر وہی رہے ہیں جب عورت گھر کی چاردیواری کو چھوڑ کر باہر نکلی ہے۔ قدیم تاریخ میں پانچویں صدی قبل مسیح کا یونان ترقی کی معراج پر پہنچا ہوا تھا لیکن اس دور میں عورت گھر کی زینت تھی مگر اسکندر کے بعد جب زمانے میں شہری ریاستیں رو بہ زوال تھیں تو جب بھی ایک ایسی ہی نسوانی تحریک شروع ہوئی تھی جیسی آج ہمارے زمانے میں پائی جاتی ہے۔"

عورت کا گھر کی چار دیواری کو چھوڑنا دو اسباب کی بنا پر زوال کا باعث ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے زندگی کا بہت بڑا دائرہ معطل ہو جاتا ہے اور اس کے بے شمار مسائل لاینحل رہ جاتے ہیں کیونکہ ان مسائل کو عورت ہی کا ناخنِ تدبیر حل کر سکتا ہے۔ مرد کے بس میں نہیں کہ ان کو حل کر دے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس اقدام سے عورت اور مرد کے تعلقات اور دونوں کی سرگرمیوں کا رُخ وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں تاریخ کا فیصلہ ہے کہ اس پر چلنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ سوسائٹی میں عورت اور مرد کا صحیح مقام اور دونوں کے تعلق کو متعین کرنے میں نہ قدیم تصورات کو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور نہ جدید فکر ہی اس کو حل کر سکا ہے۔

ہمارے نزدیک صرف اسلام نے دونوں کی نفسیات، طبعی رجحانات اور فکری و عملی قوتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ اس لئے نظامِ تمدن میں دونوں کی حیثیت متعین کرنے میں بھی وہ پوری طرح کامیاب ہے۔

سب سے پہلے وہ یہ حقیقت ہمارے سامنے لاتا ہے کہ فطرت، وجود و حیات کا سلسلہ دو مقابل صنفوں کی مدد سے باقی رکھے ہوئے ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ جس صنف سے جس نوعیت کا کام لینا چاہتی ہے اس کو اسی نوعیت کی صلاحیتیں بھی دی ہیں۔ لہٰذا ہر صنف کا کمال یہ ہے کہ اس کی طبعی صلاحیتیں منشائے قدرت کی تکمیل میں صرف ہوں۔

اس نظریئے کے تحت معاشرے میں مرد و زن کے حدودِ عمل کو ایک دوسرے

سے لازماً الگ قرار پائیں گے لیکن کسی صنف کو محض اس بنا پر کوئی تفوق حاصل نہ ہوگا کہ وہ مخصوص اوصاف اور قوتوں کی حامل ہے جو دوسری صنف میں نہیں ہیں اور نہ کوئی صنف اپنی تگ ودو کو ذلت آمیز اور رسوا کن خیال کرنے پر مجبور ہوگی ۔ اس کے برعکس جو افراد فطرت کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں گے معاشرے میں ان کی پذیرائی ہوگی اور وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے اور جو کوششیں شاہراہِ فطرت سے ہٹی ہوئی ہوں گی وہ حقارت اور مذمت کی مستحق قرار پائیں گی ۔ ساتھ ہی اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر صنف کو اس کے اپنے دائرے میں توسیعت و اقدام کے پورے مواقع فراہم ہوں گے ۔ لیکن اس دائرے سے باہر اس کی سرگرمیوں کو کم سے کم کیا جائے گا ۔

ایک شخص یہ کہہ کر اس نظریے کی قدر و قیمت گھٹا سکتا ہے کہ عمل کی دنیا میں انسان اعلیٰ نظریات ہی کا پابند نہیں رہتا ۔ بلکہ عموماً وہ ایسے عوامل و محرکات کے پیچھے دوڑ پڑتا ہے جن سے اس کے جذبات کی تسکین ہوتی ہو اور جو اس کے لئے زیادہ پُر لطف اور حسین ہوں ۔ اس لئے اسلامی نظریات پر ایمان رکھنے کے باوجود یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ مرد عورت کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے گا کیونکہ انسان کا قوی ترین داعیہ یہ ہے کہ اس کو دوسروں پر اقتدار اور غلبہ حاصل رہے یہ داعیہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ اپنے سے کمزور مخلوق کو کمزور ہی رکھے اور اس کو ابھرنے اور برابر ہونے کا موقع نہ دے ۔

یہ بات دنیا کے اور نظریات کے متعلق ممکن ہے صحیح ہو لیکن اسلامی تصورات کو ان پر قیاس کرنا غلط ہوگا کیونکہ ان کے پیچھے ایک زبردست ہستی کا زندہ و محکم یقین

اور اس کا بے پناہ خوف کارفرما ہوتا ہے۔ اس یقین کے منافی کسی حرکت کا صدور ایسا ہی ہے جیسے موت کے پھندے کو موت کا پھندا سمجھتے ہوئے کوئی شخص اس میں لٹک جائے۔

اس کے باوجود اسلام نے عورت کی قسمت کو مرد کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا ہے کہ اگر خدا کا خوف اس کو ظلم و زیادتی سے روکے تو رک جائے اور اگر یہ خوف دھندلا ہو گیا ہے تو ہر طرح کی تعدی کی اس کو گنجائش نکل آئے بلکہ اس نے قانوناً بھی عورت کی پوزیشن اتنی مضبوط کر دی ہے کہ وہ اپنی طبعی کمزوریوں کے باوجود سماج میں نہ تو مظلوم و بے بس رہے گی اور نہ فقر و فاقہ پر مجبور ہو گی۔ اس کو تقریر و تحریر کا حق ہو گا۔ وہ ریاست کے تمام ذرائع و وسائل اور سہولتوں سے اسی طرح فائدہ اٹھا سکے گی جس طرح مرد فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے ساتھ عدل و انصاف میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اس کی جان و مال اور عفت و عصمت پر دست درازی کا حق ریاست کے کسی بھی فرد کو نہیں ہو گا۔ حتیٰ کہ ماں باپ، شوہر اور حاکمِ وقت بھی اس سے کسی غیر قانونی مطالبہ کا مجاز نہ ہو گا۔

قانون کی اس شدت کے ساتھ اسلام مرد کے اندر لطف و محبت کے جذبات کو ابھارتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ عورت ایک کمزور مخلوق ہے اس لئے ہمدردی اور مہر و الفت کی مستحق ہے نہ کہ سختی اور تشدد کی۔ اقتدار و بالادستی خدا کی صفت ہے۔ اگر مرد کو عورت کے مقابلے میں خدا کی اس صفت کا کچھ زیادہ حصہ ملا ہے تو اس کو محبت اور ہمدردی میں بھی بڑھا ہوا ہونا چاہیے کیونکہ خدا جتنا بڑا صاحبِ اقتدار ہے اتنا ہی بڑا رحیم و کریم بھی ہے۔ وہ شخص

انتہائی کم ظرف ہے جس کے اندر اقتدار کا نشہ درندوں اور بھیڑیوں کی صفات پیدا کر دے۔ ان جذبات میں اتنی قوت ہے کہ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آئندہ صفحات میں آپ کو ان ہی اجمالات کی تفصیل ملے گی۔

عورت اسلامی معاشرہ میں

اساسی تصوّرات

کسی نظام کو جو نظریات وجود میں لاتے ہیں ان کو جانے بغیر اس نظام کی تفصیلات کا سمجھنا دشوار ہے۔ کیونکہ ان ہی سے اس نظام کی ہیئت متعین ہوتی ہے، اس کا مزاج بنتا ہے۔ معاشرتی و سماجی اور تہذیبی و تمدنی حقوق مقرر ہوتے ہیں۔ غرض کہ ان ہی کی بنیاد پر زندگی کا سارا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور افراد کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسلامی معاشرہ میں عورت کی حیثیت، مرتبہ و مقام اس کے حقوق و اختیارات اور فرائض و واجبات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے عورت کے بارے میں اسلام کے تصورات سے واقفیت حاصل کی جائے تاکہ ان کی روشنی میں تفصیلات کا مطالعہ کیا جا سکے۔

(۱) انسان محترم ہے اگر آپ اسلام کی تعلیمات کا لبّ لباب دریافت کرنا چاہیں تو اس کا جواب ایک جملہ میں دیا جا سکتا ہے کہ وہ انسان کی عظمت و سربلندی کی دعوت ہے"۔ وہ انسان کو زوال و ادبار کی پستیوں سے اٹھا کر رفعت و بلندی کے ایک ایسے اعلیٰ مقام پر پہونچانا چاہتا ہے،

جو حد ادراک سے بھی بہت آگے ہے وہ عزتِ نفس اور عظمتِ آدمیت کا درس دیتا ہے۔ وہ خدائے واحد کی بندگی کی طرف بھی اس لیے بلاتا ہے تاکہ انسان ایک در پر اپنا سرِ نیاز جھکا کر کائنات کی تمام مخلوقات کے مقابلہ میں سربلند ہو جائے۔ اسلام کی نگاہ میں انسان مِنْ حَیْثُ الانسان اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے خامۂ فطرت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی خصوصیات دونوں کے اعتبار سے کائنات کی ایک مکرم و محترم ہستی ہے۔ جس کے شرف و مجد اور فضیلت و بزرگی کا مقابلہ دنیا کی کوئی مخلوق اور کوئی قوت نہیں کر سکتی۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۔ (بنی اسرائیل ع ۷)	ہم نے بنی آدم کو بزرگی بخشی اور انہیں خشکی و تری میں (قطع مسافت کیلئے) سواریاں عطا کیں اور صاف ستھری چیزوں کی روزی دی اور اپنی مخلوقات میں سے بہتوں پر انہیں فضیلت دی
لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (سورہ تین)	ہم نے انسان کی بہتر طریقہ پر تخلیق کی۔
إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا	تیرے رب نے جب فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں پھر جب ٹھیک سے اسے بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسکے آگے سجدہ میں گر پڑو پس سب کے سب فرشتوں نے

اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ۔ (ص-ع-۵)

سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے غرور کیا اور (واقعہ یہ ہے کہ) وہ نافرمانوں میں سے تھا تو اللہ نے فرمایا اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو روک دیا اس مخلوق کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تو نے گھمنڈ کیا یا تو بہت بڑے درجہ والا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

یہ اور اس قسم کی بہت سی آیات نے صحیح معنوں میں دنیا کو انسان کی حقیقی عظمت کا احساس دلایا اور بتایا کہ وہ اپنے مقصدِ وجود اور جبلی خصوصیات کے لحاظ سے اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کی طرف حقارت کی نگاہ اٹھائی جائے اور اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک روا رکھا جائے جس سے اس کے تفوق و برتری کو دھکا لگے۔ اگر کوئی شخص اس ضابطہ کے خلاف قدم اٹھاتا ہے تو وہ خدا کے عطا کردہ عزت و احترام کو چیلنج کرتا ہے اور ایک ایسے قانون پر حرف گیری کا مرتکب ہوتا ہے جس کا ایک ایک شوشہ تنقید سے بالاتر ہے اور جس کے ہر ہر حرف پر صحت و صداقت کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔

(۲) معیارِ بزرگی ایمان و عمل

اس تصور کو تسلیم کرنے کے بعد انسان (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) کی عظمت، فرشِ خاک سے بلند ہو کر کائناتِ مہر و انجم سے بھی کہیں آگے نکل جاتی ہے اور اسے قدرتی طور پر ایک ایسا اونچا مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ فکر و نظر کے لئے جس سے بڑھ کر بلندی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ وہ اپنے فکر و عمل سے خود کو اس بلندی

کا نا اہل ثابت کر دے، پھر تو دنیا کی کوئی قوت اسے عزت و رفعت نہیں دے سکتی۔

اسلام کے نزدیک انسان کی فلاح و خسران، سلامتیٔ فکر اور درستیٔ عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ ان نظریات کو جاہلانہ نظریات سمجھتا ہے جو عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل تصور کر کے انسانیت کی بلند ترین سطح سے دور پھینک دیتے ہیں اور مرد کو محض اس لئے "عرشِ بریں" کا حقدار خیال کرتے ہیں کہ وہ مرد ہے۔

اس نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں واضح کر دیا کہ عزت و ذلت اور سربلندی و نگوں بختی کا معیار صلاح و تقویٰ اور سیرت و اخلاق ہے۔ جو اس کسوٹی پر جتنا کھرا ثابت ہوگا اتنا ہی خدا کی نگاہ میں قابلِ قدر اور مستحقِ اکرام ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(النحل ع ۱۳)

جس مرد اور عورت نے بھی اچھا کام کیا اگر وہ مومن ہے تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہتر اعمال کا جنہیں وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔

* * *

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ

بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں، اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور صدقہ کرنے

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ
وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا (الاحزاب ع ۵)

والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں
اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور
شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور
شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور
اللہ تعالیٰ کو زیادہ یاد کرنے والے مرد اور
یاد کرنے والی عورتیں اللہ نے ان کے لئے
مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔

※ ※ ※

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ
اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الثَّوَابِ۔
(آل عمران ع ۲۰)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول
کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو
ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت
تم آپس میں ایک ہی ہو پس جن لوگوں نے ہجرت
کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انہیں
میری راہ میں تکلیف دی گئی اور جو لڑے اور
مارے گئے تو ضرور میں ان کی غلطیاں
معاف کروں گا اور انہیں ایسے باغات میں
داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں
یہ بدلہ ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ کے
پاس اچھا بدلہ ہے۔

یعنی نوعِ انسانی کے دونوں اصناف میں سے جو صنف بھی اپنے نامۂ اعمال

کو پاکیزگیٔ کردار سے جلا یاب کرلے، سرخروئی اور کامیابی اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے، خالقِ کائنات کی جانب سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تمہارا تعلق کس طبقہ اور کس صنفِ انسانی سے تھا، لیکن اگر کوئی اپنی کتابِ زندگی کو اعمالِ بد سے سیاہ کرچکا ہے تو سربلندی و بامرادی کی اسے توقع نہیں رکھنی چاہیئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر ان مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں جنہوں نے اپنی جان و مال اور اپنی خواہشات و جذبات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کردیا۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(التوبہ ع ۱۴)

وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے، اس کی عبادت کرنے والے، اس کی حمد و ثنا کرنے والے، روزہ رکھنے والے، اس کے سامنے رکوع و سجدہ کرنے والے بھلائی کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اور مومنوں کو خوشخبری دو۔

ایک دوسرے مقام پر ازواجِ مطہرات کو اپنے اندر بعینہٖ ان ہی صفات کے پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان صفات کے بغیر وہ نبی کے حبالۂ عقد میں نہیں رہ سکتیں اور نبی کو بڑی آسانی سے ایسی بیویاں مل جائیں گی جو ان اوصاف سے متصف ہوں گی۔ ارشاد ہوا۔

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ

اگر نبی تم کو طلاق دیدے تو اس کو اس کا رب تمہارے عوض تم سے بہتر بیویاں عطا کرے گا

مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۔ (التحریم ع ۱)

جو خدا کی اطاعت کرنے والی، ایمان رکھنے والی، فرماں بردار توبہ کرنے والی، عبادت گذار اور روزہ رکھنے والی ہوں گی چیاہی ہوئی اور دوشیزہ دونوں طرح کی ہو سکتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک صلاح و تقویٰ اور آخرت کی کامیابی کا جو معیار مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے۔ اس معیار کو پورا کئے بغیر نہ مرد اپنی منزل کو پا سکتا ہے اور نہ عورت۔

(۳) مرد اور عورت تہذیب کے معمار ہیں

قرآن مجید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ زندگی کی گہما گہمی اور نشیب و فراز میں ہمیشہ مرد اور عورت میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار اور معاون رہا ہے۔ زندگی کے بارِ گراں کو دونوں نے سنبھالا ہے۔ تمدن کا ارتقاء دونوں کے اتحاد سے عمل میں آیا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی تحریک ان میں سے کسی بھی طبقہ کو نظر انداز نہیں کر سکتی جس طرح حق کے فروغ اور اس کے غلبۂ اقتدار میں مرد اور عورت دونوں شانہ بشانہ مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ اسی طرح باطل کی ترقی و استحکام میں بھی دونوں حصہ دار اور شریکِ کار رہیں۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں۔ برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے روکتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے

فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (التوبہ ع ۹)

اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے بھی انھیں فراموش کر دیا۔ بلاشبہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (التوبہ ع ۹)

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ ضرور رحم کرے گا بلاشبہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ تہذیب و تمدن کے انقلابات عورت اور مرد کی کوششوں کا نتیجہ ہیں عقل و انصاف کی وہ کون سی دلیل ہے جو ایک کو توقیر و احترام کے قابل اور دوسرے کو ذلت و حقارت کا مستحق ثابت کر سکتی ہے اور جب زمانہ کی صلاح اور بگاڑ میں دونوں کا ہاتھ ہے تو کیا یہ حماقت نہ ہوگی کہ ایک کو کارگاہِ تمدن سے خارج کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا جائے؟ کیا دنیا کا کوئی شخص اپنے جسم کے ایک حصہ کو بے کار اور مفلوج کرنے کے بعد بھی زندگی کے میدان میں اپنا پارٹ ادا کر سکتا ہے؟

عورت کے متعلق اسلام کا نظریہ

اسلام کے آنے سے پہلے دنیا نے عورت کو ایک غیر مفید بلکہ مخلِ تمدن

عنصر سمجھ کر میدانِ عمل سے ہٹا دیا تھا اور اسے پستی کے ایک ایسے غار میں پھینک دیا تھا کہ جس کے بعد اس کے ارتقاء کی کوئی توقع نہیں تھی۔ اسلام نے دنیا کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور بتایا کہ زندگی، مرد اور عورت دونوں ہی کی محتاج ہے۔ عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اسے دھتکارا جائے اور شاہراہِ حیات سے کانٹے کی طرح ہٹادی جائے کیونکہ جس طرح مرد اپنا مقصدِ وجود رکھتا ہے۔ اسی طرح عورت کی تخلیق کی بھی ایک غایت ہے، اور قدرت ان دونوں اصناف کے ذریعہ مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کرا رہی ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ۔

اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکیاں، اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا انھیں لڑکوں اور لڑکیوں کے جوڑے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔

اسلام نے عورت کو ذلت و رسوائی کے مقام سے اتنی تیزی سے اٹھایا اور حقوق و مراعات سے نوازا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

كنّا نتقي الكلام والانبساط الى نسائنا على عهد النبيّ هيبةً أن ينزل فينا شيءٌ فلمّا توفّي

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم اپنی عورتوں سے گفتگو کرتے اور بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے

النَّبِيّ تَكَلَّمْنَا وَانْبَسَطْنَا۔ [1] متعلق کوئی حکم نہ نازل ہو جائے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو ہم ان کے ساتھ بے تکلف رہنے لگے۔

اس مظلوم صنف کو حقِ زیست تک حاصل نہ تھا۔ قرآن نے کہا نہیں! وہ زندہ رہے گی اور اس کے حق پر جو بھی شخص دست درازی کرے گا خدا کی طرف سے اس کی بازپرس ہو گی۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (التکویر)

جب کہ زندہ درگور لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ میں وہ ماری گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مظلوم صنف کی حمایت میں جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں آج تک کوئی بھی مدعی حقوقِ نسواں ان سے زیادہ صحیح اور حقیقی تعلیمات نہیں پیش کر سکا۔ آپؐ نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْاُمَّهَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ [2]

اللہ نے حرام کی ہے تم پر ماؤں کی نافرمانی، ادائیگی حقوق سے ہاتھ روکنا اور ہر طرف سے مال بٹورنا اور لڑکیوں کا زندہ دفن کرنا۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من كانت له انثی فلم یئدها ولم یهنها

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے لڑکی ہو اور وہ اسے نہ زندہ درگور کرے اور نہ اس کے

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، ابن ماجہ، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] بخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین۔

ولم یوثر ولدہ علیہا یعنی الذکور ادخلہ اللہ الجنۃ [1]

ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال ثلاث بنات فادبھن وزوجھن واحسن الیھن فلہ الجنۃ [2]

حضرت ابو سعید خدریؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

من بلی من ھذہ البنات شیئا فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار [3]

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعہ کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے تو وہ اس کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے پرزور اور موثر انداز میں ارشاد فرمایا ہے:۔

الا ادلک علی افضل الصدقۃ

کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ بڑی فضیلت والا

---

[1] ابوداود کتاب الادب باب فی فضل من عال یتامی۔ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۷۷ [2] ابوداود کتاب الادب، باب فضل من عال یتامی ورواہ الترمذی وابن ماجہ مع اختلاف یسیر [3] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ۔ مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل الاحسان الی البنات۔

ابنتك مردودة اليك ليس لها کاسب غیرك [1]

صدقہ کونسا ہے؟ اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو بیوہ ہونے یا طلاق دے دیئے جانے کی وجہ سے تیری طرف لوٹادی گئی ہو اور جس کا تیرے سوا دوسرا کوئی کفیل اور بار اٹھانے والا نہ ہو۔

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال جاریتین حتی تدرکا دخلت الجنۃ انا وھو کھاتین واشار باصبعیہ المسبابۃ والوسطی بابان معجلان عقوبتھما فی الدنیا البغی والعقوق [2]

حضرت انس رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس کسی نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تو میں اور وہ اس طرح جنت میں داخل ہو گئے آپ نے فرمایا دو راستے ایسے ہیں جن سے دنیا میں بہت جلد عذاب داخل ہوتا ہے۔ ظلم و تعدی اور نافرمانی۔

اس حدیث کے آخری جملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی اونچی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ ظلم کی عمر ویسے بھی بہت مختصر ہوتی ہے لیکن خاص کر ظلم کے وہ تیر جن کے ہدف اپنے ہی جگر گوشے ہوں مظلوم کے سینے میں پیوست ہونے سے پہلے ہی ظالم کی مہلتِ حیات ختم کر دیتے ہیں۔

دنیا نے عورت کو منبعِ معصیت اور مجسم پاپ اور گناہ سمجھ رکھا تھا لیکن

---

[1] ابن ماجہ ابواب الادب۔ باب برالوالد والاحسان الی البنات [2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۷۷ ۔ ورواہ الترمذی غیرہ قولہ وبابان معجلان الخ۔

کائنات کی اس برگزیدہ ہستی نے فرمایا جس کی ہر حرکت و ادا صحیفۂ اخلاق تھی، جس نے دنیا کو تقویٰ اور خدا ترسی کے آداب سکھائے جو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا تاکہ کائنات معصیت و فحاشی کو تہہ و بالا کردے۔

حبب الی من الدنیا النساء	دنیا کی چیزوں میں مجھے عورت اور خوشبو
والطیب وجعلت قرۃ عینی	پسند ہے، لیکن میری آنکھ کی ٹھنڈک
فی الصلوٰۃ[1]	نماز میں رکھی گئی ہے۔

یعنی عورت سے نفرت اور صفائی و نفاست سے بیزاری، خدا ترسی کی دلیل نہیں ہے، خدا ترسی نام ہے تعلق باللہ کے استحکام کا، انابت الی اللہ اور خوف و خشیت کا۔ آدمی عورت سے پسندیدہ تعلقات رکھنے اور باذوق رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا محبوب بن سکتا ہے بلکہ اس کی رضاجوئی کا یہی صحیح طریقہ ہے ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ دنیا انسان کا مطمحِ نظر اور اس کی کوششوں کا مرکز نہ بننے پائے۔

ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات اونٹوں پر سفر کر رہی تھیں، آپؐ نے شتربان سے فرمایا:

رویدًا اسوقك بالقواریر[2]	شیشوں کو ذرا سنبھال کے لے چلو۔

حضرت فاطمہ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

فانما ابنتی بضعۃ منی یریبنی	میری بچی میرا گوشت پوست ہے جو چیز

---

[1] نسائی کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء [2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم النساء الخ۔

ما ارابها دیوذینی ما اذاھا[1] اسکے لئے باعثِ تشویش ہوگی وہ میرے لئے بھی پریشانی کا سبب ہوگی اور جو بات اسکے لئے باعثِ اذیت ہوگی یقیناً اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کسے محبوب رکھتے تھے؟ جواب دیا فاطمہؓ کو[2] ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی محبوب ترین شخصیت کون ہے؟ فرمایا، عائشہ رضؓ[3] یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ بیویوں میں حضرت عائشہؓ اور اولاد میں حضرت فاطمہؓ آپؐ کی منظورِ نظر تھیں سان احادیث سے آپ صنفِ نسواں کے بارے میں اسلام کے رجحان اور مزاج کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے متبعین کے اندر اس صنف کے حق میں کس قسم کے جذبات کی پرورش کرتا ہے؟

اس تعلیم نے فکر و عمل میں ایسا انقلاب پیدا کیا کہ وہ لوگ جنھیں ایک معصوم جان کو زندہ درگور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا اور جن کی پیشانی کبھی اس سنگ دل پر عرق آلود نہیں ہوتی تھی، اس کی چارہ گری اور پرورش کو اپنے لئے سرمایۂ حیات تصور کرنے لگے جن کے ہاں اپنے ہی جگر گوشوں کو امان نہیں ملتی تھی وہ دوسروں کی اولاد کے محافظ و نگراں بن گئے اور جو عورت کے ساتھ مہر و الفت کی روش سے ناواقف تھے انہیں اپنے آخری لمحاتِ حیات تک اس مظلوم طبقہ کی فکر دامن گیر رہنے لگی۔

جنگِ اُحد کے موقعہ پر حضرت جابرؓ کے والد نے حضرت جابرؓ سے کہا،

---

[1] بخاری کتاب المناقب۔ مسلم کتاب الفضائل، باب من فضائل فاطمۃ واللفظ لہ
[2] ترمذی ابواب المناقب ماجاء فی فضل فاطمہؓ۔ [3] ایضاً من فضل عائشہ رضؓ

صاحبزادے! شاید پیش آنے والے معرکے میں مجھے اس دنیا سے کوچ کرنا پڑے۔ اس آخری وقت میں، میں تمہیں اپنی لڑکیوں کے بارے میں خیر اندیشی کی وصیت کرتا ہوں [1]

چنانچہ باوجودیکہ حضرت جابرؓ عہدِ شباب سے گزر رہے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی بہنوں کی نگہداشت کے خیال سے ایک بیوہ کو اپنے نکاح کے لئے منتخب کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے دریافت فرمایا کہ کسی دوشیزہ سے کیوں نہیں شادی کی؟ تو جواب دیا:۔

یارسول اللہ ان ابی قتل یوم احد وترک تسع بنات کن لی تسع اخوات نکرھت ان اجمع الیھن جاریۃ خرقاء مثلھن ولکن امرأۃ تمشطھن وتقوم علیھن فال اصبت۔ [2]

یارسول اللہ میرے والد اُحد کے معرکہ میں شہید کردیے گئے اور اپنے پیچھے نو لڑکیاں چھوڑ گئے جو میری نو بہنیں ہوئیں۔ انکی نگہداشت کے پیش نظر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کے ساتھ ان ہی جیسی ناتجربہ کار لڑکی کو جمع کردوں اس لئے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا جو ان کی کنگھی چوٹی اور دیکھ بھال کرسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک کیا تم نے۔

غور کیجیے ایک نوجوان جس کے سینہ میں جذبات کا سمندر متلاطم ہو اور جس کا نوخیز شباب اپنے مطالبات اور تقاضوں پر شدت کے ساتھ مصر ہو، وہ اپنی بہنوں کی خاطر اپنے جذبات کی آگ پر پانی چھڑک دیتا ہے اور اپنی

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ صفحہ ۲۰۳ [2] بخاری کتاب المغازی باب اِذ ھَمَّت طائفتانِ، مسلم کتاب الرضاع باب استحباب نکاح البکر۔

خواہشات کی آسودگی کا ایسا حل تلاش کرتا ہے جسے جوانی کی سرمستیاں بآسانی قبول نہیں کر سکتیں۔ کیا یہ کوئی معمولی ایثار ہے؟

بخاری، مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی کی کفالت کے تین دعویدار پیدا ہو گئے۔ ایک طرف سے حضرت علیؓ چلے آئے کہ یہ میری چچازاد بہن ہے لہذا میں اس کی پرورش کا حقدار ہوں، دوسری طرف حضرت جعفرؓ نے دعویٰ کیا کہ میں، علیؓ سے زیادہ اس کی نگہداشت کا مستحق ہوں کیونکہ یہی نہیں کہ وہ میرے چچا کی لڑکی ہے بلکہ اس کی خالہ بھی میرے نکاح میں ہے۔ اس طرح دو دو جہت سے مجھے اس کی پرورش کی سعادت ملنی چاہیے۔ تیسری طرف حضرت زیدؓ نے مقدمہ دائر کر دیا کہ وہ تو میرے بھائی (حضرت زید انصاری تھے اور حضرت حمزہ مہاجر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان مواخات قائم کر دی تھی) کی بچی ہے اور چچا سے زیادہ بھتیجی کے تربیت کا کسے حق پہنچتا ہے؟[1]

فکر و نظر کے اس عظیم انقلاب کی مثال تاریخ کے کسی دوسرے دور میں بھی ملتی ہے؟

ان تعلیمات میں اتنا زور اور قوت ہے کہ وہ پنجۂ جور و ستم کو توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ جو شخص ان پر کامل یقین رکھتا ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ حدودِ عدل و انصاف سے باہر قدم رکھے اور عورت کو بے بس و کمزور پا کر اس پر ظلم کے تیر برسانے لگے۔

---

[1] نیل الاوطار ج ۷، صفحہ ۱۳۷۔

حقوق میں مساوات

اسلام نے ان ترغیبی کلمات اور اخلاقی ہدایات ہی پر اکتفا نہیں کی ہے۔ بلکہ اس نے عورت اور مرد دونوں کے حقوق وضوابط کا قانونی طور پر تعین بھی کر دیا ہے اور اس کمالِ اعتدال اور شانِ توازن کے ساتھ کہ نہ عورت اپنی زبردستی کی شکایت کر سکتی ہے اور نہ مرد اپنی زور دستی کا اظہار کر سکتا ہے۔

اسلام معاشرہ کو انسانی حقوق کا محافظ اور امن و امان کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ جو ہاتھ ظلم و تعدی کے لئے اُٹھے اسے قلم کر دے؛ اور جو قدم حق و انصاف کی پامالی کے لئے بڑھے اسے کاٹ پھینکے۔ اس لئے اس نے اعلان کیا:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ — اے عقل والو تمہارے لئے قانونِ قصاص میں زندگی ہے۔

(۱) شریعت کا یہ ایک کلی اصول ہے کہ قاتل سے قصاص میں اس کی جان لی جائے گی خواہ وہ کسی مرد کو قتل کرے یا کسی عورت کو کیونکہ ایک عورت کی جان بھی ویسے ہی محترم و معزز ہے جیسے ایک مرد کی جان ہو سکتی ہے اور جو ہاتھ ان دونوں میں سے کسی کے بھی خون سے رنگین ہو گویا خود اس نے اپنے خون کی قیمت کھو دی۔

اہلِ یمن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجموعہ قوانین تحریر کروایا تھا اس میں اس بات کی تصریح تھی:۔

ان الرجل يقتل بالمرأة [1] — بلاشبہ عورت کے عوض مرد قتل کیا جائیگا

[1] السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۰

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ کتب صحاح کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو اس کا سر کچل کر ہلاک کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے اسی شکل میں قصاص لیا۔[1]

حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ آپ نے ایک عورت کے قصاص میں کئی ایک اشخاص کو قتل کیا جو اس کے خون میں شریک تھے۔[2]

ابوالزناد کہتے ہیں:-

کان من ادرکت من فقہائنا الذی ینتھی الیٰ قولھم منھم سعید بن المسیّب وعروۃ بن الزبیر والقاسم بن محمد وابوبکر بن عبدالرحمٰن وخارجۃ بن زید بن ثابت وعبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ وسلیمان بن یسار فی مشیخۃ جلۃ سواھم من نظرائھم من اھل فقہ وفضل انھم کانوا یقولون المرأۃ تقاد من الرجل عیناً بعین واذناً باذن وکل شیٔ من الجراح علیٰ ذٰلک	ہمارے وہ فقہا، جن سے ہماری ملاقات ہے اور جن کے اقوال فقہ میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، جن میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبداللہ، سلیمان بن یسار اور ان کے علاوہ ان ہی کے ہم پایہ دیگر اصحاب فقہ وفضل شامل ہیں، کہتے ہیں کہ (قصاص کے معاملہ میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، عورت کی آنکھ، کان اور دوسرے کسی بھی زخم کے عوض مرد سے (اگر مرد مجرم ہے) اسی نوعیت کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر مرد، عورت کو

[1] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۶۰ — [2] احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۱۶۲ –

وان قتل قتل بہا۔[۱]

قتل کردے تو اس کو بھی قتل کیا جائیگا۔

(۲) عورت اگر اپنے کسی عزیز کے قاتل کو معاف کردے تو کسی رشتہ دار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے عطا کردہ پروانہ معافی کو منسوخ کردے۔

عن عائشۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال علی المقتتلین ان ینحجزوا الاول فالاول و ان کانت امراۃ۔[۲]

اگر اولیاءِ مقتول قاتل سے دیت لینے اور جان لینے کے بارے میں اختلاف کرنے لگیں اور کوئی قریبی رشتہ دار قاتل کی جان کو معافی عطا کردے تو دوسرے تمام رشتہ داروں کو جان لینے سے رُک جانا چاہیئے۔ معافی دہندہ خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو؟

یہی نہیں بلکہ اگر وہ حالتِ جنگ میں کسی دشمن کو پناہ دے تو اس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ان المرأۃ لتاخذ للقوم۔[۳]

بلاشبہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے دشمن قوم کو پناہ دے سکتی ہے۔

عن عائشۃؓ قالت ان کانت المرأۃ لتجیر علی المومنین فیجوز۔[۴]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عورت مجاہدین اہل ایمان کو پناہ دے سکتی ہے اور اس کی پناہ نافذ ہوگی۔

مشہور واقعہ ہے کہ فتح مکہ کے وقت ام ہانی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱؎ السنن الکبریٰ بیہقی ج ۸ ص ۳۸۔ ۲؎ ابوداؤد کتاب الدیات باب عفو النساء من الدم نسائی، کتاب القسامۃ، باب عفو النساء عن الدم۔ ۳؎ ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی امان المرأۃ۔ ۴؎ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی امان المرأۃ۔

کہا، یا رسول اللہ! میں نے ابن ہبیرہ کو پناہ دی ہے۔ لیکن علیؓ کہتے ہیں کہ وہ اس کو قتل کر کے رہیں گے۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا:۔

قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ یَا اُمَّ ھَانِیْ[1]

ام ہانی! تم نے جسے پناہ دی اسے ہماری بھی پناہ ہے۔

(۳) حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے اسلام مالیات کے میدان میں عورت اور مرد کو دوڑ دھوپ کی اجازت عطا فرماتا ہے اور ان کی محنت کے صلہ کو ان کا جائز حق تسلیم کرتا ہے جس پر قانوناً کوئی بھی شخص دست درازی نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ خاوند بھی بیوی کے مال میں تصرف کا مجاز نہیں ہے اور نہ بیوی کے لئے یہ جائز ہے کہ شوہر کی دولت میں اپنی مرضی نافذ کرے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ
وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ۔

مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور (دونوں) اللہ سے اس کا فضل مانگو۔

(النساء رکوع ۵)

* * * *

(۴) قانونِ وراثت کے تحت یہ کلیہ بیان ہوا:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ

جو کچھ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ ایک مقرر حصہ

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب امان النساء وجوارہن۔

نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۔ (النساء ع ۱)

سلہ اسلام کے ضابطہ وراثت کے بارے میں چونکہ بالعموم غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور سطح بین نگاہیں دھوکا کھاتی رہتی ہیں۔ اس لئے ہم یہاں مجملاً ان اصولوں کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جن پر اسلام کا قانون وراثت قائم ہے۔

(۱) اس نے پہلا اصول یہ پیش کیا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (ایک مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ہوگا)

اس پر عمل درآمد دو صورتوں میں ہوگا۔

پہلی صورت یہ ہے کہ وارث، میت سے بلاواسطہ جائز تعلق رکھتا ہو، مثلاً میاں بیوی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ورثا رشتہ کے لحاظ سے ایک درجہ کے ہوں اور میت کے سارے مال کے بحیثیت عصبہ (عصبہ ان ورثاء کو کہتے ہیں جو متعینہ حقوق کی ادائیگی کے بعد بقیہ تمام مال کے مالک ہو جائیں) وارث ہوں مثلاً میت کی اولاد بھائی بہن وغیرہ۔

بظاہر ان دونوں صورتوں میں صنفین کے درمیان مساوات نہیں برتی گئی ہے اور مرد کے مقابلہ میں عورت کی مالی پوزیشن کمزور کر دی گئی ہے لیکن اگر اسلام کے پورے خاندانی سسٹم پر غور کیا جائے تو حقیقت اس کے برعکس نظر آئے گی۔ اسلام نے عورت کی مالی حیثیت کو اس کی بعض فطری کمزوریوں کی بنا پر بہت زیادہ محفوظ اور مضبوط کر دیا ہے جب کہ مرد کی اقتصادی حالت ہر آن غیر یقینی اور ناستحکم ہے، وہ اگر وراثت میں عورت کا آدھا حصّہ مقرر کرتا ہے تو دو طریقوں سے اس کی تلافی بھی کرتا ہے۔

ایک تو یہ کہ وہ بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے، جس کی وہ بلا شرکت غیرے حق دار ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ شادی میں جو مال و زیور اور تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں ان کا بھی

(بقیہ حاشیہ ص۷۲)

عورت ہی کو مالک قرار دیتا ہے۔

یہاں ایک اور پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ اسلام پورے خاندان کی معاشی اور تعلیمی وتربیتی ذمہ داری اصلاً مرد پر ڈالتا ہے، بالخصوص معاشی ذمہ داری جس سے عورت بالکل مستثنیٰ ہے، یہی نہیں بلکہ وہ عورت کا معاشی بار بھی شادی سے پہلے سرپرست کو اور شادی کے بعد خاوند کو اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کو وراثت میں بھی مساوی حقوق دینا کس طرح قرینِ عقل وانصاف ہو سکتا ہے؟

ان دو پہلوؤں سے قطع نظر جہاں اسلام نے محض رشتہ کا خیال کیا ہے، وہاں عورت اور مرد کو مساوی درجہ دیا ہے۔ مثلاً میت کی اولاد کی موجودگی میں والدین کے حصے یکساں ہوں گے یا اخیافی بھائی بہن (ماں جائے بھائی بہن) کہ ان کے درمیان بھی اسلام نے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

(۲) دوسرا اصول شریعت نے یہ پیش کیا ہے۔

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی لاولی رجل ذکر[1]

حقوق کو اصحابِ حقوق تک پہنچاؤ اور جو کچھ باقی رہے قریبی رشتہ دار مرد کا حصہ ہوگا۔

قانونِ وراثت کی یہ دفعہ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک اسلام کے نظامِ معاشرت کے ایک دوسرے اصول کو پیشِ نظر رکھا جائے، وہ یہ کہ اسلام نے مرد پر مالی بار ڈالنے کے ساتھ رجالِ خاندان کے درمیان تعاون وتناصر کے ضابطے بھی مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ ضابطے نہ صرف اخلاقی اہمیت کے حامل ہیں بلکہ انہیں قانونی اور دستوری حیثیت بھی حاصل ہے۔ اگر ایک شخص افلاس کا شکار ہو جائے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفرائض۔

(۶) مشترک قانون

قدیم مذاہب عورت اور مرد کو ایک حیثیت دینے کیلئے آمادہ نہ تھے۔ اس لئے انھوں نے دونوں کے لئے الگ الگ قوانینِ زندگی تجویز کئے لیکن اسلام کی تعلیمات کا مخاطب جیسے مرد ہے ویسے عورت بھی ہے، اس کا پیغام "الناس" کے لئے ہے۔ اس لئے کہ یہ "ربّ الناس" اور "ملکِ الناس" کا پیغام ہے "ربّ الرّجال" یا "مَلِکُ الرّجال" کا نہیں۔ خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا عہد صرف مردوں یا عورتوں نے نہیں بلکہ "الانسان" نے اٹھایا تھا،

بقیہ حاشیہ صفحہ

نور جالِ خاندان میں نسبتاً جو اس سے قریب تر ہوگا اس پر سب سے زیادہ مالی تعاون اور کفالت کی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے۔

یہ موقع ان مباحث کی تفصیل کا نہیں ہے۔ کہنے کا منشا صرف یہ ہے کہ جب ایک شخص زندگی کے ہر نشیب و فراز اور ہر مصیبت میں سب سے زیادہ پشت پناہ اور سہارا ہو تو کیا عقل و فہم اور اخلاق و قانون اس بات کا تقاضا نہیں کرتے کہ ادائیگی حقوق کے بعد کم از کم بقیہ مال کا وہ وارث قرار دیا جائے؟ لیکن قانونِ وراثت میں چونکہ اصلاً اہمیت نسب ہی کو دی گئی ہے۔ اس لئے اس ضابطہ کے تحت ضروری نہیں کہ مرد کو زیادہ ہی حصّہ ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک عورت مورث سے قریبی تعلق رکھتی ہو اور وہ اس مرد سے زیادہ حصّہ پائے جو مورث کا دور کا رشتہ دار ہے۔ مثلاً فرض کیجیے ایک شخص اپنے پیچھے ایک بیوی، ایک لڑکی یا ایک بہن اور ایک چچا چھوڑ جاتا ہے تو اسلامی قانونِ وراثت اس کے مالِ متروکہ سے بیوی کو $\frac{1}{8}$ اور لڑکی یا بہن میں سے جو ہو اُسے $\frac{1}{2}$ اور چچا کو $\frac{3}{8}$ دلائے گا۔

لہٰذا دونوں اصنافِ انسانی کو خدا کے دربار میں اپنی وفاداری کا ثبوت دینا ہوگا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ع (الاحزاب ع ۹)

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا بلاشبہ وہ بڑا ظالم اور نادان تھا یہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر اپنی شفقت و رحمت کے ساتھ رجوع کرے اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝ (الاحزاب ع ۵)

کسی مومن اور مومنہ کے لئے صحیح نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کر دے تو انھیں اپنے معاملہ میں اختیار ہو، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اسلام نے یہی نہیں کہ زوجین میں سے ہر ایک کے لئے زندگی کی راہ متعین

کی ہے بلکہ ایک ہی راہ اور ایک ہی دستورِ حیات تجویز کیا ہے۔ اس نے عورت کو ذلیل وکمتر اور مرد کو بلند و برتر سمجھ کر جداگانہ قوانین نہیں وضع کئے۔ اس کی تعلیمات دونوں کو ایک ہی مرتبہ میں رکھ کر خطاب کرتی ہیں اور یکساں ہدایات دیتی ہیں۔ اس کے ہاں نوعِ انسانی نہ تو طبقات میں منقسم ہے اور نہ درجات میں، بلکہ مرد اور عورت ایک ہی محاذِ جنگ کے سپاہی ہیں جن کے دائرۂ کار گو مختلف ہیں لیکن مقصدِ کار اور نشانہ عمل ایک ہی ہے۔

اس نے عقائد و عبادات، اخلاق و عادات، معاملات اور تعلقات میں سے کسی میں بھی عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، اِلّا یہ کہ خود اختلافِ صنف کسی ترمیم کا تقاضا کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

انما النساء شقائق الرجال[1] عورتیں مردوں ہی کی ہم جنس ہیں۔

علامہ زین العابدین حنفی نے قوانینِ شریعت کے سارے دفتر کھنگال کر پچھتّر[2] کے قریب فرائض و واجبات، سنن و مستحبات اور مکروہات و ممنوعات کی ایسی فہرست پیش کی ہے جس میں شریعت نے اختلافِ صنف کی وجہ سے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے۔ ان میں بیشتر احکام کا معاشرتی و اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً عورت نماز میں کہاں ہاتھ باندھے گی،

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ، ترمذی ابواب الطہارۃ، باب فیمن یستیقظ ویری بللاً ولا یذکر احتلاماً، [2] الاشباہ والنظائر مطبوعہ ہند ص ۲۴۴ تا ص ۲۴۶

اور مرد کہاں ؟ عورت کا کفن کتنے کپڑوں کا ہوگا اور مرد کا کتنے کپڑوں کا ؟ عورت کے علامات بلوغ کیا ہیں اور مرد کے کیا ؟ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل اس فہرست میں صرف چھ سات ہیں ان میں سے بیشتر کی حقیقت اور نوعیت سے انشاء اللہ اپنے مناسب مواقع پر بحث کی جائے گی۔[1]

(۷) قانونِ زوجیت

غرض یہ کہ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ کتاب قانون میں، اخلاق کے صحیفہ میں، اور حقوق کی فہرست میں عورت اور مرد کو ایک ہی حیثیت دی جائے۔ دونوں کی عزت و ذلت کا معیار ایک ہو، دونوں کے لئے ترقی و کامیابی کے مواقع ایک ہوں دونوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی یکساں حفاظت کی جائے، یہ کیوں؟ دنیا کے موجودہ لٹریچر میں قرآن پاک نے سب سے پہلے اس کا فلسفیانہ اور عقلی جواب دیا اور پوری قوتِ استدلال اور نزاکتِ فہم کے ساتھ اس کو انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ دنیا تحقیق و تجربہ کے صدہا مراحل سے گزرنے کے باوجود مساواتِ مرد و زن کی اس سے بہتر اور سائنٹفک توجیہ نہیں کر سکی۔

اس نے کہا، یہ کائنات ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت پیدا کی گئی ہے اور انتہائی نظم و ضبط اور ہم آہنگی و یگانگت کے ساتھ اس طرح مصروفِ عمل ہے کہ صدیاں بیت گئیں لیکن اس نگار خانہ کی رنگینیوں اور دلفریبیوں میں شمہ برابر فرق نہ آیا۔ زمانہ کی گردشیں مسلسل اپنا کام کرتی چلی جا رہی ہیں لیکن اس انجمنِ زرنگار کی تابانی اور حیرت انگیزی جوں کی توں قائم ہے، آخر وہ کونسی قوت ہے جو اس کائنات کو

---

[1] میراث بھی ان ہی مسائل میں شامل ہے جس پر صفحہ ۲۷ تا ۳۰ حاشیہ میں مختصر سی بحث گزر چکی ہے۔

آغوشِ فنا میں جاگرنے سے روکے ہوئے ہے؟ وہ کونسا قانون ہے جو اس کے لمحاتِ حیات کو دراز کئے چلا جارہا ہے؟ اس کا جواب قرآن یہ دیتا ہے کہ یہاں قانونِ زوجیت کی کارفرمائی ہے، یعنی اس عالم کی ہر شے کے اندر اپنی نوع کی بقا کا جذبہ پایا جاتا ہے اور قدرت نے اس جذبہ کی آسودگی کے لئے خود اسی کی نوع سے ایک صنفِ مقابل کی تخلیق کی ہے، یہ صنفِ مقابل اس کے جذبات واحساسات کو سوز و حرکت عطا کرتی ہے اور اسے مجبور کرتی ہے کہ بقائے نوع کا سامان کرے، اور عروسِ عالم کی جمال و رعنائی اور نظر افروزی میں کوئی فرق نہ آنے دے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ط (الشوریٰ ع ۲)

اس نے تم ہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور جانوروں میں بھی جوڑے پیدا کئے اس طرح وہ تمہیں پھیلاتا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الذاریات ع ۲)

اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم سمجھ سکو۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یٰسٓ ع ۳)

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے۔ ان چیزوں میں بھی جو زمین اُگاتی ہے اور خود ان کے اندر بھی اور ان (بہت سی) چیزوں میں بھی جنھیں یہ نہیں جانتے۔

ان آیات نے صراحت کردی کہ قانونِ زوجیت اپنی وسعت میں کائنات

کی ہر شے پر حاوی ہے۔ اس سے نہ انسان مستثنیٰ ہے نہ دنیا کی کوئی دوسری چیز۔ اگر یہ نہ ہو تو تغیرات کی نیرنگی اور بازارِ حسن وجمال کی سحر آفرینی و دلربائی آناً فاناً ختم ہو جائیگی اور ہر شے سکون ناآشنا اور محرومِ تمنا رہ جائے گی۔ انسان کے صنفی جذبات بھی اس کی صنفِ مقابل کے بغیر کسی طرح سکون واطمینان سے ہم آغوش ہو ہی نہیں سکتے، مرد کی زندگی کے بہت سے ایسے خالی گوشے ہیں جنہیں عورت کے حسین ہاتھ ہی پُر کر سکتے ہیں، وہ اس کے جبلّی تقاضوں اور فطری سوالات کا جواب اور اس کے ترانۂ محبت کا ساز ہے۔ اسی طرح مرد کے بغیر نسائیت کی بستی سونی رہتی ہے، وہ اس کی کائناتِ جذبات کی رونق اور اس کی بے تابیوں اور بے کلیوں کا علاج ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی مخلوقات میں نقص یا عیب ہے، یہاں کا ہر پھول بے داغ اور ہر نقش لاثانی ہے۔ خامۂ قدرت کی کسی بھی تحریر میں عیب اور خامی کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی، کہنے کا منشا یہ ہے کہ قدرت نے بزمِ عالم کو اس طرح آراستہ کیا ہے کہ یہاں کا ہر نقش دوسرے نقش کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ قانونِ زوجیت بھی اسی کی ایک جامع ومکمل شکل ہے بالفاظِ دیگر دنیا کی ہر شے اپنے بعض ذاتی استعدادات اور نوعی خصوصیات کے اظہار کے لئے ایک میدان کی محتاج ہے اور صنفِ مقابل یہ میدان فراہم کرتی ہے۔ یہ ایک طرح کی نسبت ہے جو زوجین کے درمیان پائی جاتی ہے اور دونوں مساوی طور پر ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس میں ذلت وحقارت اور عزت وسربلندی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن مجید نے بار بار نئے نئے اسالیب سے اس حقیقت

کی توضیح کی ہے۔ ایک مقام پر کہا هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔
(وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو) غور کیجئے، کتنی لطیف تعبیر ہے۔
گویا قرآن یہ کہنا چاہتا ہے کہ مرد کی زندگی میں بہت سے ایسے تشنہ پہلو ہیں جن کی
آسودگی کا سامان عورت ہی کر سکتی ہے اور خود عورت کی زندگی کے متعدد گوشے
مرد کے بغیر محتاجِ تکمیل رہتے ہیں۔ ایک اور مقام پر قرآن نے کہا کہ یہ رشتہ غصہ و
نفرت کا نہیں الفت و محبت کا رشتہ ہے۔ اس کی ترکیب دشمنی و عداوت کے
عناصر سے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس میں محبت و چاہت کی تحلیل کی گئی ہے۔ یہ تعلق
بغض و کینہ کی تخم ریزی کے لئے نہیں بلکہ دل بستگی و شیفتگی کی نشو و نما کے لئے وجود
میں آیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(الروم ع ۲)

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی بلاشبہ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

یہ ہیں وہ اساسات جو اسلامی معاشرہ میں عورت کی حیثیت متعین کرتے
ہیں۔ ان اساسات کے بغیر اسلامی معاشرہ کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عورت کا حقیقی دائرۂ کار

اسلامی معاشرہ میں مسلمان عورت کا کیا رول ہوگا اور اس کی تگ و دو کن خطوط پر ہوگی؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے یہ دیا ہے:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔	اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلے دورِ جاہلیت کی طرح زیب و زینت کا اظہار نہ کرتی پھرو۔

پس منظر

اس فرمان کا پس منظر یہ ہے کہ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مدینہ کی چھوٹی سی ریاست کو اسلامی اصول و اخلاق کی جلوہ گاہ بنائیں اور جو خواب تک بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا تھا اس کو سرزمینِ مدینہ میں حقیقت اور واقعہ ثابت کر دکھائیں لیکن اس فیصلہ کو وہ قوتیں کسی طرح برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہ تھیں جن کو شرافت و اخلاق اور صلاح و تقویٰ کے فروغ میں اپنا زوال نظر آرہا تھا۔ جیسے ہی آپؐ نے اپنی مہم کا آغاز فرمایا، ہر جہت سے فتنہ و فساد کی

آندھیاں اٹھنے لگیں اور ابھی چھ سال بھی پورے گزرنے نہیں پائے تھے کہ مخالفت کا طوفان اس طرح افقِ مدینہ پر چھا گیا کہ رہ رہ کر شبہ ہوتا تھا کہ شاید اب حق کی شمع ہمیشہ کے لئے بجھ جائے اور دنیا تا قیامت باطل کے قبضہ میں چلی جائے۔

فساد کے یہ سر چشمے مدینہ کے باہر ہی نہیں تھے بلکہ اندرونِ مدینہ بھی نفاق اور عداوت کا الاؤ پوری شدت کے ساتھ بھڑک رہا تھا۔ منافقین انتہائی کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح اخلاق اور خدا ترسی کا پودا مدینہ میں جڑ نہ پکڑنے پائے اور سارا ماحول نیکی اور تقویٰ سے اسی طرح خالی رہے جس طرح کہ خود ان کی زندگیوں کے اوراق ان پاکیزہ نقوش سے خالی ہیں۔ ان کی مفسدانہ کوششوں کا ایک بہت بڑا ہدف لوگوں کی عفت و عصمت بھی تھی کیونکہ اسلامی معاشرہ کے اس بنیادی ستون کو ڈھائے بغیر وہ اپنی ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات کی دنیا تعمیر نہیں کر سکتے تھے۔

اس دوہری اور فیصلہ کن کشمکش کا تصور کیجئے اور پھر بتلایئے کہ اس نازک وقت میں دنیا کے کسی بھی دانشمند کا کیا فیصلہ ہوگا؟ غالباً یہی کہ قوم کے ایک ایک فرد کو دشمن کے مقابلہ میں کمربستہ ہوجانا چاہیئے اور اس وقت تک ہتھیار نہیں رکھنا چاہیئے جب تک ملک اور معاشرہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ نہ ہو جائے۔ دنیا کی اس "دانشمندانہ" رائے کے برخلاف اسلام نے ملک و ملت کے تحفظ کے نئے اصول و آئین وضع کئے۔ اس نے مرد کے متعلق تو فیصلہ کیا کہ اسے ہر فتنہ کا دو بدو مقابلہ کر کے اس کا سر کچلنا چاہیئے لیکن دختران

ملّت کو ان کی ماؤں کے واسطے سے یہ حکم دیا کہ وہ اس جنگ میں شریک تو ضرور ہوں لیکن گھروں کے حصار میں رہ کر، وہ دین وایمان کی غارت گر قوتوں کے مقابلہ میں لگی تو رہیں لیکن اپنی سیرت وکردار اور عزت وناموس کو گھر کی پناہ گاہ میں محفوظ رکھتے ہوئے۔

اس پس منظر کی روشنی میں قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے ریاست اور معاشرہ کے تحفظ کی ذمہ داری اصلاً مرد کے سر ڈالی ہے اور عورت کی جدوجہد کا رُخ گھر کی طرف موڑ دیا ہے۔ اس کی حقیقی پوزیشن یہ نہیں ہے کہ وہ بازار کی تاجر، دفتر کی کلرک، عدالت کی جج اور فوج کی سپاہی بنی رہے بلکہ اس کے عمل کا حقیقی میدان گھر ہے۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

وَفِيهِ الدَّلَالَةُ عَلٰى اَنَّ النِّسَاءَ مَامُورَاتٌ بِلُزُوْمِ الْبُيُوْتِ مَنْهِيَّاتٌ عَنِ الْخُرُوْجِ۔	اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ عورتیں اپنے گھروں سے چمٹی رہنے پر مامور ہیں اور ان کو باہر نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔

عورت کی مصروفیت کا احترام

اسلام نے زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ تیار کیا ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، خاندانی نظم سے ہو یا معاشرتی آداب سے، اقتصادی قوانین سے ہو یا اصولِ تہذیب سے، اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کی اس حیثیت کو مجروح ہونے نہیں دیا ہے۔

ـلہ احکام القرآن ج ۳ صفحہ ۴۴۳۔

دین میں عبادات کی جیسی کچھ اہمیت ہے اس سے ہر شخص واقف ہے۔ حقیقت میں یہ روحِ دین اور جانِ شریعت ہیں۔ ان عبادات کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مخاطب ہیں تو افراد لیکن ان کی ادائیگی کی صورت اجتماعی رکھی گئی ہے۔ نماز ادا ہو تو جماعت کی شکل میں۔ روزہ رکھیں تو سب مل کر ایک ساتھ اور ایک مہینہ میں۔ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا حق ہے تو اولاً ریاست کو۔ فریضۂ حج انجام پاسکتا ہے تو سب کے ساتھ اور مخصوص ایام میں، یہ اس لئے تاکہ آدمی کے اندر اپنی تربیت اور سیرت سازی کے روپ میں انفرادیت پسندی اور اجتماعیت سے گریز کے رجحانات نہ پیدا ہونے پائیں اور اس کو ہر قدم پر یہ محسوس ہو کہ وہ ایک معاشرہ کا جز ہے اور اس کی صلاح اور بگاڑ کا ذمّہ دار ہے۔

ظاہر ہے کوئی بھی اجتماعی کام اسی وقت انجام پاتا ہے جب کہ افراد اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے اس اجتماعی ہئیت کو اختیار کر لیں جو اس کام کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ اس کے لئے تاجر کو تجارت ترک کرنی پڑے گی، طالب علم کو تعلیم کا سلسلہ بند کرنا ہوگا۔ مزدور کو اپنی مزدوری سے دست کش ہونا پڑیگا۔ غرض معاشرہ کا ایک ایک فرد اپنا مقام چھوڑنے پر مجبور ہوگا۔

لیکن شریعت کی نگاہ میں اجتماعی عبادات میں عورت کی شرکت سے زیادہ اس بات کی اہمیت ہے کہ وہ اپنے محاذ پر جمی رہے۔ اس کا کسی اجتماعی پروگرام سے الگ رہنا معاشرہ کے لئے اتنا زیادہ نقصان دہ نہیں ہے جتنا کہ اس کا اپنے مرکز کو چھوڑنا ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ اجتماعی طریقہ پر عبادات کی ادائیگی کے ذریعہ جن فوائد کی توقع کی جاتی ہے۔ ان کی تلافی دوسرے بے شمار طریقوں سے

ممکن ہے لیکن عورت کے اپنی جگہ ہٹ جانے سے جو خلا پیدا ہو جاتا ہے اس کو کسی اور ذریعہ سے بھرا نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات ہوں یا دیگر فرائضِ حیات ان کو عورت پر یا تو اجتماعی شکل میں فرض ہی نہیں کیا گیا ہے یا فرض کیا بھی گیا ہے تو ان ہی عبادات و فرائض کو جو اسے اپنے مقاصد سے غافل کرنے والے نہیں ہیں۔

عبادات کے اہم ترین جزء نماز کو لیجیے۔ مرد پر نماز جماعت کے ساتھ فرض ہے عورت پر نماز تو فرض کی گئی لیکن جماعت ضروری نہیں قرار دی گئی، مرد اگر بلا وجہ جماعت سے پیچھے رہتا ہے تو اس کو انتہائی زجر و توبیخ کا مستحق سمجھا جاتا ہے اس کے برعکس عورت کو مختلف پہلوؤں سے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے کسی گوشہ ہی کو اپنی عبادت گاہ بنائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خَیْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُیُوْتِہِنَّ [۱]	عورتوں کی بہترین مسجدیں اُن کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

مشہور صحابی ابو حمید ساعدیؓ کی بیوی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہ میں چاہتی ہوں کہ آپؐ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھا کروں، آپؐ کی کیا رائے ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا مجھے یقین ہے کہ واقعۃً تمہاری یہی خواہش ہے، لیکن جان لو، اپنے مکان کی کسی تنگ کوٹھری میں نماز پڑھنا تمہارے لئے کشادہ کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہاری جو نماز کمرہ میں ادا ہو وہ مکان کے وسط میں ادا کی جانے والی نماز سے اولیٰ ہے اور وسط مکان میں پڑھی جانے والی نماز افضل ہے

---

[۱] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۰۹۔

اس نماز سے جو تم اپنے محلہ کی کسی مسجد میں ادا کرو ، اسی طرح تمہاری جو نماز اپنے محلہ کی مسجد میں ادا ہوتی ہے وہ تمہارے حق میں میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے ۔

حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ابو حمید ساعدیؓ کی بیوی پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے مکان کے بالکل تنگ حصہ میں نماز کی جگہ متعین کر رکھی تھی اور زندگی بھر وہیں نماز ادا کرتی رہیں [۱]

جمعہ نہ صرف یہ کہ اجتماعیت کا مظہر ہے بلکہ وہ افرادِ ملت کو ایک دوسرے سے قریب کرنے اور دینی تعلیمات اور ہدایات سے روشناس کرانے کا بھی ایک بہترین ذریعہ ہے لیکن آپ دیکھیں گے کہ شریعت نے عورت کو اس اجتماعی طریقِ عبادت سے بھی مستثنیٰ کر دیا ہے :-

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ إِلَّا أَرْبَعَةً عَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ [۲]

طارق بن شہابؓ ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے ۔ سوائے چار قسم کے لوگوں کے غلام ، عورت بچہ اور مریض ۔

اسلامی معاشرہ پر ایک مومن کا حق زندگی میں بھی ہوتا ہے اور اس وقت بھی جب کہ وہ اس دنیا سے کوچ کر جائے جس طرح معاشرہ نے لمحاتِ حیات میں

---

[۱] مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۱ ، الاستیعاب لابن عبد البر تذکرۃ ام حمید الانصاریہ ۔

[۲] ابوداؤد ، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ ۔

اس کو ہر ممکن راحت پہنچائی اسی طرح یہ بھی اس کا فرض ہے کہ جب یہ لمحات ختم ہو جائیں تو بہتر طریقہ سے اس کو سپردِ خاک کرے۔

لیکن ام عطیہؓ کی روایت ہے:۔

نُهِينَا عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا[1]

ہمیں جنازوں کی مشایعت سے منع کیا گیا لیکن اس معاملہ میں حضورؐ نے ہم پر سختی نہیں کی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات آپ نے اس سلسلہ میں سختی بھی کی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک جنازہ لئے جا رہے تھے۔ آپ نے بعض عورتوں کو پیچھے چلتے ہوئے دیکھا تو (غصہ سے) پوچھا کیا تم اسے اٹھا رہی ہو؟ عورتوں نے جواب دیا نہیں! آپ نے دریافت کیا، کیا تم اس کے دفن کرنے میں حصہ لوگی؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا جب تمہارا یہاں کوئی کام نہیں ہے تو آخر آنے کی کیا ضرورت تھی؟ تمہیں اس کا اجر کچھ نہیں ملے گا؟ واپس جاؤ اپنے سر وبال لے کر[2]

اسلام حق سے وفاداری کا نام ہے۔ مسلمان وہ ہے جو اس وفاداری کا عہد کرے۔ اس عہد کے بعد یوں تو زندگی کے ہر قدم پر ایک مومن کے پیمانِ وفا کا امتحان ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس امتحان کا انتہائی سخت مرحلہ اس وقت پیش آتا ہے جب کہ حق کے باغی پوری قوت کے ساتھ میدان میں آچکے ہوں اور حق و باطل کی موت و حیات کا فیصلہ ہو رہا ہو۔ اس وقت ایک باوفا بندے کا فرض ہے کہ حق کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ اسلام نے ان نازک

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز۔ باب اتباع النساء الجنازہ [2] فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۸

لمحات میں بھی عورت سے اس کی وفاداری کا ثبوت محاذِ جنگ پر نہیں طلب کیا ہے، بلکہ گھر کے دائرہ ہی کو اس کی آزمائش کا میدان قرار دیا اور خاوند و اولاد اور خویش و اقارب کے ساتھ خیر خواہی اس کے ایمان کی دلیل سمجھی۔

عَنْ عَائِشَةَ رضؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَاِنَّهُ جِهَادُكُنَّ [۱]

حضرت عائشہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا تم اپنے گھر میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے۔

ایک صحابیہ نے حضور سے دریافت فرمایا:۔

كَتَبَ اللّٰهُ الْجِهَادَ عَلَى الرِّجَالِ فَاِنْ اَصَابُوا اَثَرُوْا وَاِنِ اسْتُشْهِدُوْا كَانُوْا اَحْيَاءً عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَمَا يَعْدِلُ ذٰلِكَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے اگر وہ فتحیاب ہوتے ہیں تو غنیمت پاتے ہیں اور اگر شہید ہوتے ہیں تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں جہاں ان کو روزی ملتی ہے بس ہمارا کون سا عمل ان کے اس عمل کے برابر ہوگا۔؟

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

آپ نے جواب دیا:

طَاعَةُ اَزْوَاجِهِنَّ وَالْمَعْرِفَةُ بِحُقُوْقِهِنَّ [۲]

اپنے شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق کا پہچاننا۔

لیکن خدا کی راہ میں جان و مال اور آسائش و راحت کی قربانی کے جذبہ سے کسی بھی مسلمان خاتون کا دل خالی نہیں ہو سکتا۔ شریعت نے اس جذبہ کی

---

[۱] مسند احمد ج ۶ ص ۶۸ [۲] الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۶۔

تسکین کا سامان تو کیا لیکن جدوجہد اور ایثار و قربانی کا رُخ موڑ دیا۔ وہ اپنے سکون اور چین کے مرکز کو چھوڑے گی لیکن قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے اور قومی و اجتماعی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے نہیں بلکہ غلامی اور وفاداری کے عہد کو تازہ کرنے کے لئے وہ گھر سے باہر آئے گی لیکن گھریلو زندگی کو اجاڑنے کے ارادہ سے نہیں، بلکہ اس کو آباد کرنے کے عزم کو پختہ اور مضبوط کرنے کے خیال سے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے اس سوال کے پیچھے کارفرما جذبات کی رعایت کرتے ہوئے اچھوتے انداز میں جواب دیا۔

نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ	ہاں ان پر جہاد ہے لیکن ایسا جہاد جس میں
فِيهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ [1]	جنگ نہیں ہوتی اور وہ ہے حج اور عمرہ۔

ازواجِ مطہرات کی طرف سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی گئی تو کبھی آپ نے جواب دیا: جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ (تمہارا جہاد حج ہے) اور کبھی خدا کے گھر تک پہنچنے کے لئے جو زحمتیں برداشت کی جاتی ہیں ان کی عظمت و فضیلت کا احساس دلا کر ان کے جذبۂ جہاد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب آپؐ کے سامنے اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا گیا تو آپ نے فرمایا نِعْمَ الْجِهَادُ الْحَجُّ [2] (تمہارے حق میں حج بہترین جہاد ہے!)

عورت کی اصل پوزیشن کو باقی رکھنے کے لئے معاشی تگ و دو سے بھی اس کو نجات دی گئی۔ اس پر کسی اور کا کیا معنی خود اس کا اپنا معاشی بار بھی نہیں

---

[1] ابن ماجہ، ابواب المناسک باب الحج، جہاد النساء [2] بخاری، کتاب الجہاد، باب جہاد النساء

ڈالا گیا تاکہ اسے اپنایا۔ دوسروں کا پیٹ بھرنے کے لئے گھر کے حدود کو توڑنا نہ پڑے۔

اور اگر کسی بڑی مصلحت کے تحت اس کو گھر چھوڑنے کی اجازت بھی دی گئی ہے یا کسی عبادت کے اجتماعی طریقہ کو اس کے لئے مفید یا ضروری سمجھا گیا ہے تو اس کے ساتھ ایسی تدابیر بھی اختیار کی گئی ہیں جو ہر آن اس کے اندر یہ احساس تازہ رکھتی ہیں کہ اس کا حقیقی مقام وہی ہے جہاں سے وہ چلی تھی۔ گھر سے باہر نکلنے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حدودِ نسوانیت سے بھی باہر ہو چکی ہے۔

مثلاً عورتوں کو مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کی اجازت حاصل ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ مردوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر اپنے مرد ہونے کا اعلان نہیں کرتی پھریں گی بلکہ ان کی صفیں مردوں کی صفوں سے الگ ہوں گی، یہ علیحدگی اور دوری جتنی زیادہ ہو اتنی ہی شریعت میں محبوب و پسندیدہ ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا [1]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کی بہترین صف اگلی صف ہے اور بدترین صف پچھلی صف، اور عورتوں کی بہترین صف وہ ہے جو سب سے پیچھے ہو اور

---

[1] رواہ مسلم (کتاب الصلوٰۃ)، واصحاب السنن الاربعۃ۔

اُن کی بدترین صف وہ ہے جو سب سے آگے ہو۔

مردوں کی آخری اور عورتوں کی پہلی صف کی اس لئے مذمت کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہیں۔ لیکن مردوں کی پہلی اور عورتوں کی آخری صف کی تعریف کی گئی کیونکہ ان کے درمیان فاصلہ زیادہ ہوتا ہے۔

یہ طرزِ عمل اس نظریہ کا لازمی نتیجہ ہے جو اسلام نے عورت کے متعلق اختیار کیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ عورت کو قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنا محورِ عمل چھوڑ کر کسی دوسرے محور میں چلی جائے بلکہ وہ اس کو معاشرہ کی مختلف مصروفیات سے فارغ کر کے صرف اسی ایک ادارے میں مشغول دیکھنا چاہتا ہے جو اس کے حوالے کیا گیا ہے۔

معاشرہ ایک وحدت ہے

لیکن جب کوئی معاشرہ فرد کو کسی اجتماعی شعبہ سے وابستہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے تمام اداروں سے اپنا ناطہ توڑ لے بلکہ اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے فکر و عمل کی بیشتر صلاحیتیں اس پر صرف کرے کیونکہ خواہ چند افراد پر مشتمل کوئی خاندان ہو یا کسی دیہات کا پنچایتی نظام۔ کسی چھوٹی آبادی کی میونسپلٹی ہو یا کسی بڑے شہر کا کارپوریشن، کوئی صوبائی نظام حکومت ہو یا مرکزی و بالائی اقتدار یا ان کے علاوہ دیگر صنعتی، تعلیمی اور معاشی ادارے، یہ بظاہر جدا جدا اور ایک دوسرے سے علیٰحدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل یہ ایک ہی ہئیتِ اجتماعیہ کے مختلف اجزاء ہیں اور ہئیتِ اجتماعیہ ان سب کی محتاج ہے کیونکہ ان میں کا کوئی بھی ایک ادارہ معاشرتی اور اجتماعی

زندگی کے تمام تقاضوں کو پورا نہیں کرتا بلکہ ان کی تکمیل سب ہی اداروں کے تعاون سے ہوتی ہے، خاندان فرد کی فکری تربیت کا آغاز کرتا ہے تو مدارس اور یونیورسٹیاں اس کی ترقی میں مدد دیتی ہیں۔ میونسپلٹی اس کی صحت کے تحفظ کا سامان کرتی ہے تو عدالت گاہیں اس کے حقوق و مفادات کی نگہداشت کرتی ہیں۔ اس لئے کبھی وہ علم کی طلب میں درسگاہوں کی جانب رُخ کرنے پر مجبور ہوگا، کبھی اس کو ایک تاجر کی حیثیت میں بازار اور منڈی جانا ہوگا، کبھی وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور کبھی تلاشِ روزگار میں کھیت اور کارخانہ کی طرف دوڑے گا۔ غرض فرد کی تمدنی ضروریات پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ اپنی تنگ وود کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں رکھ سکتا۔ کسی کاشتکار کے لئے یہ ناممکن ہے کہ زندگی کی وسعتوں کو اپنے محدود رقبۂ زمین میں سمیٹ لے۔ کوئی طالب علم ایسی کوئی صورت نہیں رکھتا کہ سوسائٹی کے تمام اداروں سے کٹ کر صرف تعلیم کا ہو رہے۔ کسی جج کو اس کا کمرۂ عدالت ساری دنیا سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ لہذا معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ فرد کی متنوع ضروریات جن اجتماعی تعلقات کا تقاضا کرتی ہیں ان کو ان سے نہ روکے۔

چنانچہ اسلام نے بھی عورت کو خاندان سے متعلق تو ضرور کیا ہے لیکن اس کے فکر و عمل کی دنیا کو اسی ادارے کے اندر محصور نہیں کر دیا ہے اور نہ اس کو ان حقوق سے محروم رکھا ہے جو اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہیں یہی نہیں بلکہ وہ اس کو اس قابل بھی بناتا ہے کہ معاشرہ میں کامیاب و بامراد زندگی بسر کر سکے۔

معاشرہ میں فرد کی کامیابی کے شرائط

سوسائٹی میں کسی فرد کے کامیاب رول ادا کرنے کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ صحیح فکر رکھتا ہو تاکہ بھلائی اور برائی اور نفع و نقصان میں بآسانی تمیز کر سکے۔ یہ صلاحیت نہ صرف فرد کے ارتقاء کے لئے ضروری ہے بلکہ معاشرہ کی تعمیر و ترقی بھی اسی پر منحصر ہے کیونکہ اس کے بغیر فرد اور جماعت کے درمیان کامل ہم آہنگی نہیں پیدا ہو سکتی جو ایک کو دوسرے کے لئے کارآمد اور مفید بناتی ہے۔ فرد اگر اجتماعیت کے حقوق و فرائض سے پوری طرح واقف نہ ہو، وہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس پر سوسائٹی کے کیا حقوق ہیں اور سوسائٹی کن حقوق کی ادائیگی پر مجبور ہے۔ اسے یہ نہ معلوم ہو کہ معاشرہ کو بنانے اور سنوارنے والے عوامل کیا ہیں اور کن اسباب کے تحت وہ زوال پذیر ہوتا ہے تو ہر قدم پر اس بات کا خدشہ ہے کہ اس کے مفادات جماعت کے مفادات سے ٹکرا جائیں اور اس کی تگ و دو اس رُخ پر نہ ہو جس رُخ پر معاشرہ بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ریاست کا فرض ہے کہ وہ فرد کو اس قابل بنائے کہ وہ حیاتِ اجتماعی کے مختلف مراحل و حالات میں جو فرض بھی انجام دے رہا ہو حق و باطل اور صواب و خطا میں حدِّ فاصل کھینچ سکے۔ وہ حاکم ہو تو یہ جانے کہ محکوم کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جانا چاہیے اور محکوم ہو تو اس بات کا علم رکھتا ہو کہ اطاعت کے اصول و شرائط کیا ہیں؟ اگر وہ قاضی ہو تو قانون و انصاف کے تقاضوں سے پوری طرح باخبر ہو اور اگر اس کو داد خواہ اور طالب عدل بننا پڑے تو وہ اس کے حصول کے طریقوں سے ناآشنا نہ ہو۔

اس صلاحیت کے ساتھ فرد کی کامیابی کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو اپنی صواب دید کے مطابق عمل کے مواقع حاصل ہوں۔ علم وفن، تجارت وزراعت، صنعت وحرفت غرض جس راہ میں بھی وہ آگے بڑھنا چاہے کوئی چیز اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بنے۔ اور اگر اس کے اس حق پر کسی قسم کی چیرہ دستی ہو تو معاشرہ میں اتنی قوت ہونی چاہیئے کہ اسے روک سکے اور اس کے حق کی نگہداشت کر سکے۔ ورنہ فرد اپنے بھلے اور بُرے اور نفع ونقصان کو محسوس کرتے ہوئے بھی اسی طرح ناکامی کا شکار رہے گا جس طرح نادانستہ کسی تباہی سے وہ دوچار ہو جائے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اگر ایک طرف فرد سے معاشرہ کی وفاداری کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو دوسری طرف اس کو معاشرہ کی خیر خواہی کے صحیح طریقوں پر عمل کرنے کا بھی حق دیا جائے۔ اگر معاشرہ کے مفاد کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی اس کو اجازت نہیں دی جاتی تو اس کے فائدے کے لئے کام کرنے کی اُس کو آزادی ملنی چاہیئے۔ کیونکہ جس طرح فرد کی غلط روی سے معاشرہ کو نقصان پہنچتا ہے اسی طرح معاشرہ کا فساد بھی فرد کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا جب ہم سوسائٹی کو فرد کے کردار وعمل کے جائزہ کا حق دیتے ہیں تو فرد کو بھی سوسائٹی کے احتساب اور اس کی اصلاح کا حق ملنا چاہیے۔

یہ تین شرطیں ایسی ہیں جنھیں دنیا کا ہر جمہوری دستور تسلیم کرتا ہے کیونکہ ان ہی کی بنیاد پر فرد سوسائٹی میں اپنا رول ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ ان تینوں شرطوں کو ہم مختصر الفاظ میں تعلیم وتربیت، مواقعِ عمل، معاشرہ کی تعمیر د

اصلاح کی آزادی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

آئیے، اب ہم دیکھیں کہ اسلامی معاشرہ عورت کے معاملہ میں ان شرائط کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟ اور جس حد تک پورا کرتا ہے اس کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں اور ماضی میں کیا نکلے ہیں؟

عورت کی تعلیم و تربیت

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے آنے سے قبل اہل عرب بے قیدی اور آزادی کی زندگی گزار رہے تھے۔ زندگی کے بارے میں وہ نہ تو کوئی سنجیدہ اور ٹھوس فکر رکھتے تھے اور نہ اس بحث میں پڑنا ہی چاہتے تھے۔ ان کی ساری جدوجہد اس مادی دنیا اور اس کی آسائشوں کے لئے وقف تھی وہ اس کا تصور بھی نہیں کرتے تھے کہ اس دنیا سے ماورا بھی کچھ حقیقتیں ہیں۔ اسلام نے ان کے سامنے زندگی کا ایک ایسا فلسفہ پیش کیا جس میں اخلاقی پابندیاں تھیں۔ جائز و ناجائز اور حرام و حلال کے ضابطے تھے، عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کا تصور تھا۔ خدا اور اس کے رسول کا اقرار اور ان کی فرماں برداری کی تعلیم تھی۔ اس فلسفہ کو آہستہ آہستہ جب وہ قبول کرنے لگے تو اسلام نے اس کی بنیاد پر ایک معاشرہ کی تعمیر شروع کر دی اور ابھی یہ معاشرہ تعمیر ہو ہی رہا تھا کہ خدا کا حکم نازل ہوا کہ اگر باہر کی کوئی عورت اس معاشرہ کا جزء بننا چاہے تو اس سے حسبِ ذیل اصولِ اخلاق اور قوانین کی پابندی کا عہد لیا جائے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

(الممتحنہ ع ۲)

اے نبی! جب مومن عورتیں ان باتوں پر بیعت کرنے کے لئے تمہارے پاس آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ نہ تو کسی کو شریک ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کا ارتکاب کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ جانتے بوجھتے کسی پر بہتان باندھیں گی۔ نہ تمہارے کسی معروف حکم کی نافرمانی کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے۔

اس آیت میں دین کے جن اصولوں کی پابندی کا عہد عورتوں سے لیا گیا ہے۔ ان سے مرد مستثنیٰ نہیں ہیں کیونکہ ان کا تعلق جتنا خانگی زندگی سے ہے اس سے کہیں زیادہ گھر سے باہر کی زندگی سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین کے اصول و کلیات کے احترام کا مطالبہ مرد ہی سے نہیں ہے بلکہ یہی مطالبہ عورت سے بھی ہے اور اس مطالبہ کی تکمیل کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ وہ دین کی تعلیمات سے پوری طرح واقف ہو تاکہ وہ یہ جان سکے کہ زندگی کے مختلف حالات و مسائل میں اس کی کیا ہدایات ہیں اور وہ ان کو کس طرح حل کرتا ہے۔ چنانچہ اسی آیت میں اس سے جن باتوں کا اقرار لیا گیا

ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ "کسی معروف حکم میں رسول کی نافرمانی نہیں کرے گی۔" یہ بظاہر ایک چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن معاشرہ کے اندر عورت کو انتہائی ذمہ دار اور جواب دہ بنا دیتا ہے اور مجبور کرتا ہے کہ قدم قدم پر وہ رسولِ خدا کی مخالفت سے بچے اور آپ کی رضا ڈھونڈے۔ رسولِ اکرمؐ ہی کے دورِ مبارک کا ذکر ہے کہ عورتوں کے اندر احکامِ دین معلوم کرنے کی ایسی تڑپ پیدا ہوگئی تھی کہ وہ شب و روز اس کے لئے بے چین رہتی تھیں اور اس تلاش و جستجو میں جو دشواریاں پیش آتیں وہ ان کو مایوس یا بددل نہ کرتیں، بلکہ ہر عقدہ ان کے سمندِ شوق کے لئے تازیانہ کا کام دیتا۔

انصار کی عورتوں کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ	انصار کی عورتیں بھی بہت خوب تھیں
لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ	دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے سلسلہ میں حیا
يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ۔ لہ	اور شرم ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔

اس دور کی خواتین اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کتنی گہرائی اور دقتِ نظر سے کرتی تھیں۔ اس کا اندازہ آپ حضرت عائشہؓ کے ان الفاظ سے کر سکتے ہیں۔

كَانَتْ تَنْزِلُ عَلَيْنَا الْآيَةُ فِي	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	میں ایک آیت نازل ہوتی تو ہم اس میں بتائے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْفَظُ حَلَالَهَا وَ	ہوئے حلال و حرام اور امر و نہی کو حفظ
حَرَامَهَا وَ أَمْرَهَا وَ زَجْرَهَا	کر لیتے گو اس کے الفاظ کو از بر

لہ مسلم، کتاب الحیض۔

وَلَا تَحْفَظُهَا [1] نہ کریں۔

جمعہ اور عیدین میں خواتین کی شرکت

جمعہ اور عیدین کے خطبوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیمات سے واقف کرایا جائے۔ شریعت نے عورت کے لئے ان میں شرکت کو ضروری نہیں قرار دیا، کیونکہ اس سے بعض اوقات نفع سے زیادہ ضرر کا امکان رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے خانگی زندگی کے متاثر ہونے کا بھی اندیشہ ہے لیکن عام حالات میں شریعت نے عورت کو ایسے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی ہے۔

ام عطیہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں:۔

لِتَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهَا اَلْحُيَّضُ قَالَتْ نَعَمْ اَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ الْعَرَفَاتِ وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا [2]

بالغ اور پردہ نشین خواتین کو اور ان خواتین کو جو حالتِ ایام میں ہوں عیدگاہ چلنا چاہیئے البتہ جن عورتوں کے ایام ہوں وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں گی اور خیر اور مومنوں کی دعاؤں میں شریک ہوں گی (حدیث روایت کرنے والی خاتون کہتی ہیں) میں نے ام عطیہ رضؓ سے کہا کہ حیض والیاں بھی شریک ہوں گی؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! کیا وہ عرفات اور دیگر فلاں فلاں مواقع پر حاضر نہیں ہوتیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علمی وعبادتی مجالس میں خواتین بڑے ہی

---

[1] العقد الفرید ج ۱ ص ۲۷۶ [2] بخاری کتاب العیدین۔ باب اذا لم یکن للمرأۃ جلباب۔

ذوق وشوق کے ساتھ خاصی تعداد میں شریک ہوتی تھیں۔ خولہ بنت قیس الجہنیہؓ حضورؐ کی بلندیٔ آواز کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

كُنْتُ أَسْمَعُ خُطْبَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَأَنَا فِيْ مُؤَخَّرِ النِّسَاءِ۔ ؎۱	جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اچھی طرح سنتی تھی حالانکہ میں عورتوں میں سب سے آخر میں ہوتی۔

ان مواقع پر عورتوں کی شرکت کسی میلہ یا تفریحی مجلس میں شرکت کی نوعیت نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی تھیں۔

حارثہ بن نعمان کی ایک صاحبزادی فرماتی ہیں:-

مَا حَفِظْتُ قٓ إِلَّا مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بِهَا كُلَّ جُمُعَةٍ۔ ؎۲	میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہی سے سن کر سورہ قٓ یاد کی ہے جسے آپؐ ہر جمعہ کو لوگوں کے تذکیر کے لیے خطبہ میں پڑھتے تھے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی تعلیم و تذکیر کا اس درجہ خیال رہتا تھا کہ اگر کسی وقت آپ محسوس فرماتے کہ آپ اپنی بات ان کے گوش گذار نہیں کرسکے ہیں تو دوبارہ ان کے قریب پہنچ کر وعظ و تلقین فرماتے۔ ایک عید کے موقع کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ	آپ کو خیال ہوا کہ آپ عورتوں کو اپنی بات

؎۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۷ ؎۲ مسلم، کتاب الجمعہ۔ ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب الرجل یخطب علی قوس۔

فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ۔ [1]

نہیں سنا سکے ہیں تو آپ نے دوبارہ ان کو نصیحت کی اور صدقہ و خیرات کا حکم دیا۔

اس سلسلہ میں ابن جریج رضؓ نے عطا تابعی سے دریافت کیا :۔

أَتَرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ ذٰلِكَ وَيُذَكِّرُهُنَّ۔

کیا آپ کے خیال میں امام پر عورتوں کی تذکیر ضروری ہے ؟

انھوں نے جواب دیا :۔

إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ۔ [2]

بلاشبہ یہ ان پر لازم ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس کا التزام نہ کریں۔

اسلام نے عورت کے اندر علم کی جو پیاس پیدا کر دی تھی اس کی تسکین ان چند عام ذرائع سے نہیں ہو رہی تھی۔ اس لئے کبھی کبھی حضورؐ ان کو استفادہ کیلئے مخصوص مواقع بھی عطا فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے :۔

قَالَ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ [3]

عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، آپ کے دربار میں ہمیشہ مردوں کا ہجوم رہتا ہے (اس وجہ سے ہم استفادہ نہیں کر پاتیں) لہٰذا آپ ہمارے لئے الگ سے ایک دن مقرر کیجیے۔ چنانچہ آپؐ ایک دن متعین کر کے ان کے پاس تشریف لے گئے اور وعظ و

---

[1] بخاری کتاب العلم، باب عظۃ الامام النساء و تعلیمھن [2] بخاری کتاب العیدین، باب موعظۃ الامام النساء یوم العید [3] بخاری کتاب العلم، باب ہل یجعل للنساء یوم علی حدۃ۔

نصیحت فرمائی اور انہیں نیک کاموں کا حکم دیا۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت حذیفہؓ کی بہن سے بھی منقول ہے:

قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ أَمَا لَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَا تَحَلَّيْنَ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تَحَلَّى ذَهَبًا تُظْهِرُهُ إِلَّا عُذِّبَتْ بِهِ[1]

کہتی ہیں حضورؐ نے ہم لوگوں کو خطاب کر کے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اے گروہِ خواتین تمہیں چاندی کے زیورات میں رغبت کیوں نہیں ہے کہ اس کو استعمال نہیں کرتی ہو۔ سن لو تم میں سے جو عورت بھی سونے کے زیورات پہن کر نمود و نمائش کرتی پھرے گی اس کو عذاب دیا جائے گا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم و تذکیر کی اس خدمت پر اپنے کسی نمائندے کو مامور فرماتے:-

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ جَمَعَ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ فِي بَيْتٍ فَأَرْسَلَ إِلَيْنَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ أَنَا رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُنَّ

ام عطیہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے (ہم) انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا اور ہمارے پاس عمرؓ بن خطاب کو نصیحت کے لئے بھیجا انہوں نے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا ہم نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی

---

[1] مسند احمد ج ٦ صفحہ ٣٥٧۔

وَاَمَرَنَا بِالْعِیْدَیْنِ اَنْ نُّخْرِجَ فِیْهِمَا الْحُیَّضَ وَالْعُتَّقَ وَلَا جُمُعَۃَ عَلَیْنَا وَنَہَانَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ۔[1]

حیثیت سے تمہارے پاس آئی ہوں چنانچہ حضرت عمرؓ کے واسطے سے یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم عیدین میں نوجوان اور حیض والی خواتین کو بھی عیدگاہ لے چلیں اور یہ کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں ہے اور یہ کہ آپ نے ہمیں جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے۔

ماں باپ اور خاوند کو ہدایت

عورت کی حقیقی تعلیم گاہ اور تربیت کا مقام اس کا اپنا گھر ہے، اس لئے شریعت نے والدین اور شوہر کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ اس کو حق و باطل میں تمیز کرنا سکھائیں اور اس کو غلط روی سے بچائیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔

اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے "اہل" کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اس کا ذریعہ سوائے تعلیم و تربیت کے اور کوئی نہیں ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ "اہل" سے مراد اصلاً بیوی ہی ہوتی ہے۔

مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ ہم چند نوجوان حضورؐ کی خدمت میں دین سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے بیس دن رہے۔ جب آپؐ نے محسوس کیا کہ ہمیں گھر جانے کی جلدی ہے، تو فرمایا:۔

اِرْجِعُوْا اِلٰۤی اَهْلِیْكُمْ فَاَقِیْمُوْا

جاؤ اپنی بیوی بچوں کی طرف اور ان ہی میں

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء فی العید۔ نسائی۔ کتاب الحیض والاستحاضۃ باب شہود الحیض العیدین ودعوۃ المسلمین۔

فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ[۱] رہو اور ان کو دین کی باتیں سکھاؤ اور ان پر عمل کا حکم دو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ والوں کو لکھتے ہیں:۔

عَلِّمُوا نِسَاءَكُمْ سُورَةَ النُّورِ[۲] اپنی بیویوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فکری و عملی اعتبار سے اس پس افتادہ صنف کو آگے بڑھانے کی مختلف پہلوؤں سے ترغیب دلائی اور اس سلسلہ میں بے پایاں ثواب کی بشارت سنائی ہے:۔

آپؐ کا فرمان ہے:۔

مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ[۳] جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی ان کو ادب اور سلیقہ سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔

اس کا تعلق والدین سے ہے۔ شوہر کے متعلق آپ نے فرمایا:۔

ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ، رَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا تین قسم کے آدمی ہیں جن کو دوگنا اجر ملیگا ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اس کو ادب سکھائے اور اچھا ادب سکھائے۔ تعلیم دے اور

---

[۱] بخاری کتاب الاذان، باب الاذان للمسافرین۔ الخ [۲] تفسیر قرطبی ج ۱۲، صفحہ ۱۵۸۔ [۳] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔

فَتِرْ وَّجْهَا۔[۱] بہتر تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے۔

اس حدیث کی رو سے ایک ثواب کا مستحق وہ شخص بھی ہوگا جو آزاد بیوی کی تعلیم و تربیت میں کوشاں ہے، کیونکہ وہ حدیث کے ایک پہلو کی تکمیل کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایک ایسے شخص سے کرا دیا جو مفلس و نادار تھا لیکن قرآن کی چند سورتوں کا عالم تھا اور اس سے کہا کہ مہر کے عوض اپنی بیوی کو یہی چند سورتیں سکھا دو[۲]۔ گویا آپ نے عورت کو یہ حق دیا کہ دولتِ علم کے عوض مال کی شکل میں حاصل ہونے والے سرمایہ سے دست بردار ہو جائے۔

بعض اوقات آپ نے مردوں کو قرآن مجید کے خاص خاص حصوں کی طرف متوجہ کیا کہ وہ اپنی بیویوں کو ان کی تعلیم دیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتوں میں ایمانیات اور اصولِ دین سے بحث کی گئی ہے۔ ان کے متعلق آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ خَتَمَ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ	بلاشبہ اللہ نے سورۃ البقرہ کو ایسی دو آیتوں پر
بِاٰیَتَیْنِ اُعْطِیْتُھُمَا مِنْ کَنْزِہِ	ختم کیا ہے جو مجھ کو اس مخصوص خزانہ سے
الَّذِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْھُنَّ	دی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے، پس تم

---

[۱] بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امتہ و اہلہ۔ [۲] بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج المعسر، مسلم۔ کتاب النکاح۔

وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَاءَكُمْ[۱] خود بھی اسکو سیکھو اور اپنی بیویوں کو بھی سکھاؤ۔

خود حضورؐ اس کی کوشش فرماتے کہ آپؐ کے حلقۂ اثر میں رہنے والی خواتین دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر نہ رہیں۔ آپ کی ایک صاحبزادی فرماتی ہیں:۔

إِنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِي حِيْنَ تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔[۲]

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تعلیم دیتے تھے، فرماتے۔ جب تو صبح کرے تو یہ کہہ، پاکی ہے اللہ کی اور اس کی تعریف (ظاہر ہوئی) قوت اسی کے ذریعہ مل سکتی ہے، اللہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ یہ بات تو جان لے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

کتابت کی تعلیم

آپ نے صرف اتنی بات کافی نہیں سمجھی کہ عورت دین کے اصول و مبادی سے واقف ہو جائے بلکہ آپؐ نے اس کے لیے کتابی تعلیم کو بھی ضروری خیال فرمایا تاکہ اس کے علم کا ذریعہ صرف کان ہی نہیں بلکہ آنکھ بھی ہو اور اس کے خیالات کے محافظ دماغ کے ساتھ کتاب کے اوراق بھی رہیں۔ شفاء بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ ایک دن میں حضرت

---

[۱] دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل اول سورۃ البقرہ و آیۃ الکرسی [۲] ابوداؤد کتاب الادب۔ باب مایقول اذا اصبح۔

حفصہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی آپ نے فرمایا:۔

اَلَا تُعَلِّمِیْنَ ھٰذِہٖ رُقْیَۃَ النَّمْلَۃِ کَمَا عَلَّمْتِیْھَا الْکِتَابَۃَ [1]

جس طرح تم نے ان کو کتابت سکھائی ہے کیا اس طرح ان کو مرض نملہ کی دعا نہیں سکھاؤ گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے کتابت سکھا چکی تھیں۔

عورت کی تعلیم کی قانونی حیثیت

یہ ارشادات محض ترغیبی اور اخلاقی نوعیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کے پیچھے ضابطہ اور قانون کی زبان بول رہی ہے۔ آٹھویں صدی کے مشہور مالکی عالم، علامہ ابن الحاجؒ لکھتے ہیں:۔

فلو طلبت المرأة حقها فی امر دینها من زوجها رفعته الی الحاکم وطالبته بالتعلیم لامر دینها لان ذلک لها اما بنفسه او بواسطة اذنه لها فی الخروج الی ذلک لوجب علی الحاکم جبره علی ذلک کما یجبره علی حقوقها الدنیویة اذ ان حقوق الدین آکد واولی۔ [2]

اگر عورت دین کے معاملہ میں اپنا حق شوہر سے طلب کرے اور حاکم کے پاس اس کا مرافعہ کردے اور اپنی دینی تعلیم کا اس سے تقاضا کرے ـــــ کیونکہ اس کا یہ حق ہے کہ یا تو شوہر خود ہی اسکو تعلیم دے یا اس کو گھر سے باہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے ـــــ تو حاکم پر ضروری ہے کہ وہ شوہر کو اس مطالبہ کی تکمیل پر مجبور کرے جس طرح وہ دنیوی حقوق کے سلسلہ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرقی۔ مسند احمد ج ۶، ص ۳۷۲ [2] المدخل لابن الحاج ج ۲ ص ۲۷۶

میں کرتا ہے، کیوں کہ دینی حقوق زیادہ موکد اور زیادہ اہم ہیں۔

امام فخر الدین حسن بن منصور حنفی المتوفی ۲۹۵ھ نے اپنے مشہور فتاویٰ میں کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے کہ عورت پر دین کا جاننا کب فرض ہوتا ہے اور کب سنت و استحباب کے درجہ میں رہتا ہے اور اس معاملہ میں وہ کس حد تک شوہر کے حکم کی پابند ہے اور کہاں اس کو شوہر کی مخالفت کا حق ہے؟ فرماتے ہیں:-

وإذا ارادت المرأة ان تخرج الى مجلس العلم بغير اذن الزوج لم يكن لها ذلك فان وقعت لها نازلة فسألت زوجها وهو عالم فاخبرها بذلك ليس لها ان تخرج بغير اذنه وان كان الزوج جاهلا وسأل عالما عن ذلك فكذلك وان امتنع الزوج عن السؤال كان لها ان تخرج بغير اذنه لأن طلب العلم فيما تحتاج اليه فرض على حق الزوج وان لم يقع لها نازلة وارادت ان تخرج الى مجلس العلم لتعلم

اگر عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی علمی مجلس میں شریک ہونا چاہے تو اس کو اس کا حق نہیں ہے لیکن جب کوئی مسئلہ اس پر آن پڑے تو وہ اپنے شوہر سے دریافت کرے گی اب اگر شوہر عالم ہو اور وہ خود ہی اسے مسئلہ بتا دے یا جاہل ہو اور دوسروں سے تحقیق کر کے اس کو اطلاع دیدے تو اس کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے لیکن اگر شوہر تحقیق کر کے اس کو نہ بتائے تو وہ بلا اجازت بھی کسی علمی مجلس میں جاکر دریافت کر سکتی ہے کیونکہ طلب علم مسلمان مرد اور عورت دونوں پر فرض

مسائل الصلاۃ والوضوء فان کان الزوج یحفظ تلک المسائل ویذکر لہا ذلک لیس لہا ان تخرج بغیر اذنہ فان کان الزوج لا یحفظ المسائل فالاولیٰ لہ ان یأذن لہا بالخروج فان لم یأذن فلا شئی علیہ ؎

ہو جاتا ہے جب کہ وہ اس کے محتاج ہوں اس لئے ایسی حالت میں طلب علم کو شوہر کے حق پر مقدم رکھا جائے گا۔ اگر عورت کو کوئی متعین مسئلہ تو درپیش نہ ہو لیکن وہ نماز اور وضو وغیرہ کے مسائل سیکھنے کے لئے کسی علمی مجلس میں شریک ہونا چاہے اگر شوہر ان مسائل کو جانتا ہو اور وہ اسے سکھا بھی رہا ہو تو اسے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے جب تک شوہر اس کو اجازت نہ دے اگر خود شوہر کو ان مسائل کا علم نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو علمی مجلسوں میں شرکت کی اجازت دے (اور کوئی مصلحت مانع ہو تو شوہر کو اس کا بھی حق ہے کہ) وہ اس کو باہر جانے کی اجازت نہ دے اور اس سے شوہر پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔

تعلیمی سہولتیں

اسلامی تعلیمات کے گہرے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ شریعت عورت کو علم کے استفادہ وافادہ میں تمام معاشرتی سہولتیں بہم پہنچانا چاہتی ہے تاکہ اس کے فکری ارتقا میں ماحول کوئی رکاوٹ نہ بننے پائے۔

یہ حدیث گذر چکی ہے کہ جو شخص اپنی باندی کو تعلیم و تربیت دے گا اور پھر اس کو آزاد کر کے شادی کرلے گا تو اس کو دو اجر ہیں۔ اس حدیث پر غور کیجیے! آپ نے لونڈی کی صرف تعلیم و تربیت ہی پر بشارت نہیں دی ہے بلکہ

؎ فتاوی قاضی خاں المطبوعہ علی فتاوی عالمگیر یہ ج ۱ صفحہ ۴۴۳۔

اس کے استحقاق کے لئے ضروری قرار دیا کہ اس کے پاؤں سے غلامی کی زنجیر کاٹ دی جائے جو اس کو آزادانہ تگ و دو کی اجازت نہیں دیتی ——

فکری تربیت آدمی کے ذہنی ارتقاء میں ماحول کی موافقت اور تعلیمی سہولتوں سے کہیں زیادہ خود اس کی اپنی کوششوں کا دخل ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک اپنی فکری صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہے اور اپنی معلومات سے نئے نئے نتائج اخذ کرنے اور نئی نئی حقیقتوں کے دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت نے جہاں عورت کے فکری معیار کو بلند کرنے کے لئے خارج میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں وہاں اس کے ذہن و فکر کی اندرونی صلاحیتوں کو بھی ابھارنے کی سعی کی ہے تاکہ قدرت نے خود اس کے اندر فکر و نظر کی مخفی قوتیں رکھی ہیں ان سے وہ فائدہ اٹھا سکے۔

قرآن مجید ازواجِ مطہرات رضؓ کو بعض معاشرتی احکام دینے کے بعد کہتا ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (الاحزاب ع ۴)

اور یاد کرو اللہ کی ان آیات کو جن کی تلاوت تمہارے گھروں میں ہوتی ہے۔ اور حکمت کو۔

یعنی ذرا سوچو تو سہی کہ جس علم و حکمت کے شب و روز تمہارے گھروں میں چرچے ہوتے ہیں اس کا کیا تقاضا ہے؟ خدا پر ایمان اور محاسبۂ آخرت کا یقین کس طرز زندگی کا مطالبہ کرتا ہے؟

احادیث میں اس قسم کی کوششیں بہت ہی واضح انداز میں بکثرت پائی

جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم دو واقعات درج کرتے ہیں:۔

ایک عورت نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن موت نے اس کی مہلت نہ دی، کیا میں اس کی جانب سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے جواب دیا حُجّی عنہا اَرَاَیتِ لَو کَانَ عَلیٰ اُمِّکِ دَینٌ اَ کُنتِ قَاضِیَۃً اِقضُوا اللّٰہَ فَاللّٰہُ اَحَقُّ بِالوَفَاءِ"[۱] ہاں اسکی جانب سے حج کر، غور کر، اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا اس کو ادا نہ کرتی۔ بس اللہ کے جن احکام کو ادا نہیں کیا گیا ہے ان کو ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے کہیں زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا قرض پورا کیا جائے۔

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے دریافت کیا اگر عورت خواب میں جنسی لذت محسوس کرے تو کیا اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں! بشرطیکہ اس کو احتلام ہو۔ اس پر اُمّ سلمہؓ نے پوچھا کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ (یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ عورت کو اس کی نوبت بہت کم آتی ہے) آپ نے فرمایا، نعم فَبِمَ یُشبِہُھَا وَلَدُھَا۔[۲] ہاں پھر کیسے بچہ اس سے مشابہ ہوتا ہے!

غور کیجئے، اس ایک جملہ کے ذریعہ حضورؐ نے ام سلمہ کے ذہن کو کتنے مسائل کی طرف موڑ دیا!۔

---

[۱] بخاری، ابواب العمرۃ، باب الحج والنذر عن المیت، النحر [۲] بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم، مسلم کتاب الحیض باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منہا۔

دورِ صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ نے انفرادی طور پر ان خواتین کی فکری و عملی اصلاح کے لئے کیا کچھ کیا جن کی ذمہ داری شریعت کی طرف سے ان پر ڈالی گئی تھی، اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ ذیل کے واقعہ سے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ جو عورتیں مصنوعی بال گوندھتی ہیں، پچھنا کھدواتی ہیں اور دانتوں کو گھس کر خوبصورت بناتی ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ سُن کر ایک خاتون نے کہا کہ یہ سب کچھ آپ کی بیوی بھی تو کرتی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جاؤ پہلے دیکھ آؤ اور پھر بتاؤ۔ چنانچہ وہ عورت آپ کے گھر گئی لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ ابن مسعودؓ نے کہا اگر میری بیوی ان خلاف شرع اعمال کا ارتکاب کرتی تو کبھی میرے عقد میں نہیں رہ سکتی تھی؟[1]

اسی طرح صحابہ کرام عمومی انداز میں اصلاح معاشرہ کی جو جد وجہد کرتے تھے اس میں ان کے پیش نظر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔

عائذہ نامی ایک خاتون عبداللہ بن مسعود ہی کی ایک تقریر کا ذکر کرتی ہیں۔

رأیت ابن مسعود یوصی الرجال والنساء ویقول من ادرک منکم من امرأۃ او رجل فالسمت

میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ وہ مردوں اور عورتوں کو نصیحت کر رہے ہیں۔ آپ فرما رہے تھے تم میں جو بھی خواہ وہ مرد

---

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم فعل الواصلۃ الخ۔

ہو یا عورت فتنوں کا نام نہ پائے تو حضور ؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے طریقہ پر جا رہے۔

نتائج اس مسلسل کوشش اور پیہم توجہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ کل تک عورت جو علم و ادب سے ناآشنائے محض تھی، آج اس کی نگہبان و محافظ بن گئی اور دنیائے فکر و ادب میں جس کا کوئی وجود نہیں تھا وہ آفتابِ علم و ہدایت بن کر چمکنے لگی۔

حضرت عائشہؓ کو دیکھیے کہ ان کے شاگردِ خاص عروہ بن زبیرؓ ان کے وسعتِ علم کا اظہار کن الفاظ میں کرتے ہیں؟

مَا رَأَيْتُ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ اَعْلَمَ بِالْقُرْاٰنِ وَلَا فَرِيْضَةٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَحَرَامٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَلَا بِحَدِيْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَةَ ؎

میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ قرآن اور فرائض، حلال و حرام، شعر و ادب، اہلِ عرب کی تاریخ اور ان کے حسب و نسب کو جاننے والا کسی کو نہیں پایا۔

عروہ بن زبیرؓ کو عربی کلام پر بڑا عبور تھا۔ اس معاملہ میں ان کی تعریف کی گئی تو کہا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے مقابلہ میں شاعری سے میری واقفیت کوئی حقیقت نہیں رکھتی، وہ تو بات بات پر اشعار سے استدلال کرتی تھیں ؎ موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں:

؎ مقدمہ سنن الدارمی باب فی کراہیۃ اخذ الرای ؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷
؎ الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ج ۴ صفحہ ۳۶۰۔

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ ۔ [۱]

میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں دیکھا۔

لوگوں کو حضرت عائشہؓ کی واقفیتِ شعر و ادب سے کہیں زیادہ ان کی طبّی معلومات پر حیرت ہوتی تھی۔ ابن ابی ملیکہؒ نے آپ سے کہا، آپ کی شاعری پر ہمیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ آپ ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں جن کی فصاحت و بلاغت مانی ہوئی تھی۔ لیکن طب کہاں سے آپ نے سیکھ لی؟۔ جواب دیا کہ حضورؐ کو جب کوئی مرض لاحق ہوتا تو باہر سے حاضرِ خدمت ہونے والے وفود اس کا علاج بتلاتے اور میں اس کو یاد رکھتی۔ [۲]

آپ کی حساب دانی کا یہ حال تھا کہ اکابر صحابہ آپ سے میراث کے مسائل دریافت فرماتے [۳]

حضرت عائشہؓ کے تلامذہ میں ایک عمرہ بنت عبدالرحمٰن بھی ہیں، جن کا تذکرہ ابن عماد حنبلی نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

الفقیہۃ الفاضلۃ عمرۃ بنت عبد الرحمٰن الانصاریۃ نشأت فی حجر عائشۃ فاکثرت الروایۃ عنہا وھی العدل الضابطۃ لما یوخذ عنہا [۴]

فقہ و فضیلت رکھنے والی، عمرہ بنت عبدالرحمٰن جن کی پرورش حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوئی اور جنھوں نے حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ روایات بیان کیں قابلِ اعتبار ضبط اور حافظہ کی مالک اور ایسی کہ جن کی روایات

---

[۱] ترمذی، ابواب المناقب، مستدرک ج ۴ ص۱۱ [۲] مستدرک ج ۴ ص۱۱

[۳] ایضاً [۴] شذرات الذہب ج ۱ ص۱۱۴

قبول کی جاتی ہیں۔

ان کے متعلق ابن حبانؒ فرماتے ہیں :۔

کانت من اعلم الناس بحدیث عائشۃ۔ ؎۱	حضرت عائشہ کی روایات کی سب سے زیادہ جاننے والی تھیں۔

دورِ تابعین کے نامور محدث اور فقیہ قاسم بن محمدؒ نے امام زہری سے کہا کہ میں تمہارے اندر علم کی تشنگی محسوس کرتا ہوں۔ کیا میں تم کو ایک علم سے بھرے ہوئے برتن کی نشان دہی نہ کروں؟ زہری نے جواب دیا ہاں ضرور۔ کہا جاؤ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی مجلس کو نہ چھوڑو کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کی پروردہ ہیں (اس لئے ان کے علم کی سب سے بڑی وارث بھی ہیں) امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ان کے حسبِ مشورہ میں عمرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ واقعتہً علم کا نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں ؎۲

حضرت ام سلمہ کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے :۔

کانت ام سلمۃ موصوفۃ بالجمال البارع والعقل البالغ والرای الصائب۔ ؎۳	ام سلمہؓ انتہائی حسن کے ساتھ ساتھ پختہ عقل اور درستی رائے سے بھی متصف تھیں۔

ام سلمہؓ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ بقول علامہ ابن عبد البرؒ "کانت من افقہ اہل زمانہا" ؎۴ اپنے زمانہ کی بہت بڑی فقیہ تھیں۔

؎۱ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۹ ؎۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۱ ؎۳ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج ۴ ص ۴۵۹ ؎۴ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ زینب بنت سلمہ۔

ابورافع صائغ کہتے ہیں:-

کنت اذا ذکرت امرأۃ فقیہۃ	جب میں مدینہ کی کسی فقیہہ عورت کا ذکر کرتا ہوں تو
بالمدینۃ ذکرت زینب بنت ابی سلمہ[1]	فوراً زینب بنت ابی سلمہ یاد آجاتی ہیں۔

ام سلمہؓ کی ایک باندی ام الحسن نامی تھیں۔ ان کی صلاحیتوں کا یہ عالم تھا کہ عورتوں کو باقاعدہ وعظ و تبلیغ کیا کرتی تھیں۔[2]

ام المومنین حضرت صفیہؓ کے متعلق امام نوویؒ کا قول ہے:-

کانت عاقلۃ من عقلاء النساء[3]	صاحب عقل و دانش خواتین میں سے تھیں۔

حضرت ابو درداؓ کی بیوی امّ درداءؓ کے علم و فضل کا پایہ اتنا اونچا تھا کہ امام بخاریؒ نے ان کے عمل سے اپنی کتاب صحیح بخاری میں استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

کانت ام الدرداء تجلس فی	امّ درداء تشہد میں اسی طرح بیٹھتی تھیں جس طرح
صلاتہا جلسۃ الرجل وکانت	مرد بیٹھتا ہے اور وہ فقیہہ تھیں۔ اس لئے
فقیہۃ[4]	ان کا عمل قابلِ حجت ہے۔

ان کے متعلق علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے:-

کانت من فضلاء النساء وعقلائہن	عقل و فضیلت اور رائے و تدبیر رکھنے والی
وذوات الرای منہن	عورتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۴ ص ۳۱۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵۲

[3] تہذیب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۴۹ [4] بخاری کتاب الاذان، باب سنۃ الجلوس فی التشہد۔

مع العبادة والنسك۔ [1] اس کے ساتھ عبادت گذار اور متقی بھی تھیں۔

امام نوویؒ نے تو ان کے فقہ وفہم پر سب کو متفق بتایا ہے۔

واتفقوا علی وصفها بالفقه والعقل والفهم والجلالة [2] لوگوں نے ان کی فقہ وعقل اور فہم وبزرگی پر اتفاق کیا ہے۔

فاطمہ بنت قیسؓ کے تفقہ اور علم کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے ایک فقہی مسئلہ پر عرصہ تک بحث کرتی رہیں لیکن وہ ان کی رائے نہیں بدل سکے۔ اس سے بھی آگے یہ کہ امت کے بہت سے ائمہ نے ان ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

کانت من المهاجرات الاول ذات عقل وافر وکمال [3] وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ابتدائی دور میں ہجرت کی تھی اور انتہائی عقل وکمال کی مالک تھیں۔

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ بڑے اونچے درجہ کی صحابیہ تھیں جن کی بزرگی کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے "ومناقبها کثیرة وشهيرة" [4] ان کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں اور کافی مشہور ہیں۔ امام نوویؒ شہادت دیتے ہیں [5] "کانت من فاضلات الصحابیات" [6] "علم وفضل رکھنے والی صحابیات

---

[1] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، تذکرۃ ام الدرداء [2] تہذیب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۶۱ [3] تہذیب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۵۳ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۷۲

[6] تہذیب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۶۳

میں سے ایک تھیں)

اسی قسم کی شہادت امام نوویؒ نے امّ عطیہ کے بارے میں بھی دی ہے۔ فرماتے ہیں۔ وھی من فاضلات الصحابیات والغازیات منھن مع رسول اللہ[1] (ان کا شمار فضیلت و بزرگی رکھنے والی اور حضورؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے والی صحابیات میں ہوتا ہے)

امّ عطیہؓ سے احادیث روایت کرنے والوں میں حفصہ بنت سیرینؒ بھی ہیں یہ بارہ سال کی عمر ہی میں قرآن کی تعلیم سے فارغ ہو چکی تھیں[2]۔ یہ بصرہ کی تھیں۔ بصرہ ہی کے ایک مشہور قاضی اور فقیہ ایاس بن معاویہؒ کہتے ہیں۔

ما ادرکت احدا افضله علی حفصة[3]

میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جسے حفصہ بنت سیرین پر فضیلت دے سکوں۔

تابعین کے امام سعید بن المسیبؒ نے اپنی لڑکی کا عقد اپنے ہی ایک شاگرد سے کرادیا تھا۔ شادی کے دوسرے دن وہ حلقۂ درس میں شریک ہونے کی تیاری کرنے لگے تو صاحبزادی نے کہا، اجلس اعلمک علم سعید[4] (تشریف رکھئے سعید بن مسیب جو تعلیم آپ کو دے سکتے ہیں وہ میں یہیں دے دوں)

اسی طرح امام مالکؒ کی صاحبزادی کے علم و فضل کا یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ طالب علم اگر موطا پڑھتے ہوئے کہیں لغزش کھاتا تو وہ اپنے کمرے کے اندر سے دروازہ کھٹکھٹاتیں۔ امام موصوف کو ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ پڑھنے والے سے کہتے، ارجع فالغلط معک[5] دہراؤ تم غلطی کر رہے ہو۔

---

[1] تہذیب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۶۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۰۹ [3] ایضاً ص ۴۰۹
[4] المدخل لابن الحاج۔ ج ۱ ص ۲۱۵ [5] ایضاً۔

کسی دور کے علمی و فکری ارتقا کا صحیح اندازہ چند نامور ہستیوں نے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے غیر معروف اشخاص بلکہ عوام کی ذہنی سطح کے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد ہی ہم اس زمانہ کے عام معیار کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اسی لئے ہم نے اوپر کے صفحات میں ان خواتین کے تذکرہ کے ساتھ جو اسلامی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسی خواتین کا بھی ذکر کیا ہے جن کی ایک سوانح نگار کی نظر میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے اب ہم مزید ایسی ہی دو ایک خواتین کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ عورت کو فکر کی بلندی عطا کرنے میں اسلام نے جو سعی کی ہے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکے۔

ام ورقہؓ بنت نوفل ایک صحابیہ گزری ہیں۔ ان کے متعلق مروی ہے۔

کانت قد قرأت القرآن و امرها ان تؤم اهل دارها[۱]	وہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں حضورؐ نے ان کو اپنے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ ایک مسئلہ بیان فرمایا تو ام یعقوب نامی بنو اسد کی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں اور عرض کیا۔

لقد قرأت ما بین لوحی المصحف فما وجدتہ[۲]	مصحف کی دونوں دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے (یعنی پورا قرآن) میں پڑھ چکی ہوں لیکن آپ کا بیان کردہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا۔

مشہور مالکی امام، اشہبؒ نے ایک مرتبہ ایک لونڈی سے سبزی خریدی۔

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء [۲] مسلم، کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم فعل الواصلۃ الخ بخاری کتاب اللباس، باب المتنمصات۔

اس زمانہ کا رواج یہ تھا کہ سبزی کی قیمت رقم کی شکل میں ادا کرنے کے بجائے سبزی فروش کو روٹی دے دی جاتی تھی۔ اشہبؒ کے پاس اس وقت روٹی نہیں تھی، انھوں نے لونڈی سے کہا، شام کو جب روٹی نان بائی کے ہاں سے آجائے تو آکر لے جانا۔ اس نے کہا جناب یہ تو ناجائز ہے۔ کیونکہ شریعت نے کھانے پینے کی چیزوں میں دست بدست تبادلہ کا حکم دیا ہے۔[۱]

تحریر کا رواج تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں پڑھنے کی طرح لکھنا بھی عام ہو چکا تھا اور وہ تحریر کے اصول و آداب سے اس حد تک واقف ہو چکی تھیں کہ ان کے لئے خط و کتابت کرنے اور مختلف مسائل و معاملات کو قلمبند کرنے میں کوئی زحمت نہیں پیش آتی تھی، اس کا اندازہ ذیل کے دو واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

ربیع بنت مسعودؓ کہتی ہیں کہ ہم چند عورتوں نے اسماء بنت مخرمہؓ سے عطر خریدا۔ جب انہوں نے عطر ہماری شیشیوں میں بھر دیا تو کہا اکتبن لی علیکن حقی[۲] تمہارے ذمہ جو واجب الاداء رقم ہے وہ مجھے لکھواؤ۔

عائشہ بنت طلحہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی تھیں، حضرت عائشہ سے تعلق اور ان کے علم و فضل کی بنا پر مختلف علاقوں سے لوگ ان کو خطوط اور ہدیے روانہ کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سے انھوں نے ان خطوط اور تحفوں کا ذکر کیا تو فرمایا خطوط کا جواب بھی دو اور ہدیہ کے عوض ہدیہ بھی بھیجو۔[۳]

۱؎ المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۱۵ ۔ ۲؎ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲

۳؎ الادب المفرد۔ باب الکتابۃ الی النساء وجوابھن۔

خواتین کی علمی خدمات

عورتوں کی اس قابلیت سے سوسائٹی کو کیا فائدہ پہنچا اور ان کی صلاحیتوں نے دین وعلم کے کن گوشوں کو تب وتاب بخشی ؟ ان سوالات کا جواب تاریخ کے صفحات یہ دیتے ہیں کہ زندگی کے ہر میدان میں ان کے نقوش فہم وبصیرت نے رہنمائی کا کام دیا ہے اور وہ مرد کے دوش بدوش امت کی ہدایت کا فریضہ انجام دیتی رہی ہیں ۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں :۔

والذین حفظت عنهم الفتویٰ من اصحاب رسول الله مائة ونیف وثلاثون نفسا مابین رجل وامرأة ۔

رسول اللہ کے صحابہ میں جن لوگوں کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ زائد ہے ، اس میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ۔

ان میں بھی سات اشخاص ایسے ہیں جن کے فتاوی کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ بقول علامہ ابن حزمؒ ان میں سے ہر ایک کے فتووں کو اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے ۔ ان سات اشخاص میں حضرت عمرؓ ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسی ہستیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ بھی شامل ہیں ۔

مفتیین صحابہ کی دوسری صف میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمان وغیرہم کے دوش بدوش حضرت ام سلمہؓ بھی موجود ہیں ، ان میں سے ہر ایک کے فتاوی کے ذریعہ ایک رسالہ مرتب کیا جا سکتا ہے ۔

تیسرا گروہ ان اصحاب پر مشتمل ہے جنھوں نے بہت کم فتوے دیئے ہیں

ان میں حضرت حسن رضؓ، حضرت حسین رضؓ، ابوذر رضؓ اور ابو عبیدہؓ وغیرہم کے ساتھ ام عطیہ رضؓ، حضرت حفصہ رضؓ، حضرت ام حبیبہ رضؓ، حضرت صفیہ رضؓ، لیلی ابنت قائم رضؓ، اسما بنت ابی بکر رضؓ، ام شریک رضؓ، خولا بنت تویت رضؓ، ام دردا رضؓ، عاتکہ بنت زید رضؓ، سہلہ بنت سہیل رضؓ، حضرت جویریہ رضؓ، حضرت میمونہ رضؓ، حضرت فاطمہ رضؓ، حضرت بنت قیس رضؓ، ام سلمہ رضؓ، زینب بنت ام سلمہ رضؓ، ام ایمن رضؓ، ام یوسف رضؓ اور غامدیہ رضؓ کا بھی شمار ہوتا ہے [۱]

مختلف عقدہ ہائے حیات کو لے کر ان کی طرف چھوٹوں نے بھی رجوع کیا اور بڑوں نے بھی، مردوں نے بھی اور عورتوں نے بھی، اصحاب قرب وجوار نے بھی اور دور رہنے والوں نے بھی، اور ان خواتینِ امت کی دینی سمجھ بوجھ اور بصیرت و دانائی نے ان گرہوں کو کھولا اور راہ حق واضح کی۔

حضرت عائشہ رضؓ کی مرجعیت کا اندازہ عائشہ بنت طلحہ رح کی اس تصریح سے کیا جاسکتا ہے۔

کان الناس یاتونہا من کل مصر [۲] — حضرت عائشہ رضؓ کے پاس ہر شہر سے لوگ آیا کرتے تھے۔

ظاہر ہے، لوگ دور دور سے محض رسمی ملاقات کے لئے تو حاضر نہیں ہوتے ہوں گے بلکہ اس کا مقصد زیادہ تر علمی استفادہ ہی رہتا ہوگا۔

حدیث کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت عمر رضؓ

---

[۱] اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۹ تا ۱۱ [۲] الادب المفرد، باب الکتابت الی النسار وجوابہن

عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسے وسیع النظر اصحاب کی بعض بعض آرا ر و اجتہادات پر تنقید کر کے ان کے ذہن و فکر کو صحیح رُخ کی طرف موڑا ہے۔

صحابہ میں جو بڑے بڑے حفاظ حدیث تھے، اُن میں حضرت عائشہؓ بھی ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کی روایات اتنی نہیں ہیں[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، خوشی و ناخوشی سے اس وسیع واقفیت کا نتیجہ تھا کہ اکابر صحابہ تک مسائل دریافت کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے فقیہ و عالم صحابی حضرت عائشہؓ سے علم و واقفیت کے متعلق اپنا اور اپنے جیسے دوسرے ساتھیوں کا تجربہ بیان کرتے ہیں۔

ما اشکل علینا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط نسألنا عائشۃ الا وجدنا عندھا منہ علماً[2]	ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کسی حدیث کے معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئی اور ہم نے اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا تو دیکھا کہ ان کو اس کے متعلق علم ضرور ہے۔

فقیہ مدینہ عروہ بن زبیر اور مشہور محدث قاسم بن محمد کے متعلق ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے:۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۶۳ [2] ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل عائشہؓ

وکانا من الآخذین عن عائشة الذین لایکادون یتجاوزون قولھا المتفقھین لھا۔ [1]

یہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے حضرت عائشہؓ سے اخذ و استفادہ کیا اور جو ان کے اقوال سے کبھی تجاوز نہیں کرتے تھے اور ان ہی کے بتائے ہوئے دائرے کے اندر رہ کر مسائل کا استنباط کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

وقد حفظت عنہ شیئاً کثیرا وعاشت بعدہ قریباً من خمسین سنة فاکثر الناس الاخذ عنھا ونقلوا عنھا من الاحکام و الآداب شیئاً کثیراً حتی قیل ان ربع الاحکام الشرعیة منقول عنھا رضی اللّٰہ عنھا [2]

حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے بہت سی باتیں یاد رکھیں اور آپؐ کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہیں اور لوگوں نے ان سے بہت زیادہ اخذ و استفادہ کیا اور بہت سے احکام و آداب ان سے نقل کیے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ شریعت کے ایک چوتھائی احکام ان سے منقول ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے ایک دوسرے مقام پر حضرت عائشہؓ سے حدیث کا استفادہ کرنے والے اٹھاسی افراد کے نام شمار کرنے کے بعد لکھدیا ہے "وخلق کثیر" یعنی ان کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد نے آپ سے روایت کی ہے۔ [3]

ان میں عمرو بن العاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے اصحاب سیاست بھی ہیں اور ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ جیسے محدث و فقیہ بھی اس میں سرخیل تابعین سعید بن مسیبؒ بھی ہیں اور علقمہ بن قیس جیسے نامور فقیہ بھی

---

[1] شذرات الذھب ج ۱ ص ۶۲ [2] فتح الباری ج ۷ ص ۸۲-۸۳ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۳

ان میں آزاد اور غلام بھی ہیں اور مرد اور عورت بھی۔

حضرت صفیہؓ کے علم سے اُمت کو کتنا فائدہ پہنچا۔ اس کا اندازہ صہیرہ بنت جیفر کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ کہتی ہیں، ہم چند خواتین حج سے فراغت کے بعد مدینہ گئیں اور حضرت صفیہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دیکھا کہ وہاں پہلے ہی سے کوفہ کی چند عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ہم نے ان سے زن وشوہر سے متعلق مختلف مسائل اور حیض اور نبیذ کے احکام دریافت کئے۔[1]

پتہ نہیں، اس طرح کتنے علاقوں کے لوگوں نے کتنے مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کی ہوگی۔

حضرت ام سلمہؓ سے احادیث روایت کرنے والے ۳۲، افراد کے نام بنام ذکر کے بعد حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں۔ جنھوں نے ان سے روایات لی ہیں۔[2] ان میں صحابہ اور نامور تابعین دونوں ہی شامل ہیں۔

مروان کو ایک مسئلہ معلوم کرنا تھا، کہتا ہے:۔

کیف نسئال احدا عن شئ
وفینا ازواج النبیؐ

جب ہمارے اندر ازواج مطہرات موجود ہیں تو کسی دوسرے سے کیوں اور کس لئے دریافت کریں۔

چنانچہ اس نے حضرت ام سلمہؓ سے استفسار کرایا تو انھوں نے اس کی مشکل حل کی۔[3]

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۷ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۶ [3] مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳۔

صحابۂ کرام کے علمی اختلافات اور الجھنوں کے رفع کرنے میں ازواجِ مطہرات کے علم دین نے بڑی مدد دی ہے۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

وقد كانت الصحابة يختلفون في الشيء فتروى لهم احدى امهات المومنين عن النبي شيئاً فيا خذون به ويرجعون اليه ويتركون ما عندهم له[1]

صحابۂ کرام کے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوتا اور امہات المومنین میں سے کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث بیان کرتیں تو وہ اس کو فوراً قبول کرلیتے اور اپنے تمام اختلافات کو چھوڑ کر اس طرف رجوع کرتے۔

ربیع بنت معوذؓ سے مسائل دریافت کرنے کے لئے کبھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ حاضر ہوتے ہیں اور کبھی عبداللہ بن عمرؓ۔ ان سے احادیث روایت کرنے والوں میں مدینہ کے مشہور فقیہ سلمان بن یسارؒ بھی ہیں اور عمار بن یاسرؓ کے پوتے ابو عبیدہ، عباد بن ولید اور ابن عمرؓ کے غلام نافع جیسے اربابِ علم وفضل بھی[2]

فاطمہ بنت قیسؓ سے قاسم بن محمدؒ، سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ اور شعبی جیسے فضلائے وقت نے حدیث میں اخذ واستفادہ کیا ہے[3]

ام عطیہؓ کے متعلق علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] زاد المعاد ج ۴ ص ۲۲۱ [2] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ ربیع بنت معوذ

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۴۴

وشهدت غسل ابنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحکت ذلک فاتقنت وحدیثها اصل فی غسل المیت وکان جماعة من الصحابة وعلماء التابعین بالبصرة یأخذون عنها غسل المیت ولها عن النبی احادیث روی عنها انس بن مالک ومحمد بن سیرین وحفصة بنت سیرین [1]

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے غسل میں شریک تھیں اور انہوں نے اس کو بیان کیا ہے اور بہت عمدگی سے بیان کیا ہے اور میت کے غسل کے سلسلہ میں ان کی حدیث اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحابہ اور علمائے تابعین بصرہ میں ان سے غسل میت سیکھتے تھے۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، جنہیں انس بن مالک، محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین نے روایت کیا ہے۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰنؓ کی روایات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نگاہ میں اس قدر اہمیت رکھتی تھیں کہ آپ نے ابوبکر بن محمد بن حزم کو حکم دیا کہ ان کو قلمبند کریں۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی خدمت میں ابوبکر بن حزم ہی نہیں بلکہ امام زہری اور یحییٰ بن سعید جیسے یگانہ ہائے عصر کو استفادہ کے لئے حاضر ہونا پڑا ہے۔ [2]

حضرت سعد بن ابی وقاص کی صاحبزادی عائشہؓ کے حلقۂ تلامذہ میں امام مالکؒ، ایوب سختیانی اور حکم بن عتیبہ جیسے فقہا و محدثین نظر آتے ہیں۔ [3]

امام شافعیؒ نے حضرت حسنؓ کی پوتی سیدہ نفیسہ کی خدمت میں حاضر ہو کر

---

[1] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵۳،

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۶

علم حدیث حاصل کیا ہے۔ [1]

ان چند اشارات کے ذریعہ دورِ اوّل کی خواتین کی علمی خدمات کا محض ایک مجمل سا نقشہ سامنے آسکتا ہے۔ تاریخ نے کسی دور اور کسی طبقہ کے تمام کاموں کا پوری طرح نہ تو کبھی احاطہ کیا ہے اور نہ کر سکتی ہے، لیکن اس کے باوجود اسلامی تاریخ نے جو کچھ مواد چھوڑا ہے، اگر اسی کی مدد سے ان خواتین کے علمی اور فکری کارناموں کی تفصیل فراہم کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۹

عورت میدانِ عمل میں

اسلام نے عورت کی جدوجہد کو صرف علم و فکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اس کی پروازِ عمل کے لئے اس سے وسیع تر فضا مہیا کی ہے۔ وہ جس طرح علم و ادب کی راہ میں پیش قدمی کر سکتی ہے۔ اسی طرح زراعت اور تجارت میں بھی ترقی کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اس کو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے اپنانے اور بہت سی ملی و اجتماعی خدمات کے انجام دینے کی بھی اجازت ہے۔ اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی سعی و عمل کو برداشت یا گوارا کر لیا گیا ہے بلکہ زندگی و حرکت کے جو داعیات اس کے اندر اٹھتے رہتے ہیں ان کو دبانے اور مٹانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کی تکمیل کی اس کو دعوت دی گئی ہے۔

اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادہ بن صامتؓ کی بیوی امّ حرامؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ اچانک مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ امّ حرامؓ نے وجہ مسرت دریافت کی تو بتایا کہ خواب میں مجھے میری اُمّت کے وہ بلند مرتبہ افراد دکھلائے گئے جو خدا کی راہ میں جہاد

کے لئے سمندر کا سفر کریں گے جس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ وہ جنت میں بادشاہوں کی طرح تخت پر متمکن ہوں گے۔ ام حرامؓ نے حضورؐ سے درخواست کی، دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں داخل فرمادے۔ آپؐ نے اس سعادت مند گروہ میں ان کی شمولیت کی دعا کی، پھر آپ لیٹ گئے اور دوبارہ اٹھے تو اس وقت بھی مسرت و شادمانی کے وہی آثار نمایاں تھے۔ ام حرامؓ نے سبب معلوم کیا تو وہی پہلا سبب بتایا۔ ام حرامؓ نے اس مرتبہ بھی دعا کی درخواست کی تو فرمایا "پریشان کیوں ہو، تمہارا شمار سابقین میں ہے"[1]

غور کیجئے! جہاد اور وہ بھی سمندر پار کر کے۔ زندگی کا سب سے زیادہ صبر آزما اور ایثار و قربانی کا طالب عمل۔ اس میں عورت کی شرکت کی حضورؐ دعا فرما رہے ہیں۔ حالانکہ جہاد اس پر فرض نہیں ہے۔ اس سے اسلام کے مزاج اور رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور اپنے دائرے سے باہر کبھی کوئی کام انجام ہی نہ دے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کامیاب سماجی جدوجہد جن صفات کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً جفاکشی، سادگی اور استقلال وغیرہ۔ فطری طور پر عورت کے اندر ان کی کمی ہوتی ہے اور یہ صفات پیدا بھی اس وقت ہوتی ہیں۔ جب کہ انسان کی مخالف قوتوں سے تصادم اور کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ مگر چونکہ عورت عائلی زندگی سے تعلق کی بنا پر کشمکش سے دور رہتی ہے۔ اس لئے مشکل ہی سے اس کے اندر یہ صفات پیدا ہوتی ہیں بلکہ اس کے برعکس گھر کی پرسکون زندگی اس کے اندر بڑی آسانی سے تکلف و تصنع، عیش و راحت، نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی خصوصیات

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد باب غزوۃ المرأۃ البحر۔

اُبھار دیتی ہے، اسلام نے کوشش کی ہے کہ یہ مذموم صفات اس کے اندر راہ نہ پانے پائیں اور وہ اس قابل ہو سکے کہ زندگی کے شدائد کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ اسی غرض سے شریعت نے اس کو پُر مشقت اور سادہ زندگی کی تعلیم دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طبقوں کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:-

وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا [1]

وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے مونڈھوں کو ہلا ہلا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گی حالانکہ جنت کی مہک دور دور تک پھیلی ہوگی۔

حضرت معاویہ رضؓ نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے مصنوعی بالوں کی ایک لٹ اپنے ہاتھ میں لے کر مدینہ والوں سے سوال کیا:-

أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هٰذَا وَيَقُولُ إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَ

کہاں ہیں تمہارے علماء، (کیوں وہ اس پر تنقید نہیں کرتے؟) میں نے اس کے استعمال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرتے ہوئے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا بنو اسرائیل

---

[1] مسلم کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات الخ۔

هٰذِہٖ نِسَاؤُھُمْ [1] اس وقت تباہ ہوئے جب کہ ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا۔

یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ عورت کے ایک عمل سے پوری قوم تباہ ہو جائے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ نہیں ہے کہ یہ عمل ان کی تباہی کا واحد ذریعہ بنا تھا بلکہ آپ ایک متعین عمل کے ذریعہ اس ذہن و مزاج کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو افراد کو تیزی کے ساتھ ہلاکت و بربادی کی طرف لئے چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوم سادگی کے بجائے تصنع اور تکلف کی عادی اور جفاکشی کے بجائے عیش و راحت کی طالب بن جائے تو کشمکشِ حیات میں وہ کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

شریعت ان ہی اسباب تباہی سے عورت کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے۔ تاکہ زندگی کے کارزار میں اس کو نامرادیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض پورے کر سکے۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی۔ (طلاق کے بعد ان کو عدت کے دن گھر ہی میں گذارنے چاہیئے تھے۔ لیکن انھوں نے (عدت کے دوران ہی میں) اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے (اور فروخت کرنے) کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا (کہ اس مدت میں گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے)، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفسار کے لئے گئیں تو آپ نے جواب دیا۔

---

[1] بخاری، کتاب اللباس، باب الوصل فی الشعر۔ مسلم کتاب اللباس والزینۃ۔

اُخْرُجِي فَجُدِّي نَخْلَكِ لَعَلَّكِ أَنْ تَصَدَّقِي مِنْهُ أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا[1] کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو (اور فروخت کرو) اس رقم سے بہت ممکن ہے تم صدقہ خیرات یا اور کوئی بھلائی کا کام کرسکو (اس طرح یہ تمہارے لئے اجر آخرت کا سبب ہوگا۔)

ان الفاظ کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کی خالہ کو انسانیت کی بہی خواہی اور فلاح وبہبود پر اکسایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت، عورت کو اس قابل دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خدمت کرسکے اور اس کے ہاتھوں بھلے کام انجام پائیں۔

گھر سے باہر سعی وجہد کی اجازت

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی کہ پاکیزہ مقاصد کے حصول اور امورِ خیر کی تکمیل کے لئے عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور یہ کہ دورِ اوّل کی خواتین ضرورت پر بازار اور کھیت وغیرہ آیا جایا کرتی تھیں کیوں کہ اگر پہلے سے کوئی عمومی ممانعت ہوتی تو حضرت جابرؓ کی خالہ کھیت جانے کا قصد ہی کیوں کرتیں اور بحث بھی یہ نہ چھڑتی کہ فلاں مخصوص حالت میں ان کا گھر سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

بعض دوسری روایات سے یہ بات اور واضح ہوگئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا احکامِ حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو باہر دیکھ کر تنقید کی تو وہ خاموشی

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فی المبتوتۃ تخرج بالنہار۔ و رواہ مسلم وابن ماجۃ ایضاً۔

سے) گھر واپس چلی آئیں اور حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس کے فوراً بعد آپؐ پر نزولِ وحی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

إِنَّهُ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ [1]

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے

اس کی عملی سرگرمیوں نے تو اس امر کے قطعی اور یقینی شواہد فراہم کر دیئے ہیں کہ اس نے امورِ خانہ داری کے علاوہ دوسری بہت سی مصروفیات اندرونِ خانہ و بیرونِ خانہ جاری رکھیں اور اسلامی معاشرہ کبھی ان میں حائل نہیں ہوا۔

کاشتکاری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ کا واقعہ کھیتی باڑی کے کاموں سے ان کے تعلق کا پتہ دیتا ہے جس کا ذکر ابھی گذر چکا ہے۔

سہل بن سعدؓ ایک اور خاتون کا ذکر کرتے ہیں جن کی اپنی کھیتی تھی، اور وہ پانی کی نالیوں کے اطراف میں چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں جمعہ کے دن سہل بن سعدؓ اور بعض دیگر صحابہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ ان کو کھلاتیں [2]

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء اپنا ابتدائی حال بیان کرتی ہیں کہ حضرت زبیرؓ سے میرا بیاہ ہو چکا تھا۔ لیکن ان کے پاس ایک پانی لادنے والے اونٹ اور ایک گھوڑے کے سوا نہ کسی قسم کا کوئی مال تھا نہ خادم اور نہ دوسری چیز۔ میں خود ہی ان کے

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب، باب قولہ لا تدخلوا بیوت النبی الخ مسند احمد ج ۶ ص ۵۶

[2] بخاری، کتاب الجمعہ، باب قولہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ۔

گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی پلاتی اور اس کا ڈول بھرتی (گھر کا کام کاج بھی مجھ ہی کو کرنا پڑتا چنانچہ) مجھے خود ہی آٹا گوندھنا اور روٹی پکانی پڑتی۔ میں روٹی اچھی نہیں پکا سکتی تھی۔ پڑوس میں انصار کی کچھ عورتیں تھیں جو اپنی دوستی میں بڑی مخلص ثابت ہوئیں، وہ میری روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک زمین کاشت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھی تھی۔ میں اس زمین سے کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھی۔ ایک دن میں اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیوں کی ٹوکری لئے آرہی تھی کہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ آپؐ نے مجھے بلایا تاکہ اپنی سواری کے پیچھے بٹھالیں۔ لیکن چونکہ آپؐ کے ساتھ انصار کے بعض افراد بھی تھے اس لئے مجھے مردوں کے ساتھ چلنے میں شرم محسوس ہوئی ساتھ ہی حضرت زبیر بھی یاد آگئے کہ وہ انتہائی غیور انسان ہیں، اس کو پسند نہیں کریں گے۔ چنانچہ میں پس و پیش کرنے لگی تو حضورؐ نے بھانپ لیا اور آگے بڑھ گئے۔[1]

تجارت

خواتین کی تعلیم و تربیت اور اس کے نتائج کے تحت ایک سبزی فروش باندی کا تذکرہ آچکا ہے۔

قیلہؓ نامی ایک صحابیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "اِنِّیْ اِمْرَأَۃٌ اَبِیْعُ وَاَشْتَرِیْ" میں ایک عورت ہوں جو مختلف چیزوں کو بیچتی اور خریدتی رہتی ہوں، (یعنی تاجر ہوں) اور پھر آپ سے خرید و فروخت سے متعلق مسائل دریافت کئے۔[2]

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲۸

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ اسماء بنت مخرمہؓ کو ان کے لڑکے عبداللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر روانہ کرتے تھے اور وہ اس کا کاروبار کرتی تھیں۔[1]

عمرہ بنت طبیخ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ اپنی لونڈی کے ساتھ بازار جاکر میں نے مچھلی خریدی اور اس کو جھولے میں رکھا (لیکن چونکہ جھولا چھوٹا تھا) اس لئے مچھلی کا سر اور دُم باہر نکلی ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کا ادھر سے گذر ہوا تو دیکھ کر پوچھا کتنے میں خریدی ہے؟ یہ تو بہت بڑی بھی ہے اور نفیس بھی، اس سے گھر کے سب لوگ سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔[2]

صنعت وحرفت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی صنعت وحرفت سے واقف تھیں۔ اس کے ذریعہ اپنے اور اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:-

إِنِّي امْرَأَةٌ ذَاتُ صَنْعَةٍ أَبِيعُ مِنْهَا وَلَيْسَ لِي وَلَا لِزَوْجِي وَلَا لِوَلَدِي شَيْءٌ

میں ایک کاریگر عورت ہوں، چیزیں تیار کرکے فروخت کرتی ہوں (اس طرح میں تو کما سکتی ہوں لیکن) میرے شوہر اور بچوں (کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اس لئے) ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔

اور دریافت کیا کہ کیا وہ ان پر خرچ کر سکتی ہیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں!

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲۰ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرۂ ربیع بنت معوذ۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۲

تم کو اس کا اجر ملے گا۔ [1]

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے۔ خولہ بنت ثعلبہؓ سے ان کے شوہر نے ایک مرتبہ غیر ارادی طور پر کہہ دیا کہ آج سے تمہاری حیثیت میری ماں کی سی ہے۔ بعد میں دونوں مسئلہ دریافت کرنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک اس مسئلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے شوہر کو حکم دیا کہ اجازت ملنے تک تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ یہ سن کر بیوی نے کہا:

یَا رَسُولَ اللّٰہِ مَالَہٗ مِنْ شَیْءٍ	اللہ کے رسول! ان کے پاس تو خرچ کے لئے
وَمَا یُنْفِقُ عَلَیْہِ إِلَّا أَنَا۔ [2]	کچھ بھی نہیں ہے، میں ہی ان پر خرچ کرتی ہوں

(پھر وہ مجھ سے الگ رہ کر کس طرح زندگی گذار سکتے ہیں؟)

حقوق کی حفاظت

اسلامی معاشرہ نے عورت کو جو حقوق و مراعات عطا کئے ہیں ان سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا ہے اور جہاں کہیں دیکھا کہ اس کے حقوق تلف کئے جا رہے ہیں یا اس پر کسی قسم کی زیادتی ہو رہی ہے تو اس نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے پوری بصیرت کے ساتھ جدوجہد بھی کی ہے اور اسلامی قانون نے ایسے تمام مواقع پر اس کو کامیاب بنایا ہے۔

ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مالدار شخص سے کرا دیا۔ لیکن لڑکی اس کو پسند نہیں کر رہی تھی۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

---

[1] ایضاً ص ۲۱۲، والمعنی موجود فی الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج ۴ ص ۳۱۲ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷۶

اِنَّ اَبِیْ زَوَّجَنِیْ ابْنَ اَخِیْهِ لِیَرْفَعَ بِیْ خَسِیْسَتَهٗ۔

میرے والد نے میری شادی اپنے ایک دولتمند بھتیجے سے کردی ہے تاکہ مجھ کو پھنسا کر اپنی کشائش کا سامان کریں۔

آپ نے فرمایا اگر تجھ کو یہ عقد پسند نہیں ہے تو تو آزاد ہے۔ اس نے کہا،

قَدْ اَجَزْتُ مَا صَنَعَ اَبِیْ وَلٰکِنْ اَرَدْتُّ اَنْ تَعْلَمَ النِّسَآءُ اَنْ لَیْسَ لِلْاٰبَاءِ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ[1]

میرے والد نے جو اقدام کیا ہے میں اس کو بحال کرتی ہوں لیکن میں چاہتی ہوں کہ عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی مرضی کے خلاف باپوں کو ان کے نکاح کا حق نہیں ہے۔

یہ گویا ایک عورت کا اپنے باپ کی زیادتی کے خلاف کامیاب احتجاج تھا۔

بریرہؓ ایک لونڈی تھیں جن کا نکاح مغیث نامی ایک غلام سے ہوا تھا۔ ایک عرصہ بعد بریرہؓ آزاد ہو گئیں تو انہوں نے مغیثؓ کے نکاح میں رہنے سے انکار کر دیا کیونکہ اصولِ شریعت کے تحت آزاد عورت کا غلام کے عقد میں رہنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن مغیث بریرہؓ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ بریرہؓ کے اس فیصلہ کے بعد زار و قطار روتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے۔ رحمتِ عالم نے یہ منظر دیکھ کر بریرہؓ سے کہا:۔

یَا بَرِیْرَۃُ اتَّقِی اللّٰہَ فَاِنَّهٗ زَوْجُكِ وَاَبُوْ وَلَدِكِ

بریرہؓ، خدا سے ڈر اور اس کی محبت و بے قراری کا خیال کر، وہ کل تک تیرا شوہر رہا ہے اور اس سے اولاد بھی ہو چکی ہے۔

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۶ ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب من زوج ابنتہ وہی کارہتہ۔

بریرہؓ نے دریافت کیا "اَتَأمُرُنِی بِذَالِکَ" کیا آپ مجھے اس کی بیوی بنے رہنے کا حکم دے رہے ہیں! آپؐ نے جواب دیا "لا اِنَّمَا اَنَا شَافِعٌ" نہیں! میں اس کا حکم کیسے دے سکتا ہوں، میں تو تم سے سفارش کر رہا ہوں۔ اس نے کہا "فَلا حَاجَةَ لِی فِیْهِ" تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے[1]

غور کیجیے! اسلامی حکومت کی لونڈی، ایک تو یہ کہ اس نازک فرق کو اچھی طرح سمجھتی تھی جو نبی کے حکم اور سفارش کے درمیان ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کو مکمل یقین تھا کہ وہ صحیح طریقہ پر اپنے حق کے لئے جو سعی کرے گی، قانون اس کو ناکام نہیں ہونے دے گا۔

دورِ رسالت میں خواتین، نماز میں شرکت کے لئے مسجد میں آتی تھیں لیکن بعض اسباب کے تحت حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ گھروں سے باہر ان کی آمد و رفت مناسب نہیں ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کی اجازت حاصل تھی۔ اس لئے قانوناً کوئی پابندی بھی لگانا نہیں چاہتے تھے۔ خود حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہؓ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر جماعت میں شریک ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا "وَاللّٰہِ اِنَّکِ لَتَعْلَمِیْنَ اَنِّیْ مَا اُحِبُّ هٰذَا" قسم خدا کی تم جانتی ہو کہ تمہارا یہ فعل مجھے پسند نہیں ہے لیکن اس کے باوجود تم اس سے باز نہیں آتیں، انہوں نے جواب دیا "وَاللّٰہِ لَا اَنْتَهِیْ حَتّٰی تَنْهَانِیْ" واللہ جب تک آپ مجھے مسجد جانے سے حکماً نہیں روکیں گے

---

[1] بخاری کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرۃ۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فی مملوکۃ تعتق الخ

میں رکوں گی نہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کی زندگی بھر اپنا طریقہ نہیں چھوڑا۔ جس دن مسجد میں حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اس دن بھی وہ وہاں موجود تھیں۔[1]

بالفاظ دیگر عاتکہؓ حضرت عمرؓ سے یہ کہہ رہی ہیں کہ بحیثیت ایک شوہر کے آپ کو یہ حق ہے کہ مجھے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ دیں اور مجھ پر اس کی اتباع بھی ضروری ہوگی۔ لیکن جہاں تک آپ کی خواہش کا تعلق ہے میں اس کی پابند نہیں ہوں۔ یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ عاتکہؓ کا یہ عمل قابلِ ستائش تھا یا نہیں۔ اس وقت جس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے، وہ ہے ایک عورت کا اپنے معمولی سے حق پر اصرار اور اس کی کامیابی۔ عاتکہؓ شریعت کی ایک رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں لیکن اسے بہتر نہ سمجھنے کے باوجود حضرت عمرؓ کو یہ گوارا نہیں کہ ان کو زبردستی اس سے محروم کر دیں۔ حالانکہ آپ، عاتکہؓ کے شوہر اور اس سے بھی آگے یہ کہ خلیفۂ وقت تھے اس لئے آپ کو بجا طور پر اس کا حق تھا کہ بیوی کے جس عمل کو خلافِ مصلحت دیکھیں اس پر قدغن لگا دیں۔ اس معمولی سے واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورت کے حقوق کا کتنا اور کہاں تک احترام کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی ازواجِ مطہرات نے ایک مرتبہ بہتر اور خوش حال زندگی کا مطالبہ کیا چونکہ یہ مطالبہ ان کی حیثیت سے فروتر اور خود آپ جس طرزِ زندگی کو اپنائے ہوئے تھے اس کے منافی تھا۔ اس لئے آپؐ کو

---

[1] بخاری کتاب الجمعہ، باب ہل علی من لم یشہد الجمعۃ غسل الخ مع فتح الباری ج ۲ صـ ۲۹۱ ۔

سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے ازواج سے ایک مہینہ تک قطع تعلق کا فیصلہ کرلیا اسکی اطلاع جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ملی تو بے حد پریشان ہوئے اور اپنی صاحبزادیوں (حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ) کو سختی اور نرمی ہر طرح سے سمجھایا کہ تمہارا یہ تقاضا صحیح نہیں ہے ۔ اس کے بعد دیگر ازواجِ مطہرات کو بھی سمجھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا:۔

مَا لَكُمَا وَلِمَا هٰهُنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَعْلٰى بِاَمْرِنَا عَيْنًا وَلَوْ اَرَادَ اَنْ يَنْهَانَا لَنَهَانَا فَمَنْ نَسْأَلُ اِذَا لَمْ نَسْأَلْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ يَدْخُلُ بَيْنَكُمَا وَبَيْنَ اَهْلِيْكُمَا اَحَدٌ فَمَا نُكْرِكُمَا هٰذَا[1]

آپ حضرات کا یہاں کیا کام ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر آپ ہمیں منع کرنا چاہیں تو منع کر سکتے ہیں (پھر ہم مطالبہ نہیں کریں گے) اگر ہم رسول اللہ سے مطالبہ نہ کریں تو کس سے کریں؟ کیا آپ حضرات اور آپ کی بیویوں کے معاملات میں بھی کوئی شخص اسی طرح مداخلت کرتا ہے؟ آپ تشریف لے جائیں، ہم آپ کو اس کی تکلیف نہیں دے رہے ہیں۔

دیکھیے خاوند اور بیوی کے تعلقات کے درمیان حضرت ام سلمہؓ بڑے سے بڑے آدمی کی مداخلت کو بھی گوارا نہیں کر رہی ہیں اور شوہر سے جائز راحت د

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۱۲۹ صحیح مسلم کتاب الطلاق اور ابن سعد کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت عمرؓ نے ام سلمہؓ سے ملاقات کی تھی لیکن چونکہ مذکورہ بالا روایت میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی ذکر ہے اور ساتھ ہی اس سے ام سلمہؓ کا جواب واضح طور پر سامنے آگیا ہے اس لئے ہم نے اسی کو درج کیا ہے۔

آسائش کے مطالبہ کا ہر عورت کو حق دینا چاہتی ہیں۔

اجتماعی مفاد کے لئے کوشش

ان واقعات سے یہ استدلال تو صحیح ہوگا کہ اسلامی معاشرہ عورت پر ظلم و زیادتی کو بہرے کانوں سے نہیں سنتا اور اندھی آنکھوں سے نہیں دیکھتا بلکہ وہ اس کے حقوق کا پاسبان و محافظ ہوتا ہے اور عدل و انصاف کے لئے اس کی ہر صدا کا جواب دینا اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ چودہ سو سال قبل کی اسلامی ریاست میں، جسے ہم نمونتہً پیش کرتے ہیں، عورت کو ہر وقت ایک ظالم حریف سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور اس نے اپنی زندگی اس کے جور و ستم کے مٹانے میں لگا دی۔ کیونکہ یہ ایسا نتیجہ ہے جس سے اسلامی تاریخ انکار کرتی ہے۔ اس نے ثابت کر دیا ہے کہ اپنے مفاد کے لئے جنگ اسلامی معاشرہ کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور متصادم طبقات اور گروہوں کے بجائے ایسے افراد کا مجموعہ تھا جن کے درمیان الفت و محبت کا رشتہ قائم تھا۔ اس کے خلاف اگر کوئی واقعہ ملتا ہے تو اسے کسی کو ضرر رسانی کی بالارادہ کوشش نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اس کی حیثیت اتفاقی حادثہ اور غیر شعوری لغزش سے زیادہ کچھ نہیں ہوگی۔ اس کا ثبوت ہمیں ان بے شمار خدمات سے ملتا ہے، جو خواتین نے معاشرہ کے مفاد اور اس کے بقاء و تحفظ کے لئے انجام دی ہیں۔ ان خدمات کے پیچھے شخصی منفعت کے بجائے جماعت کی خیر خواہی اور اس کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ کار فرما رہا ہے۔ اس کا ثبوت آپ کو آئندہ باب میں ملے گا۔

اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں عورت کا حصّہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے دین کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ اس کے لئے انہوں نے قریب ترین تعلقات اور رشتوں پر چھری پھیر دی۔ خاندان اور قبیلہ سے جنگ مول لی مصیبتیں سہیں، گھربار چھوڑا۔ غرض یہ کہ مفادِ دین سے ان کا جو بھی مفاد ٹکرایا اسے ٹھکرانے میں انھوں نے کوئی تامل اور پس پیش نہیں کیا اور آخری وقت تک، اپنے رب سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا۔ اس پر کوئی آنچ نہ نہ آنے دی۔

مسلمان خواتین کی قربانیاں

مکہ کے ابتدائی دور میں جن سعادت مند اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی تھا۔ ان کی والدہ ابو حذیفہ بن مغیرہ کی باندی تھیں، ان کو دین سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کی اذیت دی جاتی رہی یہاں تک کہ ابوجہل نے جرم حق کی پاداش میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ یہ پہلی شہادت تھی جو حضورؐ کے پیغام پر لبیک کہنے کے نتیجہ میں کسی کو نصیب ہوئی۔[1]

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۹۳

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب ایمان لے آئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو اس قدر زدو کوب کیا کہ لہولہان ہوگئیں لیکن اس کے باوجود اپنے مولیٰ سے جو عہدِ وفا باندھا تھا۔ اس میں کوئی کمزوری نہ آنے پائی۔ حضرت عمرؓ کی سختی کے جواب میں کہتی ہیں:۔

یا ابن الخطاب ما کنت صانعاً فاصنعہ فانی قد اسلمت۔	ابن خطاب! میں تو ایمان قبول کر چکی اب جو چاہو کر گذرو (میں اس سے پھر نہیں سکتی)

حضرت عمرؓ نے قرآن کو ہاتھ میں لینا چاہا تو کہا:۔

دعنا عنک یا ابن الخطاب انت لاتغسل من الجنابۃ وھذا لایمسہ الا المطھرون[1]	ابن خطاب! اس کو رکھ دو کیونکہ تم جنابت سے پاکی نہیں حاصل کرتے اور یہ وہ کتاب ہے جس کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

ابوسفیان کے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے تو اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہؓ سے بھی ملنے گئے۔ گھر میں ذاتِ اقدس کا بستر بچھا ہوا تھا وہ اس پر بیٹھنے لگے تو بیٹی نے فوراً اس کو تہہ کر دیا۔ باپ کے لئے یہ حرکت سخت تعجب خیز تھی۔ پوچھا کیا تم نے اس کو میرے شایانِ شان نہ سمجھ کر اٹھا دیا یا مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اس پر بیٹھوں، بیٹی نے جواب دیا۔ یہ رسولِ خدا کا بستر ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں۔ میں اس مقدس

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۹-۶۰ امام ذہبی نے اس روایت کی سند پر جرح کی ہے لیکن مختلف محدثین و مورخین نے اس واقعہ کو کئی ایک سندوں سے نقل کیا ہے بعض حوالے حافظ ابن حجرؒ نے بھی نقل کئے ہیں ملاحظہ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴ ص ۳۸۰۔

بستر پر آپ کو بٹھا کر اس کو پلید کرنا نہیں چاہتی۔[1]

قرآن مجید کا حکم ہے کہ خدا کے دشمنوں اور محاربین سے اہلِ ایمان کو کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔ ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ کی مشرک والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تحفے تحائف لئے ہوئے مکہ سے مدینہ ان کے گھر آئیں، حضرت اسماءؓ نے ماں کے تحفوں کو قبول کرنے بلکہ ان کو اندر آنے کی اجازت دینے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوایا کہ کیا میں ان کو اپنے گھر ٹھہرا سکتی ہوں؟ اور یہ کہ وہ مجھ سے مدد اور ہمدردی کی توقع رکھتی ہیں۔ کیا ان کے ساتھ تعاون اور حُسنِ سلوک میرے لئے جائز ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا ہاں! تمہارے لئے یہ دونوں باتیں جائز ہیں۔[2]

رقیقہ بنت ابی صیفیؓ نے مکہ کے نازک ترین دور میں صدائے حق پر لبیک کہی تھی۔ قریش نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، تو انھوں نے ہی آپ کو قبل از وقت متنبہ کیا کہ آپ پر شبخون مارنے کا فیصلہ ہو چکا ہے لہٰذا آپ اپنی حفاظت کا سامان فرمالیجیے، چنانچہ آپ راتوں رات مکہ سے مدینہ ہجرت فرما گئے۔

یہ ایمان لا چکی تھیں لیکن ان کے لڑکے مخرمہ ابھی حالتِ کفر ہی پر قائم تھے اپنی اولاد ہونے کی وجہ سے مومن ماں نے بیٹے کی اس بے دینی کی روش کو نفسی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰ [2] بخاری، کتاب الادب، باب صلۃ الوالد المشرک، طبقات ج ۸ ص ۱۸۴، امام بخاری اور ابن سعد میں سے ہر ایک نے واقعہ کا صرف ایک ایک پہلو بیان کیا ہے ہم نے دونوں کی روایات کو سامنے رکھا ہے۔

خوشی برداشت نہیں کیا بلکہ ماں کی مامتا پر ہمیشہ جذبات ایمانی غالب رہے اور محرمہ کے ساتھ انتہائی سخت روش روا رکھی[۱]

جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی میں حصہ لیا ان میں مسطحؓ بن اثاثہ بھی تھے، ان کی ماں کے ایمانی تقاضوں نے اس کی اجازت نہ دی کہ بیٹے کی اس غلط حرکت کو گوارا کرلیں یا کم از کم تاویل و توجیہ کے پردوں میں اس کو چھپا دیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔

کانت من اشد الناس علی مسطح حین تکلم مع اھل الافک فی عائشۃ[۲]	مسطح نے جب حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی کرنے والوں کے ساتھ تہمت باندھنے میں حصہ لیا تو یہ ان پر اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ان کے اس غیر شرعی اور ناروا عمل پر پیچ و تاب کھاتی اور غم و غصہ کا اظہار کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ باہر سے گھر آرہی تھیں کہ پیر میں چادر الجھ گئی تو ایک دم وہی اندرونی جذبات ابھر آئے اور بیٹے کو بد دعا دینے لگیں حضرت عائشہؓ کو اس وقت تک مسطح کی اس حرکت کا علم نہیں تھا اس لئے وہ مدافعت کرنے لگیں، تو انہوں نے ان افواہوں کا ذکر کیا جو مدینہ کی فضا میں گشت کر رہی تھیں[۳]

جنگی خدمات اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ شریعت نے ریاست کے دفاع اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی ہے۔

۱؎ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۶۲ ۲؎ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۶۲ ۳؎ بخاری کتاب المغازی، باب حدیث الافک۔

لیکن اس کے باوجود خدا کے دین کو سربلند دیکھنے کی تمنّا اس کو دشمن کے خلاف محاذ جنگ پر لے آتی اور مردوں کے ساتھ وہ بھی کفر کا علم سرنگوں کرنے میں حصہ لیتی۔

ایک انصاری صحابیہ امّ عمارہؓ نے جنگ اُحد میں مردوں کی سی ثبات قدمی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا۔ سعد بن ربیع کی صاحبزادی امّ سعد نے ان سے اس کارنامہ کے متعلق دریافت کیا تو تفصیل سے بتایا کہ میں صبح سویرے ہی مجاہدین کی خدمت کے لئے میدان کارزار میں پہنچ گئی تھی۔ ابتدا میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا لیکن بعد میں جب فتح و نصرت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو ان میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر آپؐ کی مدافعت میں تیر اور تلوار چلانے لگی یہاں تک کہ دشمن کی ضرب مجھ پر آن پڑی۔

امّ سعد کہتی ہیں کہ میں نے ان کے کندھے پر بہت ہی گہرے زخم کا نشان دیکھا اور پوچھا کس نے آپ پر اتنا سخت حملہ کیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا ابن قمیہ نے! خدا اسے غارت کرے! جب مسلمان شکست کھا کر حضورؐ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ چلاتا ہوا آیا، بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے؟ اگر وہ اس جنگ میں بچ گیا تو میری نجات نہیں۔ یہ میری ہلاکت اور موت ہے۔ یہ سن کر میں اور مصعب بن عمیرؓ اور چند دوسرے اصحاب نے جو آپ کے ساتھ جمے ہوئے تھے اس کا سامنا کیا اس مقابلہ میں اس نے مجھ پر یہ وار کیا جس کا نشان تم دیکھ رہی ہو۔ میں نے بھی تلوار سے کئی ایک حملے اس پر کئے۔ لیکن دشمن خدا دو دو زرہیں پہنے ہوئے تھا[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں انھوں نے جس ہمّت اور پامردی کا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۲۹ و ۳۰ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۱۔

ثبوت دیا اس کی شہادت خود آپؐ نے ان الفاظ میں دی ہے۔

مَا الْتَفَتُّ یَمِیْنًا وَّلَا شِمَالًا اِلَّا وَ اَنَا | دائیں بائیں جس طرف بھی میں نے رُخ کیا اُمّ
اَرَاھَا تُقَاتِلُ دُوْنِیْ | عمارہؓ کو میری مدافعت میں لڑتے دیکھا۔

ان کے صاحبزادے کو ایک شخص نے گھائل کر دیا جب اس کا اِدھر سے گزر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اُمّ عمارہ! یہ ہے تمہارے بیٹے کو زخمی کرنے والا! اور یہ اس پر ٹوٹ پڑیں اور اتنی زور سے تلوار چلائی کہ وہ وہیں گر پڑا۔ حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، اُمّ عمارہ تم نے اپنے بیٹے کا بدلہ لے لیا۔ خود کہتی ہیں، اس کے بعد ہم مسلسل تیر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ اس کو ختم کر کے چھوڑا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ خدا کا شکر کہ اس نے تجھ کو اس پر غلبہ عطا کیا اور تیری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی اور تیرے لڑکے کا بدلہ تجھ کو دکھایا۔

ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک شہسوار آگے بڑھتے ہوئے آیا اور مجھ پر وار کیا۔ میں نے ڈھال پر اس کو روک کر ناکام بنا دیا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگا تو میں نے اس کے گھوڑے پر حملہ کر کے اس کے پیر کاٹ دیئے اور وہ پشت کے بل گر پڑا۔ حضورؐ اس کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپؐ نے میرے لڑکے کو آواز دی۔ اُمّ عمارہ کے بیٹے! جاؤ اپنی ماں کی مدد کرو۔ چنانچہ وہ دوڑتا ہوا آیا، اور اس کی مدد سے میں نے اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اس دن ان کے جماؤ اور ثابت قدمی کو دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا:۔

لَمَقَامُ نُسَیْبَۃَ بِنْتِ کَعْبٍ اَلْیَوْمَ | آج نسیبہ بنت کعب (امّ عمارہ) کی ثابت
خَیْرٌ مِّنْ مَقَامِ فُلَانٍ وَّ فُلَانٍ | قدمی اور استقلال فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔

ذرا اس جرأت و ہمت کو دیکھیے کہ بدن پر نیزے اور شمشیر کے، ایک دو نہیں، بارہ زخم آچکے ہیں اور ابن قمئہ نے جو وار کیا تھا وہ اتنا گہرا تھا کہ اس کے بھرنے ہی میں ایک سال لگ گیا لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے احد کے فوراً ہی بعد مشرکین کے مقابلہ کے لئے حمراء الاسد نامی مقام کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ تو یہ کمربستہ ہو گئیں۔ لیکن کافی خون نکلنے کی وجہ سے اس قدر کمزور ہو چکی تھیں کہ مجبوراً نہیں چل سکیں اور مدینہ لوٹ گئیں۔ حضورؐ حمراء الاسد سے واپس ہوئے تو قبل اس کے کہ گھر تشریف لے جاتے۔ ان کی مزاج پرسی کرائی۔ جب خیریت معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے۔

احد کے علاوہ انہوں نے خیبر، حنین اور یمامہ کی جنگ میں بھی شرکت کی تھی۔ یمامہ کے دن لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شہید ہو گیا اور اس کے علاوہ تلوار اور نیزوں کے بارہ زخم ان پر دیکھے گئے[1]

رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ میں عکرمہؓ بن ابوجہل کی بیوی اُمّ حکیمؓ شریک تھیں۔ اجنادین کی لڑائی میں عکرمہؓ شہید ہو گئے، چند دن بعد مرج صفر نامی ایک مقام پر ان کا نکاح خالدؓ بن سعیدؓ سے ہو گیا۔ نکاح کے دوسرے دن خالد بن سعیدؓ نے دعوت ولیمہ کی، ابھی لوگ دعوت سے فارغ ہونے بھی نہ پائے تھے کہ رومیوں نے صف بندی شروع کر دی۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو اُمّ حکیمؓ، جن پر اب تک شب عروسی کے آثار نمایاں تھے اپنے خیمے کا ایک ڈنڈا

---

[1] ان تمام تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۸ صفحہ ۳۰۱ تا صفحہ ۳۰۴۔ یمامہ میں شرکت کا ذکر ابن عبدالبر نے بھی الاستیعاب میں کیا ہے۔

لے کر میدان میں کود پڑیں اور دشمن کے سات افراد کو اس دن موت کے گھاٹ اتار دیا۔[1]

اسماء بنت یزید کے ہاتھ سے جنگ یرموک میں نو رومیوں کو موت کا پیالہ پینا پڑا۔[2]

ایک انصاری خاتون امّ حارث کی ثابت قدمی اور شجاعت دیکھیے کہ جنگ حنین میں اسلامی فوج کے قدم میدان سے اکھڑ چکے ہیں لیکن یہ چند باہمت نفوس کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی ہوئی ہیں۔[3]

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ خنجر لئے ہوئے احد میں آئی تھیں۔[4] حنین میں بھی ان کے پاس خنجر تھا۔ اس طرح مسلح ہو کر آنے کا مقصد حضورؐ نے دریافت فرمایا تو جواب دیا:۔

اِتَّخَذْتُهُ اِنْ دَنَا مِنِّیْ اَحَدٌ	میں نے اس کو اس لئے ساتھ رکھا ہے تاکہ
مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ بَقَرْتُ بِهٖ	اگر کوئی مشرک قریب ہو تو اس سے اس کا
بَطْنَهٗ[5]	پیٹ چاک کر دوں۔

رومیوں میں جہاد میں شہرت رکھنے والی نامور شخصیت، حبیب بن سلمہؓ سے ان کی بیوی نے ایک جنگ کے موقع پر دریافت کیا۔ بتایئے! کل آپ کہاں ہوں گے؟ جواب دیا یا تو دشمن کی صفوں کے اندر یا جنت میں۔ انشاء اللہ

---

[1] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ ام حکیم [2] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۴ ص ۲۳۵

[3] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ ام حارث [4] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۱۱

[5] مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

جواب سُن کر بیوی نے بھی پورے عزم کے ساتھ کہا ان دونوں جگہوں میں سے جہاں بھی آپ ہوں گے ، مجھے توقع ہے کہ میرا مقام بھی وہی ہو گا ۔[۱]

غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو ایک قلعہ میں رکھا تھا تاکہ وہ محفوظ رہ سکیں لیکن اس کے باوجود یہود تاک لگائے مسلسل قلعہ کے گرد چکّر لگا رہے تھے ، چنانچہ بالآخر ایک یہودی موقع پا کر قلعہ پر چڑھ ہی گیا ۔ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ قلعہ کے اندر موجود تھیں وہ آگے بڑھیں اور اس بدباطن کا سر قلم کر کے نیچے ، جہاں دوسرے فتنہ باز موجود تھے ، پھینک دیا ۔ یہ دیکھ کر وہ بالکل حیران اور ششدر رہ گئے اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا غافل نہیں ہے کہ عورتوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دے ۔ قلعہ میں یقیناً ایسے جری اور شجاع ہیں جو ہمارے ہر ارادہ کو ناکام بنا سکتے ہیں ۔[۲]

دشمنانِ دین کو ناکام بنانے میں عورت نے جتنا براہ راست حصّہ لیا ہے اس سے کہیں زیادہ بالواسطہ باطل کی قوتوں کا مقابلہ کرتی رہی ہے ۔ اگر اس نے محاذِ جنگ پر تیر نہیں چلائے ہیں تو دشمن پر ناوک فگنی کرنے والے ہاتھوں کو ناوک فراہم کئے ہیں ۔ اگر اس نے تلوار نہیں اٹھائی ہے تو تیغ زنوں کو تیغ زنی کے قابل بنایا ہے ۔ خدا کی راہ میں لڑنے والے زخمی ہوتے تو یہ ان کا مرہم بن جاتی ، وہ گر پڑتے تو یہ ان کا سہارا ہوتی ۔ وہ بھوکے اور پیاسے ہوتے تو یہ ان کے لئے کھانا اور پانی لئے دوڑتی ۔

ربیع بنت معوذ کا بیان ہے :

---

[۱] البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۰۸ ۔ [۲] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۰ - ۵۱ ۔

كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَسْقِي الْقَوْمَ وَنَخْدِمُهُمْ وَنَرُدُّ الْقَتْلٰى وَالْجَرْحٰى اِلَى الْمَدِيْنَةِ[۱]

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد پر جاتی تھیں اور دہماری خدمات یہ ہوتی تھیں کہ) مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ ان کی خدمت کرتیں اور جنگ میں کام آنے والوں اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹاتیں۔

ایک اور صحابیہ جو حضورؐ کے ساتھ چھ غزوات میں شریک ہوئی تھیں بیان کرتی ہیں :۔

كُنَّا نُدَاوِى الْكَلْمٰى وَنَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى[۲]

ہم زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کا علاج معالجہ اور ان کی تیمارداری کرتی تھیں۔

ام عطیہؓ اپنے متعلق فرماتی ہیں :۔

غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَاَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَاُدَاوِى الْجَرْحٰى وَاَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے سات غزوات میں شرکت کی، وہاں میں مجاہدین کے سامان کی نگہداشت کرتی۔ ان کے ساتھ کھانا تیار کرتی۔ زخمیوں کا علاج اور بیماروں کی تیمارداری کرتی۔

احد کے مجروح مجاہدین کی مرہم پٹی اور خدمت کے لئے بہت سی صحابیات

---

[۱] بخاری کتاب الجہاد، باب ردّ النساء الجرحیٰ والقتلیٰ [۲] مسند احمد ج ۵ ص ۸۴ بخاری کتاب الحیض، باب شہود الحائض العیدین [۳] مسلم کتاب الجہاد والسیر، باب النساء الغازیات الخ، مسند احمد ج ۵ ص ۸۴ واللفظ لمسلم۔

جنگ کے بعد مدینہ سے گئی تھیں، طبرانی کی روایت ہے :-

لما کان یوم احد وانصرف المشرکون خرج النساء الی الصحابۃ یعینونہم فکانت فاطمۃ فی من خرج [1]	جس دن احد کی جنگ ہوئی (اور جنگ کے بعد) مشرکین واپس ہو گئے تو خواتین صحابہ کی معاونت کے لئے روانہ ہوئیں، حضرت فاطمہ رضؓ بھی ان ہی میں تھیں۔

چنانچہ حضورؐ اس دن زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہؓ ہی نے اسے چٹائی کی راکھ سے بھرا تھا۔[2]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جنگ اُحد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ نے بھی مجاہدین کی خدمت کی تھی :-

لقد رأیت عائشۃ بنت ابی بکر وام سلیم وانہما لمشمرتان اری خدم سوقہما تنقزان القرب علیٰ متونہما ثم تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملآنہا ثم تجیئان فتفرغانہ فی افواہ القوم [3]	میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور ام سلیم کو کمربستہ (لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے) دیکھا وہ اس قدر تیزی سے دوڑ دھوپ کر رہی تھیں کہ میں نے ان کی پنڈلیوں پر کے پازیب دیکھے، وہ اپنی پشت پر پانی سے بھرے ہوئے مشک لاد لاد کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پلاتیں پھر واپس جاتیں اور بھر کر لاتیں اور مجاہدین کی تشنگی دور کرتیں۔

---

[1] فتح الباری ج ۷، صفحہ ۲۸۶ ، [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد باب ما اصاب النبی صلعم من الجراح یوم احد [3] بخاری کتاب المغازی، غزوۂ احد باب اذ ہمت طائفتان الخ مسلم کتاب الجہاد والسیر۔

ایک انصاری خاتون ام سلیطؓ کے متعلق حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :۔

انها کانت تزفر لنا القرب یوم احد[1]	احد کے دن وہ ہمارے لئے پانی سے بھرے ہوئے مشک اٹھا کر لاتی تھیں۔

حمنہ بنت جحشؓ نے بھی اس دن یہ خدمت انجام دی ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے :۔

وقد کانت حضرت احداً تسقی العطش وتداوی الجرحی[2]	احد میں وہ موجود تھیں۔ پیاسوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں

اُمّ ایمن کے حالات میں بھی ابن سعد نے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

وقد حضرت ام ایمن احداو کانت تسقی الماء وتداوی الجرحی وشھدت خیبر مع رسول الله صلی الله علیه وسلم[3]	وہ احد میں شریک تھیں اور پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ حضورؐ کے ساتھ خیبر میں بھی وہ گئی تھیں۔

اُمِّ عمارہؓ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے :۔

خرجت معهم تبتن لها فی اول النهار ترید ان تسقی الجرحی (وتقاتل ابنه) ومعها عصائب فی حقویها تد اعدتها للجراح	زخمیوں کی امداد کرنے اور (ان کو) پانی پلانے کے ارادے سے مجاہدین کے ساتھ وہ سویرے ہی میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئی تھیں۔ ان کے صاحبزادے

---

[1] بخاری کتاب الجهاد، باب حمل النساء القرب [2] الطبقات الکبیر ج ۸ صـ۱۷۵

[3] ایضاً صـ۱۶۳

فربطت جرحی [۱] | کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹیاں تھیں جو مجروحین کی مرہم پٹی کے لئے انھوں نے تیار کر رکھی تھیں چنانچہ انھوں نے میرے زخم کو بھی ایک پٹی سے باندھا۔

جنگ خیبر کے سلسلہ میں مورخ ابن اسحاق نے صراحت کی ہے:۔

وقد شهد خیبر مع رسول الله نساء من نساء المسلمین [۲] | خیبر میں حضورؐ کے ساتھ مسلمان خواتین میں سے بہت سی خواتین نے شرکت کی۔

حشرج بن زیاد کی دادی، اور پانچ اور عورتیں بھی اس جنگ میں گئی تھیں۔ انھوں نے حضورؐ سے آنے کا مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا:۔

یا رسول الله خرجنا نغزل الشعر ونعین به فی سبیل الله ومعنا دواء للجرحی ونناول السهام ونسقی السویق [۳] | اے اللہ کے رسول! ہم اس لئے آئی ہیں کہ صوف بنیں گی اور اس کے ذریعہ اللہ کی راہ میں مدد کریں گی، ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوا ہے۔ ہم تیر اندازوں کو تیر فراہم کریں گی اور ضرورت پر مجاہدین کو ستو گھول کر پلائیں گی۔

خیبر ہی میں ابورافعؓ کی بیوی سلمیٰؓ [۴]، قبیلہ اشہل کی ایک خاتون ام عامرؓ [۵]، ایک انصاری عورت ام خلادؓ [۶] اور کعیبہؓ [۷] بنت سعد کی شرکت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

اس سے اہم تر بات یہ ہے کہ وہ کسی خارجی دباؤ کے تحت یہ خدمات انجام

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳ و ۲۴۳ [۲] سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۳۹۵ [۳] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی المرأة والعبد یحذیان۔ [۴] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب۔
[۵] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۳۴ [۶] ایضاً ص ۳۳۶ [۷] ایضاً ص ۲۱۳

نہیں دیتی تھیں بلکہ محافظین دین کی رفاقت اور تعاون کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھ کر خود ہی پیش کش کرتی تھیں۔ اسی جنگ خیبر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہونے لگے تو قبیلۂ غفار کی چند عورتوں نے آکر عرض کیا :-

انا نرید یا رسول اللہ ان نخرج معک الی وجھک ھذا فنداوی الجرحی ونعین المسلمین بما استطعنا [1]

اے اللہ کے رسولؐ، اس مبارک سفر میں، جس پر آپ جا رہے ہیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلنا چاہتی ہیں تاکہ زخمیوں کا علاج کریں اور اپنے بس بھر مسلمانوں کی مدد کریں۔

بعض بعض خواتین میدانِ جنگ سے باہر بھی یہ خدمات انجام دیتی تھیں۔ مثلاً رفیدہ نامی قبیلہ اسلم کی ایک عورت کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ :-

کانت امرأۃ تداوی الجرحی و تحتسب بنفسھا علی خدمۃ من کانت بہ ضیعۃ من المسلمین

زخمی ہونے والوں کی وہ مرہم پٹی کرتی تھیں اور جو مسلمان محتاجِ خدمت ہو تاکہ اگر اسکی ٹھیک سے دیکھ بھال نہ ہو تو ہلاک ہو جائے۔ ثواب کے خیال سے یہ اس کی خدمت کرتیں۔

چنانچہ مسجدِ نبوی میں ان کا خیمہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذ جنگ خندق میں مجروح ہوئے تو حضورؐ نے ان کو رفیدہ ہی کے خیمہ میں منتقل کر دیا تھا تاکہ آپ بآسانی ان کی عیادت کر سکیں۔ [3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ٨ صـ ٢١٤، ابن ہشام ج ٣ صـ ٢٩٥ [2] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ رفیدہ، امام بخاری نے الادب المفرد میں باب کیف اصبحت، صفحہ ٢١٣، ٢١٤ کے تحت اس کا ذکر کیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں بجائے رفیدہ کے کعیبہ نام آیا ہے ج ٨ صـ ٢١٣

دین کی مدافعت اور اس کی ترغیب

دین کی مدافعت، خواتین جس طرح شمشیر و سنان کے ذریعہ کرتی رہی ہیں اسی طرح زبان و بیان سے بھی انھوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ حق کی نصرت وحمایت میں نیزہ اور تلوار بھی بلند کیا ہے اور زبان کی قوت بھی صرف کی ہے۔ ان کی پر جوش خطابت و تقریر نے بہت سوں کے لئے اللہ کی راہ میں مرنا اور جینا اور اپنی متاعِ حیات کا لٹانا آسان بنا دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کے متعلق ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے۔

وکانت بعد تعضد النبیؐ بلسانہا وتحض ابنہا علی نصرتہ و القیام بامرہ[1]	ایمان لانے کے بعد وہ حضورؐ کی معاونت کرتی تھیں اور اپنے لڑکے کو آپؐ کی مدد کرنے اور آپ کے مقصد کو لے کر کھڑے ہونے پر ابھارتی تھیں۔

ان کے لڑکے طلیبؓ مکہ کے ابتدائی دور ہی میں ایمان لا چکے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ جن میں طلیبؓ بھی شامل تھے، نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل، ابولہب، عقبہ اور بعض دوسرے سردار اچانک آ بول بیٹھے اور زبان درازی شروع کر دی۔ صحابہ بھی پورے زور سے اظہارِ ایمان اور اپنی مدافعت کرنے لگے۔ طلیبؓ نے تو آگے بڑھ کر ابوجہل کو بری طرح زخمی کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا۔ بعض لوگ

---

[1] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ اروٰی بنت عبدالمطلب۔

یہ خبر لے کر اروی رضی بنت عبدالمطلب کے پاس پہنچے اور کہا ذرا اپنے بیٹے کی حماقت تو دیکھو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھیر میں آ کر لوگوں کے جور و ستم کا نشانہ بن گیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا:۔

خیرا یام طلیب یوم یذب عن	جس دن طلیب رض اپنے ماموں کے لڑکے کی
ابن خالہ وقد جاء بالحق من	مدافعت میں کھڑا ہو وہ اس کی زندگی کا
عند اللہ تعالیٰ [1]	بہترین دن ہے کیونکہ وہ خدا کی جانب سے

حق لے کر آیا ہے (لہٰذا اس کی مدافعت حق کی مدافعت ہوگی۔)

عبداللہ بن زید رض احد کے دن مجروح ہو گئے تو ان کی والدہ ام عمارہ رض نے مرہم پٹی کی اور بجائے اس کے کہ اپنے لخت جگر کو تکلیف میں دیکھ کر آرام لینے اور سستانے کا مشورہ دیتیں۔ حکم دیا:۔

انھض بُنَیَّ فضارب القوم [2]	بیٹے اٹھو اور تلوار لے کر اس (مشرک)
	قوم پر ٹوٹ پڑو۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے شہدائے احد کے خلاف اشعار کہے تو ہند بنت اثاثہ رض نے ان کا شعر ہی میں ترکی بہ ترکی جواب دیا [3]

حضرت خنساء اپنے چار بچوں کے ساتھ جنگ قادسیہ میں شریک ہوئی تھیں۔ ان چاروں کو آغاز شب ہی میں جمع کر کے کہا۔ اے میرے بچو! تم نے برضا و رغبت ایمان قبول کیا اور کسی کے دباؤ کے بغیر ہجرت کی۔ قسم بخدا جس طرح

---

[1] مستدرک ج ۴ صفحہ ۵۲، [2] طبقات ابن سعد ج ۸ صفحہ ۳۰۲ [3] سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۴۱، ۴۲۔

تمہاری ماں ایک ہے، اسی طرح تمہارا باپ بھی ایک ہے کیونکہ تمہاری ماں نے نہ تو تمہارے باپ کے ساتھ کوئی خیانت کی نہ تمہارے ننھیال کو رسوا کیا نہ تمہارے حسب کو بٹہ لگایا اور نہ تمہارے نسب کو غبار آلود کیا (یعنی تم ایک شریف اور باعفت ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہو۔ اس لئے تمہارے اعمال بھی شریفوں کے سے اور ارفع و اعلیٰ ہونے چاہئیں) تمہیں معلوم ہے کہ خدا نے کفار سے جنگ کے عوض کس قدر ثواب تیار کر رکھا ہے۔ خوب سمجھ لو! اس فنا ہونے والی دنیا سے دار البقا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور ثابت قدمی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرو حق کی راہ میں جمے رہو اور اللہ سے ڈرو شاید تم فلاح پاؤ۔

اگر اللہ نے چاہا اور تم نے سلامتی سے صبح کی تو پوری بصیرت کے ساتھ اور خدائے تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں نکل جاؤ، اور جب گھمسان کا رن پڑے اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں تو تم اس کی بھٹی میں (بلا خوف و خطر) کود پڑو جب وقت دشمن کا لشکر پورے جوش اور جذبہ سے لڑائی میں مصروف ہو تو تمہارے حملوں کا نشانہ اس کا سردار رہے۔ اس طرح تم غنیمت اور جنت میں شرف و مرتبہ کے مستحق ہو کر لوٹو گے"!

ماں کی زبان سے یہ پُرعزیمت تقریر سن کر چاروں لڑکے رجز پڑھتے ہوئے سر بکف عرصۂ پیکار میں آنکلے اور پھر ان کو خاک و خون میں غلطاں ہی

دیکھا جا سکا۔[1]

جس زمانہ میں حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کر رکھا تھا ان کے تقریباً دس ہزار ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے ساتھ جا ملے یہاں تک کہ ان کے دو لڑکے حمزہ اور غبیب بھی پناہ کے طالب ہو کر حجاج کے پاس چلے گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جا کر اپنی والدہ اسماء بنت ابی بکرؓ سے اپنی بے بسی کا تذکرہ کیا کہ اور تو اور میری اولاد تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب میرے ساتھ گنے چنے چند افراد رہ گئے ہیں جو حجاج کے مقابلہ میں دیر تک ٹھہر نہیں سکتے۔ اگر میں اب بھی حجاج کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں تو دنیا کی جو نعمت چاہوں مل سکتی ہے بتائیے آپ کی کیا رائے ہے؟ ماں نے جواب دیا:۔

یا بنی انت اعلم بنفسك ان كنت تعلم انك على حق وتدعوا الى حق فاصبر عليه فقد قتل عليه اصحابك ولا تمكن من رقبتك يلعب بها غلمان بني امية وان كنت تعلم انك انما اردت الدنيا فلبئس العبد انت اهلكت نفسك واهلكت من قتل معك وان كنت على حق فما وهن الدين

بیٹا! تم اپنے آپ کو سب سے بہتر جانتے ہو اگر تم واقعتاً خود کو حق پر سمجھتے ہو اور حق ہی کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہو تو صبر کے ساتھ کام لو دیکھو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے دشمن کے مقابلہ میں لڑتے لڑتے جان دے دی۔ لہذا اپنی گردن کو کھلونا بنا کر بنی امیہ کے لونڈوں کے حوالے نہ کرو کہ وہ اس سے کھیلتے رہیں۔ لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ سارا کھیل تم نے دنیا

---

[1] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ خنساء بنت عمرو بن شرید

والی کم خلود لک فی الدنیا۔ کے لئے کھیلا ہے تو تم دنیا کے بدترین انسان ہو کیونکہ اس طرح تم خود ہلاک ہوئے اور اپنے ساتھ جان دینے والوں کو بھی ناحق ہلاک کیا۔ اگر تم حق پر ہو تو اس کے لئے جان دینا اچھا ہے کیونکہ جب اس کی زندگی کو ختم ہونا ہی ہے تو کیوں نہ اللہ کی راہ میں ختم ہو۔ دین کو کمزور کرنے سے تمہیں ہمیشگی تو نصیب نہیں ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے ماں کے جذبات کی تائید کی اور حجاج کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔[1]

اظہارِ حق خواتین نے اپنوں ہی کو حق پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ معاشرہ میں جہاں کہیں ان کو بگاڑ نظر آیا اس کو بدلنے اور اس کی جگہ خیر و صلاح کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں۔ سمراء بنت نہیک رض کے متعلق ابن عبدالبر رح نے لکھا ہے:۔

کانت تمر فی الاسواق وتامر بالمعروف وتنھی عن المنکر وتضرب الناس علی ذلک بسوط کان معھا۔[2]

وہ بازاروں میں گھوم پھر کر بھلائی کا حکم دیتیں اور برائی سے روکتی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہوتا تھا جس سے وہ لوگوں کو منکر کے ارتکاب پر مارتی تھیں۔

اس معاملہ میں خواتینِ امت نے نہ تو رعایا کی پرواہ کی اور نہ فرماں رواؤں اور حاکموں کی، ان کے ایمانی جذبات نے جس طرح دین کے کھلے دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے اسی طرح دین کے نام لیواؤں کے فسادِ فکر و عمل کو بھی برداشت کرنے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صفحہ ۳۳ [2] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرۃ سمراء بنت نہیک رض۔

سے انکار کر دیا ہے۔ کلمہ حق کے اظہار میں نہ تو باطل کی بڑی سے بڑی قوت ان کے لئے مانع بنی اور نہ جابر و سخت گیر حکام کی زیادتی اور سختی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دینے کے بعد حجاج ان کی والدہ اسماء کے پاس گیا اور کہا آپ کے صاحبزادے نے خدا کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلایا جس کی سزا خدا نے اس کو دردناک عذاب کی شکل میں چکھائی ہے۔

حضرت اسماءؓ نے کہا:-

کذبت کان برا بالوالدین صوّاما قوّاما واللہ لقد اخبرنا رسول اللہؐ انہ سیخرج من ثقیف کذّابان الآخر منہما شر من الاول وھو مبیرٌ ۔ لہ

تم نے جھوٹ کہا وہ بے دین نہیں تھا وہ تو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا روزے دار اور تہجد گذار تھا (حقیقتاً تم نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہے) قسم خدا کی حضورؐ نے ہم سے کہا تھا کہ قبیلۂ ثقیف سے دو جھوٹے پیدا ہوں گے۔ اس میں بھی دوسرا پہلے سے بدتر ہوگا کیونکہ وہ ہلاکت اور تباہی مچائے گا۔ (ثقیف کے پہلے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کو تو دیکھ چکے اور دوسرے تم ہو۔)

سمیہ نامی ایک کنیز تھی جس سے دور جاہلیت میں اس کے آقا بیسوائی کراتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا جابر و ظالم گورنر زیاد اس کا لڑکا تھا عموماً جیسے بیسواؤں کی اولاد کے حسب و نسب کا کوئی علم نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح زیاد کے سلسلۂ پدری کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا اور وہ نامعلوم الحسب ہی مشہور تھا حضرت معاویہؓ کے سامنے ایک شخص نے شہادت دی کہ ایک مرتبہ جاہلیت میں ابوسفیانؓ کی

لہ مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۱۔

سُمیّہ کے ساتھ خلوت ہو گئی تو اس کے نتیجہ میں یہ پیدا ہوا۔ اس شہادت کی بنا پر حضرت معاویہؓ نے اس کو ابوسفیانؓ کی اولاد اور اپنا بھائی قرار دے لیا۔ زیاد اس سے بہت خوش ہوا اور چاہ رہا تھا کہ اکابر امت سے بھی اس کی تصدیق ہو جائے چنانچہ حضرت عائشہؓ کو اس نے ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ تھا۔ "ابوسفیان کے لڑکے زیاد کی جانب سے ام المومنین عائشہؓ کے نام" حضرت عائشہؓ اس غیر اسلامی فعل کی کیسے تائید کر سکتی تھیں۔ انھوں نے نہ تو حضرت معاویہؓ کے فیصلہ کا کوئی احترام کیا اور نہ زیاد جیسے سخت گیر اور جور پیشہ گورنر کی کوئی پرواہ کی اور جواب کا آغاز ان کلمات سے کیا "ام المومنین عائشہؓ کی طرف سے نامعلوم باپ کے لڑکے زیاد کے نام"۔ [1]

اعیانِ حکومت کو نصیحت اور اس کے نتائج

تنقید یا تائید اسی وقت سود مند ہوتی ہے جب کہ اس کے پیچھے خلوص اور خیر خواہی کے جذبات کارفرما ہوں، کسی کے عمل پر گرفت کی جائے یا اس کی تائید اور حمایت، دونوں کو ذاتی نفع و غرض سے پاک ہونا چاہیے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ... طبقات ابن سعد ج ۱ القسم الاول ص۱۰۰ اور تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص۴۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک حاجتمند کی سفارش میں زیاد کو خط لکھا تو اس کو ابوسفیان کا لڑکا لکھا تھا لیکن اوپر کی تفصیل ہم نے علامہ ابن اثیر کی کتاب تاریخ کامل ج ۳ ص۱۹۳ سے لی ہے جنھوں نے ان واقعات کو نقد و تبصرہ کے بعد زیادہ منقح شکل میں پیش کیا ہے۔ زمانہ حال کے مصری مورخ شیخ محمد خضری نے بھی ابن اثیر کی تحقیق ہی کو اپنی کتاب "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" ص۱۷۸ میں درج کیا ہے۔

ورنہ نہ تو تائید کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ تردید کا۔ مسلمان خواتین نے جو کچھ کہا اور کیا ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر خالص دین اور ریاست کے مفاد کے لئے کہا اور کیا۔

دین کے نفع و ضرر کا پاس ولحاظ، اس کے لئے ہر طرح کی قربانی اور شدید ترین وجاں گسل مواقع پر استقامت، مسلمان عورت کی یہ ایسی صفات تھیں جنھوں نے اس کے خلوص اور وفاداری کو ہر شک وشبہ سے بالاتر کر دیا اور کوئی بھی شخص اس کو دین اور ارباب دین کی بدخواہ اور غدار نہیں ثابت کر سکا۔ اس نے فرد اور جماعت کے مفاد کے لئے جو بھی اقدام کیا اس کو ذاتی غرض اور نفسانی خواہش پر محمول نہیں کیا گیا بلکہ مخلصانہ جدوجہد سمجھ کر اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ عام افراد تو کیا ذمہ داران ریاست تک نے اس کی تنقید اور نصیحت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجیے جسے میں ہمیشہ کے لئے اپنے سامنے رکھ سکوں، تو حضرت عائشہؓ نے انتہائی مؤثر اور ایک حاکم وقت کو رہنمائی کا کام دینے والا حضورؐ کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا:۔

من التمس رضی اللہ بسخط الناس	جو شخص لوگوں کو ناخوش کر کے اللہ کی رضا
کفاہ اللہ مؤنۃ الناس ومن	تلاش کرے (لوگ) اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے
التمس رضی الناس بسخط اللہ	کیونکہ) اللہ تعالیٰ اس کو انسانوں کے شر سے
وکلہ اللہ الی الناس [1]	بچا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کو خفا کر کے

---

[1] ترمذی، ابواب الزہد، باب (بغیر عنوان)

لوگوں کی رضا ڈھونڈے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان ہی کے حوالے کر دیتا ہے (اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں۔)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں خولہ بنت ثعلبہؓ سے ملاقات ہو گئی، وہ وہیں حضرت عمرؓ کو نصیحت کرنے لگیں۔

عمر! ایک زمانہ تھا جب کہ میں نے تم کو عکاظ کے میلہ میں دیکھا تھا کہ تم بچوں کو ڈنڈا لئے ڈراتے دھمکاتے پھرتے تھے۔ اس وقت تم بہت چھوٹے تھے اور اسی کمسنی کی وجہ سے لوگ تم کو عمیر کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے بعد (بہت جلد تم جوان ہو گئے اور) لوگ تم کو عمر کہنے لگے۔ اس پر بھی کچھ زیادہ عرصہ گذرنے نہیں پایا کہ اب تم امیر المومنین کہلائے جانے لگے ہو۔ (سوچو! خدا نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچایا!) اور رعایا کے ساتھ اپنی فطری سختی روا نہ رکھو بلکہ) رعایا کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس شخص کو خدا کے عذاب کا خوف ہوگا وہ قیامت کو دور نہیں سمجھ سکتا۔ اور جس کو موت کا کھٹکا لگا ہوگا (وہ لاابالی زندگی نہیں گذار سکتا بلکہ) اس کو نیکیوں کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا ہر وقت اندیشہ رہے گا۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ اس وقت جارود عبدی بھی تھے۔ انھوں نے خولہؓ سے کہا تم نے تو امیر المومنین پر ضرورت سے زیادہ نصیحت شروع کر دی حضرت عمرؓ نے ٹوکا اور کہا انھیں کہنے دو، کیا تمہیں نہیں معلوم، یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔[1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مہر کی مقدار کم رکھو تو ایک عورت نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو اس کی تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "اگر تم اپنی

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر تذکرہ خولہ بنت ثعلبہؓ۔

عورتوں کو مہر میں ایک ڈھیر مال بھی دے دو تو اس سے ایک حبہ بھی نہ لو" اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا، ایک عورت نے عمرؓ سے بحث کی اور غالب رہی [۱]

اس قسم کی تنقیدیں بعض اوقات بہت نتیجہ خیز اور فرد اور جماعت کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی ہیں۔

سودہ بنت عمارہ نے جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے خلاف حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے کہ یہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئیں۔ پہلے تو ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر معافی چاہی پھر کہا امیر المومنین، آپ لوگوں کے سردار اور ان کے معاملات کے ذمہ دار و نگہبان ہیں۔ اس لئے ان کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کئے ہیں ان کے متعلق وہ آپ سے ضرور پوچھے گا۔ ہم پر ایسے گورنر متعین ہو کر آتے ہیں جو آپ کے غلبہ و اقتدار کو مستقل اور وسیع کرنے کے ساتھ ہم کو کھیتی کی طرح کاٹ پھینکتے اور گایوں کی طرح روند ڈالتے ہیں۔ یہ ہمارے حقوق کو ٹھیک سے ادا نہیں کرتے۔ ہم کو خراب سے خراب تر چیز چکھاتے ہیں اور بڑی سے بڑی اور نفیس سے نفیس شے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ دیکھیے، ابن ارطاۃ حاکم بن کر آیا تو اس نے ہمارے قبیلہ کے افراد کا خون بہانا شروع کر دیا اور میرا مال چھین لیا۔ آپ کی اطاعت ہم پر فرض ہے ورنہ ہمارے اندر اتنا کس بل اور بچاؤ کی قوت ہے کہ ہر ظلم کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کو معزول کر دیں تو ہم آپ کے مشکور ہوں گے ورنہ ہم آپ کو بھی دیکھیں گے۔ حضرت

---

[۱] فتح الباری ج ۹ ص ۱۶۱۔

معاویہؓ نے کہا کیا تو مجھے اپنی قوم کے ذریعہ دھمکی دے رہی ہے ؟ قسم خدا کی میں نے تو ارادہ کیا ہے کہ تجھ کو کانٹوں بھری سواری پر بٹھا کر اسی کے پاس لوٹاؤں تاکہ وہ اپنا فیصلہ تجھ پر نافذ کرے۔ اس پر سودہ خاموش ہو گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"اللہ تعالیٰ اس روح پر رحمت نازل فرمائے جس کو ایک قبر نے اپنے آغوش میں لے لیا ہے اور جس کے ساتھ عدل و انصاف بھی دفن ہو چکا ہے۔ اس نے حق کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ اس کے عوض دولتِ دنیا نہیں حاصل کرے گا۔ اس طرح حق اور ایمان اس میں جمع ہو گئے تھے۔"

حضرت معاویہؓ نے پوچھا وہ کون ؟ کہا علی بن ابی طالب رضؓ۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا، مجھ پر اس عدل و انصاف کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ اس نے جواب دیا، میں یہ بلا دلیل نہیں کہہ رہی ہوں۔ میرے پاس ان کے انصاف کا ثبوت موجود ہے۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں ان کے ایک محصّلِ صدقات کی شکایت لے کر پہنچی۔ وہ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو محبت بھرے انداز میں پوچھا، کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے ؟ میں نے محصّل کی زیادتی بیان کی تو رونے لگے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اے میرے اللہ! تو جانتا ہے میں نے اپنے گورنروں کو تیری مخلوق پر ظلم و ستم ڈھانے اور تیرے حقوق کو چھوڑ بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد فوراً جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر اس کی معزولی کا حکم لکھ بھیجا۔ اس میں کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھی

(لہذا آپ کی حکومت کو بھی ایسے ہی عدل پرور ہونا چاہیئے کہ کسی بھی شخص پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔)

حضرت معاویہ رضؓ نے حکم دیا کہ اس کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔ اس نے پوچھا کیا انصاف میرے ہی ساتھ مخصوص ہے یا میری قوم بھی اس میں شریک ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا! تمہیں اپنے علاوہ دوسروں سے کیا مطلب۔؟ اس نے کہا انصاف ہو تو سب کے ساتھ ہو ورنہ یہ بہت ہی مذموم بات ہو گی کہ ایک کے ساتھ انصاف کیا جائے اور دوسروں پر جور و ظلم روا رکھا جائے۔ اگر آپ میرے کل قبیلہ کے ساتھ عدل نہیں کر سکتے تو مجھے بھی انصاف کی کوئی ضرورت نہیں، میری قوم جس خستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے میں بھی پڑی رہوں گی۔

حضرت معاویہؓ نے کہا! ابن ابی طالبؓ نے تم کو جری بنا دیا ہے۔ پھر ماتحتوں کو حکم دیا کہ گورنر کو لکھ دو کہ اس کے مطالبات پورے کئے جائیں[1]

اسی طرح عکرشہ بنت اطرش بھی حضرت معاویہؓ کے دربار میں ان کے گورنروں کی شکایت لے کر پہنچی اور بے باکانہ کہا کہ (اس سے پہلے ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ لی جاتی اور ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی لیکن اب نہ تو شکستہ حال کی شکستگی دور ہوتی ہے اور نہ محتاج کی محتاجی رفع کی جاتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ آپ کے ایماء اور مشورے سے ہو رہا ہے تو آپ جیسے شخص سے (توقع یہ کی جاتی ہے کہ) تنبیہ ہوتے ہی فوراً چونک اٹھیں گے اور توبہ کریں گے۔ اور اگر اس میں آپ کی رائے اور مشورہ کو دخل نہیں ہے بلکہ گورنروں کی اپنی طرف سے ظلم و

[1] العقد الفرید ج ۱ صـ۲۱۱، ۲۱۲۔

زیادتی ہے۔ تو یہ بھی آپ جیسی ذمہ دار شخصیت کے منافی ہے کہ وہ امانت داروں کو چھوڑ کر خائنوں سے تعاون حاصل کرے اور ظالموں کو خدمات پر مامور کردے۔

حضرت معاویہؓ نے معذرت کی کہ کبھی کبھی ایسے خراب حالات سے ہم کو سابقہ پڑتا ہے کہ قانون پر عمل کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس نے کہا، سبحان اللہ! آپ کیسی بات کررہے ہیں۔ اس دانائے غیب نے ہم پر کوئی ایسا فرض متعین ہی نہیں کیا ہے جس پر عمل سے دوسروں کو ضرر پہنچے۔

بالآخر حضرت معاویہؓ نے اس قبیلہ کی زکوٰۃ کو اسی کے افراد کے اندر تقسیم کرنے اور اس کے ساتھ عدل وانصاف کئے جانے کا فرمان جاری کیا۔ [1]

اس جرأت وہمت کو دیکھیے کہ کس طرح دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بے خوف ہوکر حق کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس دین پر وہ ایمان رکھتی ہے، جس نظریۂ حیات کو وہ درست اور صحیح سمجھتی ہے اور جس روشنی سے وہ کفر و باطل کی ظلمتوں میں راہ نمائی حاصل کرتی ہے ناممکن ہے کہ وہ باطل کی تاریک شب کو اس پر قبضہ جمانے کی اجازت دے۔ اگر وہ اس کی اجازت دیتی ہے تو اپنے دین وایمان کی موت کا اعلان کرتی ہے۔ اس عزم وارادے کا انکار کرتی ہے جس عزم کا اس کا ایمان تقاضا کرتا ہے، اس وفاداری اور خیر خواہی سے منہ موڑتی ہے جس کا اس نے اپنے مولا سے، اپنے معاشرہ سے اور خود اپنے ضمیر سے عہد کیا تھا، اس لئے وہ مجبور ہے کہ سوسائٹی میں باطل کے جراثیم کو پنپنے اور دین وایمان کی غارت گر قوتوں کو قدم جمانے کا موقع نہ دے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ گواہ

---

[1] العقد الفرید، ج ۱، صفحہ ۲۱۶

ہے کہ وہ عملاً کبھی شر پسند اور حق دشمن افکار و کردار سے ہمیشہ چوکس رہی اور ان کا مقابلہ کرتی رہی اور زندگی کے چھوٹے بڑے مسائل میں اگر کسی پر اعتماد کیا بھی تو پوری بصیرت اور آگہی کے بعد کیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ آنکھیں میچ کر ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہو بلکہ رہزن و رہبر کے درمیان فرق کرنے کے بعد ساتھ دینے یا نہ دینے کا اس نے فیصلہ کیا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حج میں قبیلہ احمس کی ایک عورت کو دیکھا کہ وہ بالکل بول ہی نہیں رہی ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس نے حج کے دوران خاموش رہنے کی نذر مان رکھی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس سے کہا کہ یہ تو کوئی ثواب کا کام نہیں ہے بلکہ جاہلانہ حرکت ہے۔ لہٰذا اس نذر کو توڑ اور ضرورت پر بات کر۔ اس نے دریافت کیا آپ کون ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا میں مہاجرین میں کا ایک فرد ہوں۔ اس نے دوبارہ سوال کیا؟ کون سے مہاجر؟ کہا مہاجرین قریش! پوچھا قریش کے کس قبیلہ سے؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ تم تو بڑی سوال کرنے والی نکلیں۔ میں ابو بکرؓ ہوں اس نے کہا اچھا تو آپ ہمارے خلیفہ ہیں) بتائیے جاہلیت کے بعد ہم کو جو راہ راست نصیب ہوئی ہے کب تک ہم اس پر قائم رہیں گے۔ کہا جب تک تمہارے امام اس پر قائم رہیں۔ اس نے پوچھا۔ امام سے کس قسم کے لوگ مراد ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا اے اللہ کی بندی کیا تیری قوم میں ایسے سردار نہیں گزرے جن کے احکام تمہارے لئے واجب الاتباع ہوتے، وہ فرمان دیتے تو تم اس کی فوراً تعمیل و اطاعت کرتے؟ اس نے کہا ہاں حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا وہی تو اب بھی لوگوں کے سردار اور امام ہیں۔[1]

---

[1] بخاری، کتاب المناقب، باب ایام الجاہلیۃ۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسئلہ بتایا تو یہ عورت اس کو قبول کرنے سے پہلے یہ تحقیق کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ کون میری راہ نمائی کر رہا ہے؟ کیا اس کی فہم و بصیرت اور سیرت و کردار اس قابل ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے؟ کیا اس کی ہدایت سے میں راہِ صواب پا سکتی ہوں؟ جب اسے پتہ چلتا ہے کہ وقت کا خلیفہ ہم سے ہم کلام ہے تو فوراً اس کا ذہن مسائلِ سیاست کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ اس کھوج اور کرید میں لگ جاتی ہے کہ جس دورِ سعادت سے وہ گزر رہی ہے کیا اس سے وہ ہمیشہ بہرہ ور ہوتی رہے گی یا کوئی وقت ایسا بھی آنے والا ہے جب کہ یہ دولت اس سے چھن جائے گی؟

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عام مسلمان خواتین تک کو کس قدر دین کے بقا و تحفظ کی فکر دامنگیر رہتی تھی اور ان کو اسلام اور اس کے اصولِ عدل و مساوات پر قائم شدہ ریاست کی سربلندی و پائیداری سے کتنی دلچسپی تھی؟ پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دین اور اقتدارِ دین کے فروغ و زوال اور تباہی اور ترقی سے کنارہ کش رہیں گی یا اس سے اغماض برتیں گی؟

تنقید و احتساب

بنو امیہ کے آغازِ خلافت کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ کے گورنر اپنے خطبوں میں حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں پر لعن طعن کرتے تھے۔ ان کی اس روش پر کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدیؓ برملا تنقید فرماتے اور ساتھ ہی حضرت علیؓ اور ان کے اعوان و انصار کی مدح و توصیف کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے گورنروں نے ان کی زبان بندی کی ہر چند کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کے برعکس حجر بن عدیؓ کے

ہم خیال اور مؤیدین میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت معاویہ رضؓ نے حجر رضؓ اور ان کے بعض ساتھیوں کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ اور جب یہ گرفتار کر کے ان کے پاس لائے گئے تو ان کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کو اس کا علم ہوا تو فوراً عبدالرحمٰن بن حارث کو حضرت معاویہ رضؓ کے پاس بھیجا کہ وہ اس اقدام سے باز آجائیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حجر رضؓ اور ان کے سات ساتھی شہید کئے جا چکے تھے۔ اس پر حضرت عائشہ رضؓ بے حد خفا ہوئیں اور حضرت معاویہ رضؓ سے سختی سے باز پرس کی۔ عبدالملک بن نوفل روایت کرتے ہیں کہ وہ یہاں تک کہتی تھیں :۔

لولا انا لم نغیر شیئا الا آلت بنا الامور الی اشد مما کنا فیہ لغیرنا قتل حجر [1]	کسی معاملہ کے ہمارے بدلنے سے موجودہ حالات سے بھی زیادہ سخت حالات کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم حجر کے قتل کے فیصلہ کو بدل کر رکھ دیتے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ میں :۔

لولا یغلبنا سفھاءنا لکان لی و لمعاویۃ فی قتل حجر شأن [2]	اگر سفہاء کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو حجر کے قتل کے سلسلہ میں میرا اور معاویہ کا معاملہ کچھ اور ہی ہوتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکابر صحابہ، فتنہ و فساد کے خدشہ سے بعض غیر شرعی امور کو انجام پاتے ہوئے دیکھنے کے باوجود انگیز کر گئے اسی طرح

---

[1] تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۶ ص ۱۵۶ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۵۵

حضرت عائشہؓ نے بھی اس معاملہ میں بنائے مصلحت سکوت اختیار کیا۔ ورنہ وہ کوئی سخت قدم اٹھانا چاہتی تھیں۔

حج کے زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی تو تہدید آمیز انداز میں پوچھا:۔

یا معاویۃ قتلت حجرا و اصحابہ وفعلت الذی فعلت اما خشیت ان اخبأ لک رجلا یقتلک

معاویہ! تم نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اور وہ سب کچھ کیا جو کرنا چاہا۔ کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں ہوا کہ میں بھی کسی شخص کو پوشیدہ طور پر تمہارے قتل پر لگا سکتی ہوں؟

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے معذرت کرتے کرتے بڑی مشکلوں سے ان کی خفگی کو ختم کیا۔[1]

رائے اور مشورہ کا حق اور اس سے استفادہ

یہ تاریخی شہادتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی معاشرہ کے سود و زیاں اور نفع و ضرر سے مسلمان عورت کسی تماشائی کی طرح غیر متعلق نہیں رہ سکتی کہ کیونکہ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ اور اصلاح و فساد سے اس کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔ معاشرہ کا نقصان اس کا اپنا نقصان اور معاشرہ کا فائدہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ وہ معاشرہ کو خیر کی بنیادوں پر قائم رکھنے میں مدد دے گی اور اگر معاشرہ کی راہ پر لگ جانے کی مخالفت اور مزاحمت بھی کرے گی۔ بھلائیوں کا خیر مقدم کرے گی تو برائیوں پر احتجاج بھی

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۵۵

کرے گی۔ یہ اس کا فطری حق ہے جو اجتماعی زندگی نے اس کو عطا کیا ہے۔ شریعت اس کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے اور زندگی کے مختلف معاملات میں خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی اس کو اپنے جذبات و احساسات، رائے اور خیال اور پسند و ناپسند کے اظہار کی اجازت عطا کرتی ہے۔ یہ اظہار اپنے حدود کے اندر زبان و بیان، تحریر و انتشار، غرض جس ذریعہ سے بھی ہو شریعت اس پر کوئی قدغن نہیں لگاتی۔

جہاں تک اس کے ذاتی مسائل کا تعلق ہے، مثلاً نکاح، خلع وغیرہ تو ان کے متعلق شریعت نے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس پر اپنا فیصلہ لاد نہیں سکتا، جو بھی اقدام کیا جائے گا اس کی رضا اور خوشی کے بعد کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ[1] — شادی شدہ عورت کا نکاح (بیوگی یا طلاق کے بعد) اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لے لیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح بھی اس سے اجازت لئے بغیر نہیں کیا جائیگا۔

ایک دوسری روایت ہے:-

لاتنکحوا الیتامی حتی تستامروھن[2] — یتیم لڑکیوں کا نکاح ان سے رائے اور مشورہ کرنے سے پہلے نہ کرو۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا [2] دار قطنی کتاب النکاح ص ۳۸۵۔

"یتامیٰ" کا لفظ یہاں بہت ہی قابلِ لحاظ ہے۔ شفیق و مہربان اور خیرخواہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ کوئی ظالم سرپرست بے آسرا لڑکی کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنائے اور شریعت نے اس کو اپنے متعلق فیصلہ کا جو حق دیا ہے اس سے محروم کردے۔ اس لئے خصوصی طور پر اس سے رائے اور مشورے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ ہر حال میں عورت اپنی مرضی کی آپ مالک رہے۔ چنانچہ جب کبھی اس کی مرضی کے علی الرغم کوئی اقدام کیا گیا تو حضورؐ نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔

ان معاملات کا تعلق تو اس کی اپنی شخصیت سے ہے۔ اس سے بھی آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے :-

أمروا النساء فی بناتهن [1] — عورتوں سے ان کی لڑکیوں کے معاملہ میں مشورہ لو۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ زندگی کے جن شعبوں سے متعلق وہ تجربات رکھتی ہے اور ان کے نفع و نقصان سے بہتر طور پر واقف ہے۔ ان کے سلسلہ میں اس کے افکار و خیالات خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جن کو نظرانداز کرنا ہمارے لئے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ ان معاملات میں اس کی رائے اور مشورے سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کرنی چاہیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عام اسوہ اور طریقِ عمل حضرت حسن بصریؒ بتاتے ہیں :-

کان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یستشیر حتی المرأۃ فتشیر	نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی اور وہ کبھی ایسی رائے

---

[1] ابو داؤد، کتاب النکاح باب فی الاستئمار۔

دیتی جسے آپ اختیار فرماتے تھے۔ علیہ بالتی فیاخذ بہ۔[1]

یہ اسوہ زندگی کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ہر نوعیت کے مسائل اور تمام پہلوؤں سے ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں تاریخ کے صفحات میں جگہ جگہ ملتا ہے۔

حدیبیہ کی مشہور صلح، قریش اور مسلمانوں کے درمیان جن شرائط پر ہوئی تھی ابتدا میں ان سے مسلمانوں کی اکثریت ناخوش تھی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر لوٹ جائیں گے۔ اس شرط کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حدیبیہ ہی کے مقام پر احرام کھولنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا لیکن صحابہ کے جذبات اس وقت اتنے بدلے ہوئے تھے کہ اس حکم کی تعمیل ہوتی نظر نہ آئی۔ آپؐ نے افسوس کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے صحابہ کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے انتہائی دانشمندانہ مشورہ دیا کہ آپ کسی سے مزید گفتگو نہ فرمایئے بلکہ جو مراسم ادا کرنے ہیں ان کو آگے بڑھ کر ادا کیجئے۔ پھر دیکھئے، کس طرح لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کو دیکھ کر فوراً پیروی شروع کردی۔[2] اس طرح حضرت ام سلمہؓ کی درست اور صائب رائے نے آن کی آن میں یہ نازک صورتِ حال ختم کر کے رکھ دی۔

جنازہ کی موجودہ شکل کا مسلمانوں میں رواج نہیں تھا۔ حضرت اسماء بنت

---

[1] عیون الاخبار لابن قتیبہ ج ۱ ص۲۶۰ [2] بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب الخ۔

عمیس نے اس کو حبشہ میں نصاریٰ کے ہاں دیکھا تھا۔ انھوں نے اس کا مشورہ دیا اور وہ قبول کیا گیا۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا طرز عمل بھی آپ کے اسوہ ہی کی تائید کرتا نظر آتا ہے۔ ابن سیرینؒ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

ان کان عمر لیستشیر فی الامر حتیٰ ان کان لیستشیر المرأۃ فربما ابصر فی قولها او الشئی یستحسنه فیاخذ به[2]

عمر پیش آمدہ مسائل میں (اصحاب الرائے لوگوں سے) مشورہ کرتے حتیٰ کہ (ان مسائل میں سمجھ بوجھ رکھنے والی) کوئی عورت ہوتی تو اس سے بھی اور بسا اوقات اس کی رائے میں خیر و خوبی کا کوئی پہلو دیکھتے ... یا کوئی مستحسن چیز پاتے تو اس کو اختیار کرتے۔

شفاء بنت عبداللہ کے تذکرہ میں علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:۔

اسلمت الشفاء قبل الھجرۃ فھی من المھاجرات و بایعت النبیؐ وکانت من عقلاء النساء وفضلائهن وکان عمر یقدمها فی الرأی ویرضاها ویفضلها۔[3]

شفاءؓ ہجرت سے پہلے ایمان لا چکی تھیں، ان کا شمار ہجرت کرنے والی خواتین میں ہے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی ہے عقل و فہم اور فضیلت رکھنے والی عورتوں میں تھیں حضرت عمرؓ ان کو رائے اور مشورے میں آگے بڑھاتے اور ان کو خوش رکھتے اور ان کو (اوروں پر) فضیلت دیتے تھے۔

حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں مخالفین سے جنگ کا ارادہ کیا تو

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۷ [2] السنن الکبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۳ [3] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ شفا بنت عبداللہ۔

مدینہ کی ایک اہم شخصیت، عبداللہ بن عمیر کمیل نخعی سے ساتھ دینے کا مطالبہ کیا انھوں نے جواب دیا کہ میں اہلِ مدینہ کا ایک فرد ہوں اگر وہ آپ کے اس فیصلہ کی تائید کرتے ہیں تو مجھے آپ کے اقدامات میں شریک ہونے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ ورنہ میں معذور ہوں۔ اس کے بعد وہ عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوگئے۔ روانگی سے قبل انھوں نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے کہا کہ میں جنگ میں تو شریک نہیں ہو سکتا۔ البتہ بقیہ تمام معاملات میں حضرت علیؓ کی اطاعت پر قائم ہوں۔ اتنے میں یہ افواہ اڑ گئی کہ وہ شام روانہ ہو گئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جب یہ خبر سنی تو چاہا کہ شام پہنچنے سے پہلے ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ شہسواروں کو اس کی ہدایت دے ہی رہے تھے کہ ام کلثومؓ اطلاع پاکر فوراً پہنچیں اور کہا کہ عبداللہ کے معاملہ میں سختی نہ کیجیے، ان کے متعلق جو کچھ آپ کو بتایا گیا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ میں ان کی ضمانت لیتی ہوں کہ وہ آپ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ حضرت علیؓ نے امّ کلثومؓ کی خبر اور عبداللہ کے متعلق ان کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے اتنے اہم معاملہ میں اپنے فیصلہ کو تبدیل کر دیا اور سواروں کو روک دیا۔[۱]

جس زمانہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کی تیاری کر رہی تھیں، اپنی ایک تقریر میں فرماتی ہیں:-

کان النّاس یتجنّون علی عثمانؓ	عثمان پر لوگ بے بنیاد الزامات لگاتے اور
ویزرون علی عمّالہ فیستشیرونا	اُن کے عمّال کی عیب گیری کرتے تھے اور

---

[۱] تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۵ ص ۱۶۴۔

فیما یخبرونا عنهم فننظر فی ذلك فنجده بریًّا تقیًّا وفیًّا و نجدهم فجرة غدرة یحاولون غیر مایظهرون ۔[1]

ہمارے پاس مدینا کر، ان گورنروں کے متعلق جو کچھ وہ ہمیں بتاتے، اس سلسلے میں ہم سے مشورہ کرتے ہم غور کرتے تو حضرت عثمانؓ کو ہر الزام سے بری، خدا ترس اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے پاتے اور ان کو فاجر و فاسق، دھوکہ باز، جھوٹا اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں اس کے خلاف سعی و تدبیر کرتے ہوئے دیکھتے ۔

ان الفاظ سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ حکومت اور اس کے ذمہ داروں کے اعمال کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرتی رہتی تھیں کہ کون سے امور حدود عدل و انصاف کے اندر انجام پا رہے ہیں اور کہاں ان حدود سے تجاوز ہو رہا ہے دوسرے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ عوام کے مسائل و معاملات سے حضرت عائشہؓ کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق تھا اور لوگ اہم سیاسی مسائل تک میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ ان کو سلجھانے کی کوشش کرتی تھیں ۔

حضرت عثمانؓ کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے ؟ اس بنیادی سوال کو لے کر بصرہ کی مشہور شخصیت اور اپنے قبیلہ کے سردار احنف، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے پاس بھی جاتے ہیں ۔ جب تینوں کی رائے حضرت علیؓ کے حق میں پاتے ہیں تو مدینہ جا کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ۔[2]

---

[1] تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۹ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ [2] تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۵ صفحہ ۱۹۷ ۔

عملی تعاون

مختلف سیاسی وغیر سیاسی مسائل میں عورت کی رائے اور فہم سے اسلامی معاشرہ نے جس طرح فائدہ اٹھایا ہے اسی طرح اپنی تعمیر و تشکیل کے سلسلہ میں بھی اس کی عملی صلاحیتوں سے وہ مدد حاصل کرتا رہا ہے۔ عورتوں نے رضاکارانہ جو جنگی خدمات انجام دی ہیں ان کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ضرورت پر ریاست نے بھی اس سے یہ خدمات حاصل کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے خوارج نے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد پر لے جاتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا۔

وقد کان یغزو بھن فیداوین الجرحی۔[۱]

ہاں آپ ان کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور وہ زخمیوں اور مریضوں کے علاج معالجہ کا کام انجام دیتی تھیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم ونسوۃ معھن من الانصار فیسقین الماء و یداوین الجرحی۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ام سلیم اور انصار کی بعض خواتین کو لے کر جنگ پر روانہ ہوتے تھے تاکہ وہ پیاسوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔

اس کے علاوہ بعض سماجی اور مذہبی کام بھی ان سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً

---

[۱] مسلم، کتاب الجہاد، باب النساء الغازیات یرزق لھن۔ ترمذی ابواب السیر، باب من یعطی الفئ

[۲] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی النساء یغزون۔ مسلم کتاب الجہاد، ترمذی ابواب السیر۔

ام ورقہ بنت عبداللہ کہتی ہیں :۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا فی بیتھا وجعل لھا مؤذنا یؤذن لھا وامرھا ان تؤم اھل دارھا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کے لئے ان کے گھر آتے تھے اور آپ نے ان کے لئے ایک موذن بھی مقرر کر دیا تھا کہ اذان دیا کرے اور ان کو اپنے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی ایک لونڈی کو حکم دیتے تھے کہ وہ رمضان کی راتوں کی نماز (تراویح) میں ان کے گھر کی عورتوں کی امامت کرے۔ [2]

شفاء بنت عبداللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ :۔

ربما ولاھا امر عمر شیئاً من امر السوق۔ [3]

بسا اوقات حضرت عمرؓ ان کو بازار کی کوئی ذمہ داری سونپتے تھے۔

یہ واقعات اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلامی معاشرہ نے مسلمان عورت پر بہت سی سیاسی و سماجی ذمہ داریاں عائد کیں اور مسلمان عورت نے اپنے خانگی فرائض کے ساتھ ان سے بھی عہدہ برآ ہونے کی سعی کی۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب امامۃ النساء، [2] المحلی لابن حزم ج ۳ ص ۱۲۸۔
[3] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب۔

عورت اور اجتماعی مناصب

عورت کی فکری صلاحیتیں

اسلامی معاشرہ میں عورت سے جو خدمات لی گئی ہیں ان کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چند متعین ذمہ داریوں ہی پر وہ مامور کی جاسکتی ہے یا ان کے علاوہ دیگر فرائض اجتماعی بھی اس کو سونپے جاسکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اسلام عورت کی فکری وعملی صلاحیتوں کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے اور ان پر کس حد تک اعتماد کرتا ہے؟ اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ممکن ہوگا کہ وہ کس نوعیت کے کاموں کی اہل ہے اور اسلامی معاشرہ میں اس پر کن ذمہ داریوں کا بار ڈالا جائے گا اور کن ذمہ داریوں کا نہیں؟

دنیا میں کام ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ چھوٹے بڑے، اہم اور غیر اہم ہر طرح کے ہوتے ہیں اور جو کام جس نوعیت کا ہوتا ہے اس کے انجام دینے کے لئے اسی نوعیت کی صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ یہ ایک

حقیقت ہے کہ ہر شخص میں ہر قسم کے کام کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ کوئی کسی کام کے لئے موزوں ہے تو کسی دوسرے کام کے لئے ناموزوں ہوگا۔ کوئی سائنسی تحقیقات کا اہل ہے تو کسی کے اندر عسکری تنظیم کا سلیقہ ہے، کوئی آرٹسٹ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو دوسرا اپنے اندر انشاء اور خطابت کی قوتیں پاتا ہے۔ کسی کی جسمانی ساخت اور توانائی محنت اور مشقت برداشت کرے گی تو کوئی بالکل اس کے قابل نہ ہوگا، صلاحیتوں کا یہ اختلاف یوں تو ہر دو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے لیکن جہاں انسانوں کی ایک صنف کا دوسری صنف سے مقابلہ کیا جائے تو یہ اختلاف بہت ہی واضح اور نمایاں نظر آنے لگتا ہے۔

عورت کمزور ہے عورت اور مرد کے درمیان یہ اختلاف شریعت کی نگاہ میں فکری و عملی دونوں پہلوؤں سے ہے۔ چنانچہ عورتوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نَاقِصَاتُ عَقْلٍ وَ دِیْنٍ"[1] یہاں "عقل" سے اس کے قوائے ذہنی کی طرف اشارہ ہے اور "دین" سے اس کی جسمانی طاقتیں مراد ہیں۔ یعنی ان دونوں پہلوؤں سے وہ مرد سے کمزور اور ناقص واقع ہوئی ہے۔

فقہا نے تصریح کی ہے:۔

الرجل خیر من المرأۃ[2] (صلاحیتوں کے لحاظ سے) مرد عورت سے بہتر ہے۔

عورت کی کمزوریوں کی رعایت شریعت نے اس کی ان کمزوریوں کا صرف تسلیم ہی نہیں کیا ہے بلکہ زندگی کے ہر پہلو

---

[1] بخاری کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم۔ [2] فتح القدیر، ج ۲ ص ۴۸۶۔

میں ان کی رعایت کی ہے۔

(۱) ایّام میں ایک تو اس کی ظاہری نظافت اور پاکیزگی ختم ہو جاتی ہے اور دوسرے اس کے جسمانی نظام میں اس قدر اختلال رونما ہو جاتا ہے کہ وہ کسی ایسے کام کے قابل نہیں رہتی جس میں زیادہ توجہ اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے شریعت نے ان ایام میں نماز جیسا اہم ترین فرض اس پر سے ساقط کر دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اوپر جو ارشاد گزرا ہے اس میں آپ نے اس کے "نقصِ دین" کی تشریح فرماتے ہوئے یہی بتایا کہ اس فطری کمزوری کی وجہ سے اس زمانہ میں اس پر نماز اور روزے کا بار نہیں ڈالا گیا۔

(۲) ان سے بھی سخت تر حالات سے اس کو زچگی کے دوران گزرنا پڑتا ہے یوں کہنا چاہیئے کہ وہ موت وحیات کی کش مکش سے گزرتی ہے۔ عورت کے اس نازک مرحلہ سے گزر کر حالتِ اعتدال پر آنے تک شریعت نے نماز سے اس کو منع کر دیا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:-

كَانَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْعُدُ فِي النِّفَاسِ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً لَا يَأْمُرُهَا النَّبِيُّ م بِقَضَاءِ صَلٰوةِ النِّفَاسِ ۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کے خاندان) کی عورتوں میں سے بعض بعض چالیس دن تک نفاس کی حالت میں مبتلا رہتیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نفاس کے زمانہ کی قضا کرنے کا حکم نہ دیتے۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی وقت النفساء۔

(۳) مدتِ حیض و نفاس میں اگر روزے فرض ہوجائیں تو حکم دیا گیا کہ اس مدت میں یہ فرض انجام نہ دیا جائے بلکہ دوسرے دنوں میں ان کی قضا کی جائے جب کہ وہ ادائیگی کے قابل ہوجائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم کو زمانۂ حیض کے روزوں کی قضا کا حکم تو دیا جاتا لیکن نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔[1]

(۴) کم و بیش یہی حال اس کا حمل اور رضاعت کی مدت میں رہتا ہے، اس مدت میں روزہ جیسی سخت عبادت کا ادا کرنا اس کے لئے انتہائی دشوار تھا، چنانچہ شریعت نے یہ فرض دوسرے دنوں میں بجالانے کی اس کو اجازت عطا کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوۃِ وَعَنِ الْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ۔[2]	اللہ نے مسافر کی آدھی نماز کی تخفیف کردی (وہ چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھے گا) اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے رمضان

میں روزوں کی ادائیگی ضروری نہیں قرار دی (وہ دوسرے مہینوں میں اس کو ادا کرسکتی ہے)

(۵) شریعت نے کمزور اور ناتوانوں کو جہاد کے بارِ گراں سے مستثنیٰ کردیا ہے، اس صنف میں آپ کو بوڑھوں اور بچوں کے ساتھ عورت بھی ملے گی۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِھَادُ الْکَبِیْرِ وَالصَّغِیْرِ وَالضَّعِیْفِ	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کے لئے حج اور عمرہ ہی

---

[1] مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض۔ [2] ابن ماجہ، ابواب ما جاء فی الصیام، باب ما جاء فی الافطار للحامل والمرضع ورد ی بمعناہ الترمذی وابوداؤد والنسائی۔

وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ [1] جہاد ہے۔

(۶) اگر وہ حج کے لئے جاتی ہے تو قدم قدم پر اس کے ضعف اور کم توانائی کی رعایت کی جاتی ہے۔ مثلاً ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو مزدلفہ میں رات گزار کر منیٰ کو چلنا چاہیئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو سویرے ہی منیٰ کے لئے روانہ ہونے کی اجازت دے دی تاکہ مجمع کے ساتھ چلنے میں ان کو کوئی زحمت نہ ہو، ساتھ ہی ان کو یہ بھی حق دیا کہ لوگوں کے منیٰ پہنچنے سے پہلے ہی رمیِ جمرہ سے فارغ ہو جائیں۔ [2]

عورت کی ذہنی صلاحیت

عورت کی فکری صلاحیتوں کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزر چکا ہے کہ اس کی صلاحیتیں مرد سے کمتر درجہ کی ہوتی ہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ کے شارح امام اکمل الدین البابرتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں عورت کی ذہنی صلاحیتوں کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر متعین کرنے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں:-

"نفسِ انسانی کی قوتوں کو چار درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلا درجہ یہ کہ مطلقاً سوچنے سمجھنے کی استعداد موجود ہو۔ یہ استعداد فطرتاً ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ جزئیات میں حواس کے استعمال سے بدیہی باتیں دریافت ہونے لگیں (مثلاً دیکھ کر رنگ کا اور چکھ کر ذائقہ کا تعین وغیرہ) اور عقل اس قابل ہو کہ ان میں غور

---

[1] نسائی، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج [2] بخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفۃ اھلہ الخ

فکر کے ذریعہ خالص فکری حقائق کا اکتساب کرنے لگے۔ اس کو اصطلاح میں "العقل بالملکۃ" کہتے ہیں۔ اس صلاحیت کے بعد ہی آدمی پر شریعت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ بدیہی حقیقتوں سے جو نظریات مستنبط ہوئے ہوں ان کے ادراک میں کسی قسم کی دقت اور محنت نہ پیش آئے۔ اس کا نام "العقل بالفعل" ہے۔ چوتھا درجہ یہ کہ یہ نظریات ہمیشہ ذہن میں اس طرح مستحضر ہوں گویا کہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس کو "عقل مستفاد" کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

ولیس فیما ھو مناط التکلیف وھو العقل بالملکۃ فیھن نقصان بمشاھدۃ حالھن فی تحصیل البدیھیات باستعمال الحواس فی الجزئیات وبالتنبیہ ان نسیت فانہ لو کان فی ذلک نقصان لکان تکلیفھن دون تکلیف الرجال فی الارکان ولیس کذلک وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھن ناقصات عقل المراد بہ العقل بالفعل۔[1]

شریعت کی ذمہ داریوں کا دارومدار جس صلاحیتِ عقل پر ہوتا ہے یعنی "العقل بالملکہ" عقل کا دوسرا درجہ عورتوں میں اس کی کمی نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جزئیات میں حواس کو استعمال کرکے بدیہیات کو پالیتی ہیں اور اگر کسی بات کو فراموش کرجاتی ہیں تو یاددہانی کے بعد ذہن میں حاضر بھی کرلیتی ہیں۔ اگر اسی صلاحیت میں کسی قسم کا نقص ہوتا تو دین کے جن ارکان کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے عورتوں کو اس سے مختلف ارکان کی تکلیف دی جاتی،

---

[1] العنایۃ مطبوع علی حاشیۃ فتح القدیر ج ۲ ص

حالانکہ صورتِ واقعہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں پر ایک ہی طرح کی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں "ناقصات العقل" جو فرمایا تو اس سے "العقل بالفعل" یعنی عقل کا تیسرا درجہ مراد ہے۔

عورت کی گواہی

بہر حال شریعت نے مرد کو عقلی حیثیت سے عورت سے برتر تصور کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مرد کی عقل پر عورت کی عقل سے زیادہ اعتماد بھی کیا ہے اس کی وضاحت کے لئے ہم عورت کی گواہی کے مسئلہ کو لیتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کو عورت کی عقل کے نقص پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ۔ ؎۱

عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف ہے۔

قرآن مجید میں پانچ مقامات پر شہادت کے احکام بیان کئے گئے ہیں جن میں صرف ایک مقام پر عورت کی شہادت کے مرتبہ وحیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ چنانچہ لین دین کے سلسلہ میں قرض کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۔ (البقرہ ع ۳۹)

اور گواہی حاصل کرو اپنے مردوں میں سے دو کی اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ یہ گواہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم بحیثیت گواہ کے پسند کرتے ہو (ایک مرد کی جگہ دو عورت اس لئے کہ) اگر

؎۱ بخاری کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم۔

ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔

قرآن مجید نے عورت کی شہادت کے سلسلہ میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے کئی ایک سوالات پیدا ہوتے ہیں: تنہا خواتین کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو کیا تمام معاملات میں یا صرف بعض میں، اور یہ کہ ہر معاملہ میں نصاب شہادت کیا ہے؟ یعنی گواہی دینے والیوں کی کتنی تعداد ضروری ہے؟ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خواتین کی شہادت قابلِ قبول ہونے کے لئے ان کے ساتھ مرد کا ہونا ضروری ہے تو اس وقت بھی بعینہٖ یہی سوالات ابھرتے ہیں کہ یہ مشترک شہادت کیا ہر قسم کے مسائل میں فیصلہ کی بنیاد بن سکتی ہے یا صرف بعض مسائل ہی کا فیصلہ اس کے ذریعہ ہو سکتا ہے؟

ان سوالات پر مسلمان فقہا نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ہم ان کے خیالات کو کسی قدر تفصیل سے پیش کرتے ہیں تاکہ ان خیالات کی روشنی میں عورت کی ذہنی صلاحیتوں کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر سمجھنے میں آسانی ہو۔[1]

تنہا عورتوں کی گواہی

امت کے تقریباً تمام فقہا متفق ہیں کہ ایسے مخصوص نسوانی مسائل کے فیصلہ کے لئے تنہا عورتوں کی شہادت کافی ہے جن کا علم مردوں کو نہیں ہو سکتا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

---

[1] ذیل میں شہادت سے متعلق جو خیالات پیش کئے جا رہے ہیں وہ المحلیٰ لابن حزم ج ۹ ص ۳۹۵ تا ص ۴۳۸ اور امام ابن قیمؒ کی کتاب الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ص ۱۳۳ تا ص ۱۳۵ سے ماخوذ ہیں، اگر درمیان میں کسی اور کتاب سے کوئی بات لی گئی ہے تو وہیں اس کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔

الولاد وعیوب النساء مما لم أعلم مخالفاً لقیته أن شہادۃ النساء فیه جائزۃ لا رجل معھن[1] | جن اہل علم حضرات سے میں نے ملاقات کی ان میں کسی کو اس بات کا مخالف نہیں پایا کہ ولادت اور عورتوں کے قابلِ ستر مقامات کے عیوب کے سلسلہ میں عورتوں کی شہادت مرد کی شرکت کے بغیر جائز ہے ۔

امام زہریؒ کا بیان ہے :۔

مضت السنة ان تجوز شہادۃ النساء فیما لا یطلع علیه غیرھن ۔ | یہ سنت چلی آرہی ہے کہ ایسے تمام معاملات میں تنہا عورتوں کی شہادت جائز ہے جن کی اطلاع سوائے ان کے کسی اور کو نہیں ہوتی ۔

مخصوص نسوانی مسائل کے علاوہ دیگر مسائلِ حیات میں فقہائے احناف، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال بعض اور فقہا نے صرف عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ کی بھی یہی رائے ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :۔

لا یجوز شہادۃ النساء وحدھن الا علی ما لا یطلع علیه غیرھن من عورات النساء وحملھن وحیضھن | تنہا عورتوں کی شہادت صرف انہی امور میں جائز ہے جن سے سوائے ان کے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا یعنی عورتوں کے قابلِ ستر مقامات اور حمل اور حیض سے متعلق ان کے بیانات پر فیصلہ کیا جائے گا اس کے لئے مرد کی شرکت ضروری نہیں سمجھی جائے گی)

---

[1] کتاب الام ج ۷، ص۹۴ ۔

حضرت علیؓ کا ایک قول اسی خیال کی تائید کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن بعض روایات اس کے خلاف بھی ملتی ہیں، چار خواتین نے حضرت علیؓ کے سامنے شہادت دی کہ فلاں عورت نے بچے کو پیر سے روند کر ہلاک کر دیا ہے تو آپ نے ان کی شہادت قبول کی۔

ایک دوسرا واقعہ ہند بنت طلق بیان کرتی ہیں کہ ہم چند عورتیں ایک جگہ تھیں، وہیں ایک بچہ کپڑے سے ڈھکا پڑا تھا۔ ایک عورت نے ادھر سے گزرتے ہوئے اس کو روند ڈالا۔ بچے کی ماں نے دعویٰ کیا کہ اس نے میرے بچہ کو ہلاک کر دیا۔ اس کی گواہی حضرت علیؓ کے سامنے دس عورتوں نے دی جن میں، میں بھی شامل تھی۔ تو حضرت علیؓ نے اس عورت پر دیت لازم کر دی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کے متعلق ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نکاح، طلاق، حدود اور خون کے معاملات میں عورت کی شہادت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ چار عورتوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے گواہی دی کہ فلاں شخص نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ آپ نے بیوی کو شوہر سے جدا کر دیا۔

بعض فقہا کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوانی معاملات میں تنہا خواتین کی گواہی جس بنیاد پر قبول کی جاتی ہے یعنی یہ کہ ان کا علم صرف خواتین ہی کو ہو سکتا ہے۔ اس نوعیت کے حالات جہاں کہیں بھی اور جن مسائل میں پیدا ہو جائیں ان کی شہادت قبول کی جانی چاہیے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے جو متضاد روایات منقول ہیں ان کے درمیان اس رائے کے ذریعہ تطبیق دی جا سکتی ہے کہ انھوں نے

تنہا خواتین کی شہادت ایسے حالات میں قابلِ رد قرار دی ہے جب کہ مردوں کو عورتوں سے زیادہ واقعات کے مطالعہ کے مواقع ہوں اور ان کی شہادت پر صرف ان صورتوں میں فیصلہ کیا ہے جن میں کہ ان کی شہادت قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا اور نہ قبول کرنے میں حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

تقبل شهادة النساء فی الحدود اذا اجتمعن فی العرس والحمام ونص علیه احمد فی روایة بکر بن محمد عن ابیه ونقل ابن صدقة فی الرجل یوصی باشیاء لاقاربه ویعتق لا یحضره الا النساء هل تجوز شهادتهن فی الحقوق والصحیح قبول شهادة النساء فی الرجعة فان حضورهن عند الرجعة ایسر من حضورهن عند کتابة الوثائق۔[1]

اگر خواتین باراتوں اور غسل خانوں میں جمع ہوں اور وہاں کوئی حد کے قابل سانحہ پیش آجائے تو ایسی صورت میں حدود سے متعلق ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ بکر بن محمد نے اپنے والد کے حوالہ سے امام احمد سے اس کی صراحتاً روایت کی ہے۔ ابن صدقہ نے ایک صورت نقل کی ہے کہ اگر ایک شخص اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرے اور اپنے غلام کو آزاد کرے لیکن اس وقت سوائے عورتوں کے اور کوئی موجود نہ ہو کیا اس طرح کے حقوق میں عورتوں کی گواہی جائز ہوگی؟ امام احمد نے فرمایا ہاں حقوق میں ان کی گواہی جائز ہے[2]۔ اسی طرح طلاق سے رجوع کے متعلق بھی ان کی شہادت قبول جائے گی کیونکہ دستاویزات کی تحریر کے وقت ان کا حاضر ہونا اتنا آسان نہیں جتنا کہ طلاق سے

---

[1] الاختیارات العلمیه المطبوع مع الفتاوی ص ۲۱۲ [2] ہم نے توسین کا اضافہ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۳۲ سے کیا ہے اس کے بغیر عبارت کا منشاء واضح نہیں ہوتا۔

رجوع کے وقت موجود ہونا آسان ہے۔ (یعنی جب پہلی صورت میں ان کی گواہی قبول کی گئی تو دوسری صورت میں بھی قبول کرنی چاہیے)

عطار بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ اگر آٹھ خواتین کسی عورت کے زانی ہونے کی شہادت دیں تو میں اس کو رجم کر دوں گا۔

علامہ ابن حزمؒ دو عورتوں کو ایک مرد کی حیثیت دینے کے بعد ہر حال میں اور ہر قسم کے حقوق و معاملات میں خواتین کی شہادت کو معتبر سمجھتے ہیں۔

قاضی شریحؒ کی بھی غالباً یہی رائے تھی۔ ایک گھر کے ساز و سامان کے متعلق ان کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ فریقین میاں بیوی تھے۔ شوہر کا دعویٰ تھا کہ مال و اسباب اس کا ہے لیکن چار عورتوں نے گواہی دی کہ یہ بیوی کا ہے۔ بیوی نے اپنے مہر کی قسم شوہر کے حوالے کی تو اس کے عوض شوہر نے یہ مال و اسباب اس کو دیا تھا۔ قاضی شریحؒ نے عورتوں کے اس متفقہ بیان کے مطابق شوہر کے خلاف فیصلہ کیا۔

اسی قسم کی ایک اور روایت آتی ہے کہ انھوں نے مہر کے ایک مقدمہ میں چار خواتین کی گواہی پر شوہر کے خلاف بیوی کے حق میں فیصلہ دیا۔

ایاس بن معاویہؒ نے طلاق کے سلسلہ میں دو عورتوں کی گواہی قبول کی ہے۔

حضرت معاویہؓ کے متعلق مروی ہے کہ صرف ام سلمہؓ کی شہادت پر انھوں نے ایک مکان سے متعلق قضیہ چکا دیا۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

عورت اور مرد کی مشترکہ گواہی

جن فقہائ نے ہر قسم کے معاملات میں تنہا خواتین کی شہادت کو معتبر مانا ہے۔ ان کے لئے خواتین اور مردوں کی مشترکہ شہادت کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا وہ اس کو ضرور ہی قبول کریں گے۔ یہاں اصل سوال ان فقہاء کے بارے میں پیدا ہوتا ہے جو نسوانی مسائل کے محدود دائرہ ہی کے اندر تنہا خواتین کی شہادت کو معتبر سمجھتے ہیں۔ اس دائرہ سے باہر جب تک عورت کے ساتھ گواہی میں مرد بھی شریک نہ ہو جائے وہ اس گواہی پر اعتماد کے لئے تیار نہیں ہیں۔ فقہاء کے اس گروہ کے درمیان اس پہلو سے اختلاف ہے کہ کن معاملات میں یہ مشترکہ شہادت قبول کی جائے گی اور کن معاملات میں قبول نہیں کی جائے گی؟

مکحولؒ تابعی کہتے ہیں کہ صرف قرض کے سلسلہ میں عورتوں کی گواہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ربیعہؒ کی رائے ہے کہ عورتوں کی شہادت، نکاح، طلاق، حدود اور غلاموں کی آزادی کے متعلق تو قابل اعتبار نہیں ہے۔ البتہ ایسے حقوق اور معاملات جو باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں ان میں ان کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف مالی مسائل میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے بیان پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ گو کہ مالی مسائل کے تعین میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ تمام فقہائے احناف اور عثمان بتیؒ حدود و قصاص کے علاوہ ہر قسم کے مسائل میں عورت اور مرد کے مشترکہ بیان کو فیصلہ کی بنیاد تسلیم کرتے ہیں۔ ایک روایت سے امام سفیان ثوریؒ کا بھی یہی خیال ظاہر ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص میں بھی مشترکہ گواہی ان کے نزدیک جائز ہے۔

صرف حدود میں وہ اس کو فیصلہ کے قابل نہیں مانتے ۔ طاؤس کہتے ہیں کہ زنا کے علاوہ بقیہ تمام معاملات میں مشترکہ شہادت تسلیم کی جائے گی ۔ زنا میں اس لئے نہیں قبول کی جائے گی کہ اس حالت کا بغور دیکھنا عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے عطا ابن ابی رباح کی رائے میں زنا اور دوسرے معاملات میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ زنا میں بھی اگر تین مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو وہ قبول کی جائے گی ۔

گواہی کی اہلیت

فقہار نے خواہ بعض معاملات میں عورت کی شہادت قبول کی ہو یا کل معاملات میں لیکن جس حد تک بھی اس کی گواہی پر بھروسہ کیا ہے اس حد تک وہ اس کی ذہنی صلاحیتوں کا اعتراف ہے کیونکہ شہادت سادہ سی خبر اور اطلاع کو نہیں کہا جاتا بلکہ شہادت نام ہے کسی واقعہ کو اس کی حقیقی شکل میں مطالعہ کرنے اور اس کی بعینہ تعبیر کا ۔ یہ کوئی آسان اور سہل کام نہیں ہے بلکہ ایک بھاری ذمہ داری ہے جو آدمی اپنے سر لیتا ہے ۔ اتنی بھاری ذمہ داری کہ حاکمِ وقت اس کے مطابق بڑے سے بڑا اقدام کرنے پر مجبور ہے ۔ درمختار میں لکھا ہے :-

وحکمہا وجوب الحکم علی القاضی بموجبہا بعد التزکیۃ فلو امتنع بعد وجود شرائطہا اثم لترکہ الفرض واستحق العزل لفسقہ وعزر لارتکابہ مالا یجوز شرعاً وکفران لم یر الوجوب۔[۱]	شہادت کا حکم یہ ہے کہ تحقیق کے بعد قاضی پر اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر شرائط کے پائے جانے کے بعد وہ فیصلہ سے رکتا ہے تو گناہگار ہوگا کیونکہ وہ اس طرح ایک فرض کا تارک بن رہا ہے اور اپنے اس فسق کی وجہ سے معزولی کا مستحق ہوگا اور

[۱] درالمختار المطبوع علی حاشیۃ ردالمحتار ج ۴ ص

اس کی تعزیر کی جائے گی اس لئے کہ وہ ایسی حرکت کا مرتکب ہو رہا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور اگر وہ اس کے مطابق فیصلہ کو واجب ہی نہ سمجھے تو اس کی تکفیر کی جائیگی۔

اسی وجہ سے ہمارے فقہا نے لکھا ہے :۔

اھلیۃ القضاء تدور مع اھلیۃ الشھادۃ [1]

جہاں شہادت کی اہلیت ہوتی ہے وہاں قضا کی بھی اہلیت ہوتی ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں شہادت دے سکتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس معاملہ میں فیصلہ کرنے کا بھی اہل ہے اس لئے یہ بات قطعی طور پر معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ عورت کی شہادت کے متعلق اسلام کا صحیح نقطۂ نظر کیا ہے تاکہ ہم اس کی بنیاد پر فیصلہ کر سکیں کہ اس کی ذہنی صلاحیتیں اسلامی نقطۂ نظر سے کس حد تک اور کن پہلوؤں سے کارآمد اور مفید ہیں۔

عورت کی گواہی سے متعلق فقہاء کے خیالات کا تجزیہ

عورت کی شہادت سے متعلق فقہاء کے

جو خیالات ابھی بیان کئے گئے ہیں ایک طرف ان سب کا رد کر دینا دشوار بلکہ ناممکن ہے تو دوسری طرف ان کو جوں کا توں قبول کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ کسی ایک پہلو میں کسی فقیہ کا قول عقل و شریعت سے ہم آہنگ نظر آتا ہے تو دوسرے پہلو میں دوسرے فقیہ کی رائے وزنی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں کوشش کی جائے گی کہ ان مختلف افکار کی روشنی میں اصولِ دین اور فہم انسانی سے قریب تر رائے دریافت کی جائے۔

امام مالکؒ ہوں یا امام شافعیؒ یا فقہاء کا وہ گروہ جو صرف قرض یا مالی مسائل

---

[1] بدائع الصنائع ج ۷، ص۳

کی حد تک شہادتِ نسواں کو جائز سمجھتا ہے۔ اس کی رائے اس تصور پر مبنی ہے کہ عورت کا حافظہ اور فہم اصلاً اس قابل نہیں ہوتا کہ کسی معاملہ میں اس پر اعتبار کیا جائے مگر چونکہ بعض حالات میں اس کی عقل وفہم پر اعتماد کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ اس لئے مجبوراً اس کی شہادت کی بنیاد پر معاملات کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے چنانچہ مالکی فقہ کی مشہور کتاب مدوّنہ میں لکھا ہے۔

شھادۃ النساء انما جازت علی وجہ الضرورۃ۔ [1]	عورتوں کی گواہی ضرورت کی بنا پر جائز ہوئی ہے۔

اس تصور کی اساس ایک تو اس بات پر ہے کہ قرآن مجید نے مختلف مسائل زنا، قذف، طلاق اور اس سے رجوع، وصیت اور قرض لین دین سے بحث کرتے ہوئے شہادت کے احکام بیان کئے ہیں لیکن صرف قرض کے سلسلہ میں عورت کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے خود وہ الفاظ ہیں جن میں اس کی شہادت کا حکم بیان ہوا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى	گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو کو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ یہ گواہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم گواہ کی حیثیت سے پسند کرتے ہو۔ (ایک مرد کی جگہ دو عورت اس لئے کہ) ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلادے۔

---

[1] المدونتہ الکبریٰ ج ۴ ص ۸۳۔

ان دونوں باتوں سے ان بزرگوں نے یہ سمجھا کہ قرض یا اس نوعیت کے دیگر مسائل کے علاوہ بقیہ معاملات میں اس کی شہادت جائز نہیں ہے اور قرض کی نوعیت کے مسائل میں بھی اس کی شہادت کے قبول کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ قدم قدم پر ان مسائل سے سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ہر وقت صرف مردوں کی شہادت کا فراہم ہونا دشوار ہے۔

پھر آیت کے ظاہر الفاظ کی بنا پر یہ اصول بھی ان حضرات نے وضع کیا ہے کہ عورت کی شہادت اسی وقت قابلِ قبول ہوگی جب کہ گواہی دینے میں اس کے ساتھ مرد بھی شریک ہو کیونکہ عورت کی شہادت بربنائے ضرورت جائز کی گئی ہے اس لئے جس شکل میں اور جس حد تک اجازت دی گئی ہے اس سے تجاوز صحیح نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

فلا یجوز من شہادتھن شئ وان کثرن الا ومعھن رجل [1]

عورتوں کی کسی قسم کی شہادت جائز نہیں ہے خواہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں الا یہ ان کے ساتھ کوئی مرد ہو۔

ہمارے خیال میں یہ تینوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ پہلی بات اس لئے صحیح نہیں ہے کہ احکامِ شریعت دونوں اصنافِ انسانی کے لئے عام ہوتے ہیں، کسی حکم کے ذیل میں صراحت کے ساتھ عورت کا ذکر نہ کئے جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہاں اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس طرح تو شریعت کے بیشتر احکام کی وہ مکلف ہی نہیں رہے گی۔

---

[1] کتاب الام ج ۷، صـ۴۲۔

باقی رہا قرآن مجید کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ عورت کی شہادت بربنائے ضرورت قبول کی گئی ہے تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ خود اس مسلک کے حاملین تسلیم کرتے ہیں کہ گواہی دینے والے دو مردوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ میں ایک عملی صورتِ حال سے بحث کی گئی ہے اور وہ یہ کہ قرض کا لین دین ہو یا اسی نوعیت کے دوسرے معاملات، ان سے واسطہ عموماً مردوں ہی کو پڑتا ہے اس لئے شریعت نے یہاں اصلاً ان کی شہادت کے احکام بیان کئے ہیں۔ عورت کو اپنی خانگی مصروفیات کی بنا پر ان معاملات میں شرکت کا بہت کم موقعہ ملتا ہے لہذا اس کی شہادت کا تذکرہ بھی ضمناً کیا گیا ہے۔

اسی طرح ان حضرات کا استدلال کہ عورت کی شہادت کے قابل قبول ہونے کے لئے کسی نہ کسی مرد کا شریکِ شہادت ہونا ضروری ہے تسلیم کئے جانے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اگر اس استدلال کو صحیح قرار دیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ شہادت کی جو دو صورتیں اگر اس آیت میں بیان کر دی گئی ہیں کسی دعویٰ کے اثبات کی بس وہی دو صورتیں ہیں، حالانکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ مانتے ہیں کہ آیت میں جن صورتوں کا ذکر ہے ان سے ہٹ کر اگر کوئی شخص اپنے دعوے پر صرف ایک گواہ پیش کرے اور قسم کھائے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

حنفیہ نے ان اعتراضات سے دامن بچا کر بہت ہی محتاط اور معقول روش اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ فقہ حنفی کے خیالات سے اسی اسکول کے ایک بہت بڑے محقق علامہ ابو بکر جصاصؒ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ذیل کی

سطور میں ہم ان کی بحث کو اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

"آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مشترکہ شہادت دو مردوں کی شہادت کا بدل ہے کیونکہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ شہادت کا اصلاً ایک ہی طریقہ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا کم از کم اس حد تک اجماع ہے کہ دو مردوں کی عدم موجودگی میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بن سکتی ہیں تو گویا یوں کہنا چاہیے کہ قرآن مجید نے شہادت کی دو مختلف صورتیں پیش کی ہیں۔

اب جب کہ عورت کی یہ حیثیت تسلیم کرلی گئی کہ وہ گواہ بن سکتی ہے تو جس معاملہ میں بھی شہادت کی ضرورت پڑے ہم اس کو بطور گواہ پیش کر سکتے ہیں مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ لا نکاح الا بولی و شاھدین (ایک ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے) آیت میں بیان کردہ اصول شہادت کے مطابق ہمارے لئے جائز ہوگا کہ نکاح میں یا تو دو مردوں کو گواہ مقرر کریں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو۔ اسی طرح شریعت کے اس ضابطہ "البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ" (دعوی کرنے والے پر دلیل فراہم کرنے کی ذمہ داری ہے اور بصورت دیگر جس کے خلاف دعوی دائر کیا جائے اس پر قسم ضروری ہے) کے تحت اگر کوئی شخص اپنے دعوی کی دلیل میں مشترکہ شہادت پیش کرے تو اس کا دعوی ثابت ہوجانا چاہیے۔

خود آیت کے الفاظ ——— جب تم ایک مقررہ مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرو، دلالت کرتے ہیں کہ عورت کی گواہی صرف مالیات تک محدود نہیں ہے کیونکہ قرآن نے ان الفاظ کے ذریعہ نہ صرف قرض کے سلسلہ میں اس کی شہادت منظور کی ہے بلکہ ادائیگی قرض کے لئے جو مدت متعین کی جائے اس کے متعلق بھی

اس کے بیان پر اعتماد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ تو کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مدت کا تعلق صرف مالیات سے ہوتا ہے۔ کیونکہ کفالتِ نفس اور آزاد انسانوں سے غیر مالی قسم کے منافع کی بھی مدت مقرر ہو سکتی ہے۔ اسی طرح دعوی قتل یا معافی قتل کے دعوئی پر دلیل فراہم کرنے کے لئے حاکم ایک خاص وقت تک مہلت دے سکتا ہے۔ اگر کچھ دیر کے لئے یہ فرض بھی کیا جائے کہ مدت کا تعلق صرف مالیات سے ہے تب بھی یہ لازم آتا ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں اس کی شہادت قبول کی جائے کیونکہ کسی شخص کے لئے ایک نامحرم عورت سے استمتاع کا حق مہر کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ایک خالص مالی معاملہ ہے۔

اسی طرح ظاہر الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ قرض کی نوعیت رکھنے والے تمام معاملات میں مرد اور عورت کی مشترکہ شہادت کو قبول کیا جائے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ قرض کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ ایک چیز دی تو جائے فی الحال اور اس کا بدل بعد میں ادا کیا جائے یہ صورت بہت سے معاملات میں پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نکاح کے ذریعہ کسی نامحرم عورت سے استمتاع کا حق حاصل کرے اور یہ طے کرے کہ اس کا عوض یعنی مہر بعد میں دے گا۔ یا قتل کے سلسلہ میں مال پر صلح ہو جائے تو یہ مال قتل کا عوض بن جائے گا۔ کرایوں میں بھی یہی صورت ہوتی ہے کہ ایک چیز اس وقت دی جا رہی ہے جس کا عوض بعد میں ہمیں مل رہا ہے، گویا قرض کا لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت ہی وسیع ہے۔ اس لئے قرآن کے حکم کے مطابق یہ مفہوم معاملات کی جن جن شکلوں پر حاوی ہو ان سب میں عورت کی شہادت

قبول کی جانی چاہیئے۔

ہمارے خیالات کی تائید بہت سے عملی نظائر سے بھی ہوتی ہے حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قابلہ (دایہ) کی شہادت قبول کی۔ ظاہر ہے ولادت کا تعلق مالیات سے قطعاً نہیں ہے۔ ولادت کے معاملہ میں تمام لوگ متفق ہیں کہ عورت کی گواہی جائز ہے اگر اختلاف ہے تو نصاب شہادت میں نہ کہ نفس شہادت میں۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کی شہادت مالیات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نکاح کے سلسلہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو جائز قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔ ابو لبیدؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلاق کے سلسلہ میں عورت کی گواہی کو معتبر مانا ہے عطاءؒ تابعی اور شعبیؒ نے بھی طلاق کے معاملہ میں عورت کی شہادت قبول کی ہے۔ محمدؒ بن حنفیہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ شادی بیاہ سے متعلق عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ قاضی شریحؒ نے غلامی کے معاملہ میں مشترک شہادت کو صحیح مانا ہے۔

ان دلائل کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ مشترک شہادت ہر معاملہ میں قابلِ قبول ہونی چاہیے۔ الا یہ کہ شریعت کسی خاص معاملہ میں اس کی شہادت کو ماننے سے انکار کردے۔ جیسا کہ اس نے حدود و قصاص میں کیا ہے۔ امام زہری روایت کرتے ہیں :۔

مضت السنة من رسول اللہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین	بعد کے دو خلفا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت
من بعدہ ان لا تجوز شہادۃ	عمرؓ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ حدود اور
النساء فی الحدود ولا فی	قصاص میں عورتوں کی شہادت کو جائز
القصاص۔ لہ	نہیں سمجھتے تھے۔

عورت کی شہادت پر فقہِ حنفی کے ایک اور نامور محقق علامہ ابن الہمامؒ نے ایک دوسرے پہلو سے بحث کی ہے۔ اس بحث میں جو باتیں اوپر گزر چکی ہیں ان کو حذف کر کے بقیہ اہم نکات کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں، تاکہ مسئلہ اپنے حقیقی خدوخال کے ساتھ نکھر کر سامنے آجائے۔

شہادت کی چار قسمیں ہیں (۱) زنا کی شہادت۔ یہ شہادت مکمل ہوتی ہے چار مردوں کے متفقہ بیان سے، چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ (پس تم گواہ بناؤ زنا کا ارتکاب کرنے والیوں پر اپنے میں سے چار کو")

یہاں اللہ تعالیٰ نے مردوں سے خطاب کرتے ہوئے "اپنے میں سے چار" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اب اگر تین مردوں اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے تو قرآن کے بتلائے ہوئے عدد اور معدود دونوں کے خلاف پڑتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشترک شہادت کے عام اصول اور اس آیت میں تعارض ہے۔ یعنی اس اصول کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر معاملہ میں عورت کی شہادت معتبر مانی جاتی لیکن یہ آیت زنا کے سلسلہ میں اس کی گواہی قبول

لہ احکام قرآن ج ا صفحہ ۵۹۶ تا ۵۹۸۔

کرنے سے روکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دوسری آیت کو اس عام اصول پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جواز اور حرمت کے درمیان جہاں مقابلہ ہو تو حرمت ہی پر عمل ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ شریعت کا حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود کو رفع کرو، اگر اثباتِ زنا کے لئے یہ ضروری قرار دیا جائے کہ اس کے گواہوں میں صرف مرد ہی ہوں اور عورت نہ ہو تو اس شرط کی وجہ سے زنا کے ثابت کرنے میں اتنی آسانی نہیں رہے گی جتنی آسانی کہ اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اس طرح منشائے شریعت کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔

تیسری بات یہ کہ قرآن نے جن الفاظ میں عورت کی شہادت قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی اگر شاہد دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ مقرر کرو۔ اس کا مطلب گو یہ نہیں ہے کہ مشترک شہادت کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ اور وہ دو مردوں کی شہادت کا بدل ہے، لیکن بہرحال ان الفاظ سے بدلیت کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء اس طرف گئے بھی ہیں اور شبہ کے ہوتے ہوئے حدود میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) زنا کے علاوہ بقیہ حدود کی شہادت اس دوسری قسم میں بھی مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر عورت کی شہادت معتبر نہیں ہے بہتان کے ثبوت کے لئے بجائے چار کے دو مرد کافی ہیں۔ قصاص کا بھی یہی حکم ہے (۳) شہادت کی تیسری قسم میں حدود و قصاص اور عورت کے مخصوص مسائل کے علاوہ دوسرے تمام معاملات داخل ہیں خواہ ان کا تعلق مالی حقوق سے ہو یا نہ ہو مثلاً نکاح، طلاق سے رجوع، عدت، استبراءِ رحم، اولاد،

حسب ونسب، وقف، صلح، ہبہ، اقرار، وصیت، وکالت، اور غلاموں کا آزاد کرنا وغیرہ۔ ان تمام معاملات میں دو مردوں کی شہادت بھی قابلِ قبول ہے اور ایک مرد اور دو عورتوں کی بھی۔

(۴) رہے ایسے مسائل جن کا علم صرف عورتوں ہی کو ہو سکتا ہے مثلاً ولادت، دوشیزگی، قابلِ ستر مقامات کے عیوب وغیرہ تو ان میں ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے اور اگر مرد ہوں تو اور بھی اچھا ہے۔" [۱]

اس بحث کا سب سے وزنی اور قیمتی پہلو یہ ہے کہ حنفیہ نے بعض دوسرے فقہاء کے مقابلہ میں وسعتِ نظر کے ساتھ مسئلہ کا مطالعہ کیا ہے اور نصوصِ شریعت کے پیچھے جو اسباب اور حکمتیں کام کر رہی ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے عورت کی عقل و فہم کو بالکلیہ ناقابلِ اعتبار، یا زندگی کے صرف ایک، یا چند پہلوؤں ہی میں لائق توجہ نہیں قرار دیا بلکہ بیشتر معاملات میں اس پر بھروسہ کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ فقہِ حنفی اس بات کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکی ہے کہ کن مسائلِ حیات میں کس حد تک اس کی ذہنی قوتوں پر اعتماد صحیح ہے؟ اسی وجہ سے ہمیں ان کے خیالات میں تضاد ملتا ہے۔

حنفیہ نے زندگی کے مختلف مسائل کو جس طرح تقسیم کیا ہے اس میں زنا اور مخصوص نسوانی مسائل کے علاوہ بقیہ مسائل کے فیصلہ کے لئے کم از کم دو شہادتوں کو ضروری سمجھا ہے۔ ہم یہاں اس شرط کی قطعیت سے بحث نہیں کر رہے ہیں کہ آیا ہر حال میں دو ہی شہادتیں لازمی ہیں یا ایک شہادت کی بنیاد پر بھی فیصلہ

---

[۱] فتح القدیر ج ۶ ص ۷

ہو سکتا ہے؟ بلکہ تھوڑی دیر کے لئے اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ نسوانی مسائل اور دیگر مسائل میں کونسا بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے پہلے قسم کے مسائل میں صرف ایک شہادت کافی ہو جاتی ہے اور دوسری قسم کے لئے ناکافی؟ اس کا جواب فقہِ حنفی کے امام وقت علامہ بدرالدین کاشانی المتوفی ۵۸۷ھ نے دیا ہے پہلے اسے ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:۔

"سوائے پیغمبر کے کسی بھی شخص کی شہادت سے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بہر حال کسی نہ کسی پہلو سے غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے صرف پیغمبر ہی کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کا بیان ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔ کسی صادق و امین انسان کی گواہی زیادہ سے زیادہ "ظنِ غالب" کا فائدہ دے سکتی ہے اور "ظنِ غالب" کے حصول کے لئے ایک قابلِ اعتماد آدمی کی شہادت بھی کافی ہے (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)، قرآن مجید نے شہادت کے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ خالص تعبدی ہیں اور ان کی حکمت عقل کی گرفت میں نہیں آتی۔ اس لئے ان اصول کی جو شکلیں شریعت نے متعین کر دی ہیں ہم اس کی پابندی پر مجبور ہیں اور باقی صورتوں میں مذکورہ بالا قاعدہ پر عمل ہوگا۔ چنانچہ اس نے عورت کی شہادت کی ایک خاص صورت کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ مرد کے ساتھ مل کر گواہی دے رہی ہو لیکن جن معاملات میں صرف عورتیں گواہ ہوں ان کے متعلق قرآن خاموش ہے۔ ان میں ہم اسی قاعدۂ کلیہ پر عمل کریں گے۔ اس کی تائید حضورؐ کے اسوہ سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے ولادت کے سلسلہ میں ایک دایہ کی شہادت قبول کی" [1]

---

[1] بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۷۰۔

دلیل پر کئی ایک اعتراضات واقع ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس دلیل کو اگر صحیح مان لیا جائے تو عورت کے مخصوص مسائل میں ایک عورت کی شہادت تو کافی ہونی چاہیئے۔ لیکن ایک مرد کی شہادت ناکافی کیونکہ شریعت نے گواہی کی جو صورتیں پیش کی ہیں ان میں یا تو مردوں کی گواہی کا ذکر ہے۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا صرف ایک مرد کی شہادت کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کے پاس اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ جن مسائل میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہو، ان میں بدرجۂ اولیٰ ایک مرد کی گواہی پر اعتبار کیا جانا چاہیئے۔

اس اصول کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ جب "ظن غالب" کے پیدا کرنے میں مرد اور عورت برابر ہیں تو دونوں کو مساوی حیثیت ملنی چاہیئے لیکن حنفیہ نے کسی بھی مسئلہ میں عورت اور مرد کی عقل و فہم کو برابر نہیں سمجھا۔

اس کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے ہر معاملہ کے فیصلہ کے لئے صرف ایک گواہی کافی ہونی چاہیئے۔ حالانکہ قرآن نے مختلف معاملات کے لئے نصاب شہادت مختلف مقرر کیا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ نصاب شہادت ایک خالص تعبدی حکم ہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حکم اپنے اندر بہت ہی نمایاں حکمت رکھتا ہے جسے خود علامہ کاشانی نے تسلیم کیا ہے۔

ولانه اذا کان فرداً یخاف علیه السهو والنسیان لان الانسان مطبوع علی السهو والغفلة نشرط	کیونکہ جب ایک فرد ہو تو بھول چوک کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے کہ انسان کی فطرت میں سہو اور غفلت داخل ہے۔ شہادت میں عدد کی

العدد فی الشھادۃ لیذکر البعض البعض عند اعتراض السھو والغفلۃ کما قال اللہ تعالیٰ فی اقامۃ امرأتین مقام رجل فی الشھادۃ ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ [1]

شرط اس لئے رکھی گئی ہے کہ اگر بھول ہو جائے یا غفلت پیش آجائے تو گواہ آپس میں یاد دہانی کرا سکیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو رکھنے کی علت بیان کی ہے "اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا سکے۔"

اگر واقعتاً یہ حکمت ہے اور ایسی حکمت کہ اس کو نظر انداز کر کے صرف ایک شہادت کی بنا پر فیصلہ کے ہم مجاز نہیں ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ نسوانی مسائل کے فیصلہ کے لئے کم از کم دو عورتوں کی شہادت ضروری قرار دی جائے جیسا کہ امام مالکؒ کا مسلک ہے اور اس کی ذہنی صلاحیتوں کو ناقص تسلیم کرنے کے بعد تو چار عورتوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ صحیح نہیں معلوم ہوتا جیسی کہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ اپنے مسلک کی تائید میں حنفیہ نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس سے بحث ہم آگے چل کر کریں گے۔

حنفیہ نے ایک اصول یہ بیان کیا ہے کہ حدود و قصاص میں عورت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا حافظہ کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی شہادت میں غلطی کا احتمال رہتا ہے اور شریعت حدود و قصاص کے اثبات کے لئے انتہائی قطعی اور یقینی دلائل کا مطالبہ کرتی ہے باقی اور معاملات میں اتنی قطعیت کو وہ ضروری نہیں سمجھتی۔ اس لئے دلائل میں کسی قدر شبہ کے

---

[1] بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۷۷

باوجود ان کے متعلق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

اس اصول کی رو سے حدود و قصاص کے علاوہ بقیہ مسائل کے فیصلے صرف خواتین کی شہادت پر صحیح ہونے چاہئیں۔ لیکن حنفیہ مخصوص نسوانی مسائل کے علاوہ کسی بھی مسئلہ میں ان کی شہادت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جب تک کہ ان کے ساتھ گواہی میں کوئی مرد شریک نہ ہو۔ اس اعتراض کا جواب انھوں نے یہ دیا ہے کہ:۔

انّ القیاس یقتضی قبول ذٰلک لکنہ ترک ذٰلک کی لا یکثر خروجھن ... [1]

قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ تنہا خواتین کی شہادت بھی قبول کی جائے لیکن اس پر عمل اسلئے نہیں کیا جاتا کہ گھروں سے باہر ان کی بہت زیادہ آمد ورفت نہ ہونے لگے۔

غور کیجیے! یہ کتنی کمزور دلیل ہے کہ ایک شخص چار پختہ سیرت اور قابل اعتماد خواتین کے سامنے کسی مفلوک الحال اور محتاج انسان کے لئے وصیت کرجاتا ہے۔ کیا شریعت کے تقاضے اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ یہ وصیت محض اس مصلحت کی بنا پر نافذ نہ ہو کہ ان خواتین کو گھر سے باہر نکلنا نہ پڑے یا اس بات کا کہ اس مصیبت زدہ شخص کو مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ان کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی جائے؟

اصل سوال حنفیہ کے اس دعویٰ کے بارے میں پیدا ہوتا ہے کہ ایک مرد کے قائم مقام دو عورتوں کو کرنے کے باوجود ان کے بیان میں غلطی کا احتمال رہتا ہے۔

---

[1] العنایۃ المطبوع، علی حاشیۃ فتح القدیر ج ۶ ص ۸

کیونکہ انسانی تجربات سے اس دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ فرض کیجیے کہ خاص عورتوں کے کسی مجمع میں جھگڑا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک عورت ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس ہلاکت کے اسباب پر انتہائی فقہ اور عقل و فہم رکھنے والی آٹھ عورتیں متفقہ بیان دیتی ہیں کیا عقل اور تجربہ یہی کہتا ہے کہ ان کے اس بیان کا وزن اتنا بھی نہیں ہے جتنا کہ چار عام مردوں کی شہادت کا ہوتا ہے؟ اس سے بھی زیادہ حیرت یہ سوچ کر ہوتی ہے کہ کسی مالی معاہدہ پر ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت تو حنفیہ کے یہاں قابلِ اعتماد ہے لیکن چوری، زنا، قذف وغیرہ مقدمات میں ایک دو نہیں بیسیوں عورتوں کی گواہی بھی بھروسہ کے لائق نہیں ہے۔ عورت کی ذہنی صلاحیتوں کے بارے میں یہ انتہائی بدظنی ہے۔ تعجب ہے کہ فقہِ حنفی میں یہ کیسے جگہ پا گئی۔ اس فقہ کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیمات عقل کو اپیل کرنے والی ہوتی ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے حقیقت سے کس قدر قریب تر بات کہی ہے:۔

وبضرورة العقل یدری کل احد انہ لا فرق بین امرأة وبین رجل وبین رجلین وبین امرأتین وبین اربعة رجال وبین اربع نسوة فی جواز تعمد الکذب والتواطؤ علیہ وکذلک الغفلة ولو حینا انی ھذا لکان النفس اطیب علی شھادة ثمانی نسوة منھا علی شھادة اربعة رجال۔[1]

یہ بات بداہتاً ہر شخص جانتا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد اور دو مرد اور دو عورتوں اور چار مرد اور چار عورتوں کے درمیان اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عمداً جھوٹ بولیں اور اس پر متفق ہو جائیں یہی حال غفلت کا ہے خواہ ایک وقت ہی سہی (عورت اور مرد دونوں اس کا شکار ہو سکتے ہیں) اس لحاظ سے چار مردوں کی گواہی کے مقابلہ میں

[1] المحلی ج ۹ ص ۴۰۳۔

آٹھ عورتوں کی گواہی پر دل زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

انا لا نسلم ضعف شهادة المرأتين اذا اجتمعتا ولهذا نحكم بشهادتهما مع الرجل وان امكنه ان يأتي برجلين فالرجل والمرأتان أصل لا بدل والمرأة العدل كالرجل فى الصدق والامانة والديانة إلّا انها لما خيف عليها السهو والنسيان قويت بمثلها وذلك قد يجعلها اقوى من الرجل الواحد او مثله ولا ريب ان الظن المستفاد من رجل واحد دونهما ودون امثالهما۔[1]

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ دو عورتوں کی شہادت کمزور ہوتی ہے جب کہ وہ اس پر متفق ہوں یہی وجہ ہے کہ ہم مرد کے ساتھ ان دونوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں اگرچہ دو مرد گواہوں کا پیش کرنا ممکن ہی کیوں نہ ہو پس ایک مرد اور دو عورتیں اصل ہیں نہ کہ بدل۔ ایک قابل اعتماد عورت مرد ہی کے مانند ہے۔ سچائی، امانت اور دیانت میں مگر چونکہ اس پر سہو و نسیان کا اندیشہ کیا جاتا ہے اس لئے اس جیسی دوسری عورت کی تائید اس کو ایک مرد سے زیادہ قوی بنا دیتی ہے یا کم از کم اس کے برابر کر دیتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک شخص کی گواہی سے جو گمان حاصل ہوتا ہے وہ ان دونوں یا ان جیسی دوسری عورتوں کی گواہی سے حاصل شدہ گمان سے کم ہوتا ہے۔

حدود میں عورت کی شہادت کے قبول نہ کئے جانے پر حنفیہ نے بعض اور دلیلیں جو پیش کی ہیں وہ بھی کمزور ہیں، مثلاً یہ کہ زنا کی شہادت کے سلسلہ میں

---

[1] الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية ص ١٤٣۔

قرآن نے مردوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ تم میں سے چار گواہ ہوں لیکن جیسا کہ ہم اس سے پہلے عرض کر چکے ہیں اس خطاب میں عورتیں بھی شامل ہیں باقی یہ کہنا کہ عورتوں کو اس حکم میں شامل کرنے سے چار کے عدد میں اضافہ ہو جائیگا کیونکہ ایک مرد کی جگہ ایک عورت تو نہیں لی جا سکتی بلکہ دو عورتوں کو لینا پڑے گا ہمارے خیال میں یہ بات شریعت کے منشار سے کچھ میل نہیں کھاتی کیونکہ اہمیت کسی خاص تعداد کی نہیں بلکہ اس تعداد کے ذریعہ حاصل ہونے والے یقین کی ہے اگر دو عورتوں کی شہادت سے ایک مرد کی شہادت کا یقین حاصل ہوتا ہے تو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے۔

فقہار احناف اور دوسرے تمام فقہار جنھوں نے حدود و قصاص میں عورت کی شہادت پر اعتبار نہیں کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی دلیل امام زہری کی وہ روایت ہے جو علامہ جصاص رح کی تقریر کے ذیل میں ہم نے نقل کی ہے یعنی یہ کہ حضور ص اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی سنت یہ ہے کہ حدود و قصاص میں عورت کی شہادت قبول نہ کی جائے۔

خود جصاص رح نے اس روایت کی کوئی سند نہیں پیش کی ہے۔ البتہ ابن الہمام نے اس کو ابن ابی شیبہ رح کے حوالے سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ رح نے یہ روایت حفص بن غیاث سے لی ہے لیکن محدثین ان کو ثقہ اور قابل اعتبار قرار دینے کے باوجود مدلس سمجھتے ہیں [1] اگر ان کی اس کمزوری کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی روایت حجت کے قابل نہیں معلوم ہوتی کیونکہ حفص کو یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۴۱۵ تا ۴۱۸۔

واسطہ سے ملی ہے اور حجاج بن ارطاۃ نے اس کو امام زہری سے بیان کیا ہے حجاج بن ارطاۃ پر بھی تدلیس کا متفقہ الزام ہے اسی لئے بیشتر محدثین کے نزدیک ان کی روایات قابل عمل نہیں ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰؒ اسی سے انکار کرتے تھے کہ حجاج نے امام زہری کو دیکھا ہے اور ان کے متعلق اتنی خراب رائے رکھتے تھے کہ ہمیں مزید گفتگو کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

کہتے ہیں کہ حجاج بن ارطاۃ نے مجھ سے کہا کہ ذرا امام زہری کا حلیہ بیان کرو کیونکہ میں نے انھیں دیکھا ہے۔ [1]

اسی وجہ سے علامہ ابن حزمؒ نے اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے [2]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہر معاملہ میں شہادتِ نسواں کو جائز سمجھتا ہے ہاں اس کی رائے یہ ضرور ہے کہ جن امور کا تعلق براہ راست مرد کی عملی زندگی سے ہے اور جو عورت کے دائرۂ کار سے خارج ہیں ان کے متعلق اس کی شہادت میں مرد کی شہادت سے کہیں زیادہ سہو و نسیان کا امکان ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی حقیقت تک رسائی میں آدمی کی فکر و فہم کو جتنا دخل ہوتا ہے اتنا ہی اس کی ذہنی ساخت اور عملی سرگرمیوں کو بھی ہوتا ہے۔ ایک واقعہ کسی کے دامنِ توجہ کو فوراً اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور وہ اس کی تہہ تک پہنچنے اور اس کے مالہ وما علیہ سے واقف ہونے کی سعی کرتا ہے لیکن دوسرے شخص کے لئے اس واقعہ

---

[1] حجاج بن ارطاۃ کے متعلق میزان الاعتدال ج ا ص۲۱۳، تہذیب التہذیب ج۲ ص۱۹۶ تا ۱۹۸ ملاحظہ ہو [2] المحلیٰ ج ۹ ص۴۰۳۔

میں کوئی کشش اور جاذبیت نہیں ہوتی اور وہ سرسری طور پر اس سے گذر جاتا ہے جیسا ایک کاروباری آدمی کا ذہن علمی مسائل میں اتنی مستعدی سے کام نہیں کرتا جتنا کہ ایک طالب علم کا کرتا ہے بلکہ خود علم کے مختلف شعبوں کا یہ حال ہے کہ ایک شعبہ کے ماہر کو دوسرے شعبہ کی معلومات اخذ کرنے میں بھی دشواری پیش آتی ہے ۔یہی حال عورت کا ہے۔ اس کا ذہنی سانچہ اور اس کے عمل کی دنیا دونوں مرد کے ذہنی سانچہ اور اس کی عملی دنیا سے بالکل مختلف ہیں، اس لئے وہ اپنے حدود عمل سے باہر ہونے والے واقعات کا مشاہدہ اور ضبط اتنی عمدگی کے ساتھ نہیں کر سکتی جتنی عمدگی کے ساتھ مرد کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود شریعت نے ان واقعات میں بھی اس کی شہادت قبول کی ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ شریعت عورت کی ذہنی صلاحیتوں پر ان امور میں بھی اعتماد کرتی ہے جو اس کی افتادِ طبع اور عملی سرگرمیوں سے کلی طور پر ہم آہنگ نہیں ہیں۔

رہے وہ معاملات جن میں وہ شب و روز لگی رہتی ہے اور جو اس کے ذوق اور رجحان سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں۔ ان میں شریعت نے اس کی گواہی کو مرد کی گواہی کی سی حیثیت دی ہے بلکہ شعبیؒ تو کہتے ہیں :۔

من الشھادات مالا یجوز فیہ	شہادت کی بعض ایسی قسمیں ہیں جن میں
الا شھادۃ النساء[1]	صرف عورتوں ہی کی شہادت جائز ہے۔

کسی واقعہ کا ثبوت صرف ایک یا دو آدمیوں کی زبانی شہادت ہی پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے داخلی اور خارجی علامات اصل حقیقت کی غمازی کرتے ہوتے ہیں لیکن یہ علامات زیادہ تر صریحی اور قطعی نہیں ہوتے بلکہ اشاراتی ہوتے ہیں۔ اس لئے

[1] الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ ص۱۳۲۔

شریعت نے فیصلہ کی بنیاد انسانوں کی قطعی اور دو ٹوک گواہی پر رکھی ہے۔ البتہ بعض مخصوص معاملات کے سوا تمام معاملات میں ان علامات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اگر یہ علامات کہیں واضح شکل میں موجود ہوں یا احتیاط اور تقویٰ کسی خاص طرح کے فیصلہ کا تقاضا کر رہے ہوں تو اس نے صرف ایک گواہ کو بھی کافی سمجھا ہے۔ عورت کے مخصوص مسائل میں بھی اس کا یہی طریقہ ہے۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں تین مختلف گھرانوں کے درمیان شادی بیاہ کے ذریعہ رشتہ قائم ہونے کے بعد ایک عورت حضرت عثمانؓ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ یہ سب میری رضاعی اولاد ہیں اور میں نے ان کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی شہادت کی بنا پر ان کے نکاح فسخ کرا دیئے۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کے فیصلہ ہی پر لوگوں کا عمل ہے۔[1]

روایتِ حدیث میں عورت پر اعتماد

اسی طرح امت نے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اس کی روایت کردہ احادیث پر کلی اعتماد کیا ہے اور مردوں اور عورتوں کی روایات میں کسی قسم کا فرق کیے بغیر دونوں کو یکساں اہمیت دی ہے۔ اس اہمیت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہؓ کے شوہر کے چند اونٹ فرار ہو گئے تھے، وہ ان کی تلاش میں روانہ ہوئے اور پا بھی گئے، لیکن اچانک اونٹوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک ہو گئے۔ فریعہؓ نے

---

[1] الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ ص ۲۸ ۔

حضور ص سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے لیکن انھوں نے نہ تو میرے لئے کوئی نان نفقہ چھوڑا ہے اور نہ اپنے بچوں کے لئے رہنے کی کوئی جگہ، اس لئے میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ آپ کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا عدت کے دن تمہیں اسی مکان میں گذارنے ہوں گے جس میں تمہیں اپنے شوہر کے انتقال کی خبر ملی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کے دورِ حکومت میں اسی قسم کا مسئلہ پیش ہوا۔ لوگوں نے ان کو بتایا کہ فریعہؓ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آچکا ہے اور حضورؐ نے ان کو جو حکم دیا تھا وہ معلوم کر لیا جائے۔ فریعہؓ کہتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے بلایا۔ میں پہنچی تو وہ بعض اور لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے متعلق حضورؐ کا فیصلہ ان کو سنایا تو انھوں نے میری نظیر پر عمل کیا اور جس عورت کو یہ مسئلہ درپیش تھا اسے بھی حکم دیا کہ جس مکان میں اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اسی میں عدت گزارے۔ [1] اس طرح حضرت عثمانؓ نے فریعہؓ کی روایت کو قانونی حیثیت دے دی۔

بعض بعض احادیث ہم تک ایسی سندوں سے پہنچی ہیں جن میں کئی کئی خواتین موجود ہیں۔ مثلاً فِتَن سے متعلق ایک حدیث امام مسلم نے ابوبکر بن ابی شیبہ، سعید بن عمرو، زہیر بن حرب اور ابن ابی عمر سے لی ہے۔ ان چاروں نے سفیان بن عُیینہ سے، سفیان بن عُیینہ نے امام زہری سے، امام زہری نے عروہ سے، عروہ نے زینب بنت ابی سلمہ سے، انھوں نے حبیبہ سے، انھوں نے اپنی ماں ام حبیبہ سے، اور انھوں نے زینب بنت جحش سے اس کی روایت کی ہے۔ [2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۷ [2] مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ فصل من اشراط الساعۃ خروج یاجوج و ماجوج۔

اسی حدیث کو امام ترمذی نے سعید بن عبدالرحمٰن اور دوسرے کئی ایک افراد کے حوالے سے مذکورہ بالا سند ہی سے نقل کیا ہے۔ [۱]

علم حدیث سے ابتدائی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ سعید بن عبدالرحمٰن، سفیان بن عینیہ، امام زہری اور عروہ بن زبیر کس پایہ کے محدث ہیں۔ امام مسلم اور امام ترمذی کا نام ہی ان کی عظمت کا آپ اپنا ثبوت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دور کے اکابر محدثین نے اس روایت کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

یہی نہیں بلکہ محدثین نے رواۃِ حدیث کے متعلق خواتین کی جرح و تنقید اور تعدیل و تصویب کو تسلیم کیا اور ان کی رائے کے مطابق کسی راوی حدیث کی روایات کو قبول یا رد کئے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ [۲]

یہاں ممکن ہے ایک سوال ذہن میں پیدا ہو وہ یہ کہ جب عقائد و عبادات، عادات و معاملات، اخلاق و قانون، غرض ہر شعبۂ زندگی سے متعلق اس کی روایات کو ویسی ہی اہمیت دی گئی ہے جیسی کہ مرد کی روایات کو دی گئی ہے تو کیوں زندگی کے تمام مسائل میں اس کی شہادت کو مرد کی شہادت کا درجہ نہیں دیا گیا، اس کی وجہ

---

[۱] ترمذی ابواب الفتن، باب ماجاء فی خروج یاجوج و ماجوج۔ اس حدیث کے بعض دوسرے سلسلوں میں حبیبہؓ کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ بقیہ تینوں خواتین کا ذکر ہے۔ امام بخاری نے ابواب المناقب، باب علامات النبوۃ اور دوسرے مقامات پر اسی دوسرے سلسلہ کو نقل کیا ہے۔ امام مسلم نے بھی اس دوسرے سلسلہ کو قبول کیا ہے [۲] ملاحظہ ہو علامہ ابن جوزی کی کتاب الکفایۃ فی علم الدرایۃ صفحہ ۹۷-۹۸۔

ہمارے خیال میں خالص نفسیاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے ساتھ انتہائی عقیدت و احترام کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اس لیۓ ان میں غفلت اور بے توجہی کا امکان دوسرے عام واقعات کے مقابلہ میں کم سے کم تر ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوہ کا مطالعہ ایک مومن جس نگاہ سے کرتا ہے اس نگاہ سے بازار میں ہونے والے واقعات کا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے شہادت اور روایت میں خود شریعت نے فرق کیا ہے۔

عورت کی عملی صلاحیتیں

گذشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت کی نگاہ میں زندگی کے مسائل دو طرح کے ہیں۔ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں عورت کی عقل و فہم پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے اور بعض مسائل وہ ہیں جن میں اس کی فہم کے لغزش کھانے کے امکانات زیادہ ہیں۔ عمل کے میدان میں بھی شریعت نے یہی تقسیم برقرار رکھی ہے چنانچہ ایک طرف شریعت اس کو قیادت و راہنمائی کا اہل نہیں سمجھتی کیونکہ قیادت کے لئے جن اوصاف و خصوصیات کی ضرورت ہے وہ اس میں نہیں ہیں، دوسری طرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے:-

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ [1]	عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اور اُن کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی (کہ کہاں تک اس نے اُن کے حقوق کا خیال رکھا۔

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام۔ باب قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ الخ ابوداؤد، کتاب الخراج و الفئ والامارۃ باب ما یلزم الامام من حق الرعیۃ۔

عورت کو کیوں گھر ہی کی حد تک ذمہ دار بنایا گیا۔ اس کی وجہ حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ میں یہ ہے :-

انما قید بالبیت لانھا لا تصل الی ما سواہ غالباً الا باذن خاص۔ لہ

آپ نے اس کی ذمہ داری کو گھر کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ گھر کے علاوہ کسی اور مقام تک اس کی رسائی نہیں ہوتی الایہ کہ کسی خصوصی اجازت سے فائدہ اٹھا کر وہ پہنچ جائے۔

یعنی اس کا دائرۂ عمل گھر ہی ہے، اس لئے گھر سے باہر اس کے ذمہ دار بنائے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ گھر کے اندر اس کے راعی اور نگراں ہونے کا مطلب کیا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو افراد اس کے زیر اثر ہیں اس کا فرض ہے کہ ان کے حقوق اور مفادات کی نگہداشت کرے۔ ان کو راہِ راست پر چلائے۔ اور غلط روی سے باز رکھے اور ان کے نفع و ضرر اور سود و زیاں کی اس طرح نگرانی کرے جس طرح ایک چرواہا جنگل میں بھیڑوں کی کرتا ہے۔ عورت کا فرض یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اس دولت اور ساز و سامان کی بھی محافظ اور امین بنائی گئی ہے جو شوہر نے اس کے تصرف میں دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صالح بیوی کی ایک صفت یہ بیان فرماتے ہیں :-

وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِی نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۔ ؎۲

اگر شوہر اس کی نگاہوں سے غائب ہو جائے تو وہ اپنے نفس (عصمت) اور اس کے مال کے

لہ فتح الباری ج ۵ ص ۱۳۲ ؎۲ ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب افضل النساء۔

معاملہ میں اس کے ساتھ خیر خواہی کرتی رہے۔

اس سے بھی آگے گھر کے تمام داخلی فرائض و واجبات اس کے ذمہ کئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان امور خانہ داری کی تقسیم اس طرح فرمائی تھی کہ حضرت فاطمہؓ اندرونی خدمات اور حضرت علیؓ باہر کے کام انجام دیں گے۔[1]

عورت کے یہ فرائض، فکر و عمل کی آزادی کا جس حد تک مطالبہ کرتے ہیں، شریعت نے اس حد تک اس کو اپنی صواب دید کے مطابق کام کرنے کی آزادی بھی دی ہے۔ ایک مرتبہ ہند بنت عتبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر ابو سفیانؓ کی شکایت کی کہ وہ پیسہ کے معاملہ میں ہاتھ روکے رہتے ہیں اور میرے اور میری اولاد کے تمام اخراجات پورے نہیں کرتے۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ میں ان کے علم اور اطلاع کے بغیر ہی ان کا مال لے لیا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا عرف عام کے مطابق تم اپنی اور اپنی اولاد کے حسب ضرورت ان کی دولت صرف کرسکتی ہو۔[2]

ایک خاص حد کے اندر اس کو شوہر کے مال سے صدقہ و خیرات کا بھی حق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ	جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ کرتی ہے
زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا	غلط طریقہ پر نہیں (بلکہ جائز حدود میں)، تو

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۱۸۹ [2] بخاری کتاب النفقات۔ باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأۃ ان تاخذ بغیر علمہ بقدر ما یکفیھا وولدھا بالمعروف، مسلم، کتاب الاقضیہ، باب قضیۃ ہند۔

أَجْرُ مَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُ مَا اكْتَسَبَ۔ [1]
اس کو اس خرچ کا اجر ملتا ہے اور شوہر کو اس کے کمانے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

خانگی زندگی میں عورت کی صلاحیتوں پر شریعت کے اعتماد کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اس کو اولاد کے سن شعور کو پہنچنے تک ان کی پرورش اور نگہداشت کے لئے مردوں سے زیادہ اہل اور موزوں سمجھتی ہے۔

ایک صحابی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس بیوی سے ان کے ایک بچہ بھی تھا اور وہ اس بچہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے لیکن بچہ کی ماں نے حضورؐ سے اس کے خلاف شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا:۔

أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي [2]
تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو دوسرا نکاح نہ کرلے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ شوکانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی أن الام اولی بالولد من الاب مالم یحصل مانع من ذلك کالنکاح وھو مجمع علی ذلك۔ [3]
اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ ماں باپ سے زیادہ بچہ کی پرورش کی حقدار ہے جب تک کہ کوئی حقیقی رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے مثلاً ماں کا دوسرا نکاح کرلینا، یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر سب کا اجماع ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ، مسلم، کتاب الزکوٰۃ۔ ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ باب المرأۃ تصدق من بیت زوجہا واللفظ لہ۔ [2] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب من احق بالولد۔ مستدرک ج ۲ صفحہ ۲۰۷
[3] نیل الاوطار ج ۷ صفحہ ۱۳۹۔

علامہ بدرالدین کاشانیؒ فرماتے ہیں :-

الاصل فيه النساء لانهن اشفق وارفق واهدىٰ الى تربية الصغار۔[1]	حضانت کا اصلاً حق عورتوں کو حاصل ہے کیوں کہ وہ (مردوں کے مقابلہ میں) زیادہ شفیق اور زیادہ مہربان ہوتی ہیں اور کم سنوں

کی تربیت کا سلیقہ اور صلاحیت ان میں زیادہ ہوتی ہے۔

خواتین کی جداگانہ تنظیم

جب عورت کو مرد پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت اور پرورش وہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتی ہے تو زندگی کے جس دائرہ میں بھی اس کی خدمات سوسائٹی کے لئے مفید اور کارآمد ہوں ان میں اس کو آگے بڑھنا پڑے گا۔ ہمارے خیال میں اس مقصد کے لئے اس کو انفرادی سعی کے ساتھ اجتماعی جدوجہد کی اجازت بھی دی جاسکتی ہے اس پر شریعت کوئی قدغن نہیں لگاتی۔ یہاں یہ بحث چھیڑنا صحیح نہیں ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں آیا خواتین کی کوئی تنظیم تھی یا نہیں؟ کیونکہ کوئی تنظیم جن اسباب وحالات کے تحت وجود میں آتی ہے وہ اسباب وحالات ہی اس وقت ناپید تھے یہی وجہ ہے کہ خواتین ہی کی تنظیم کیا معنی کسی بھی تنظیم کی کوئی نشان دہی نہیں کی جاسکتی لیکن اس کے باوجود اس تاریخی حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ مختلف دینی وملی ضروریات کے تحت خواتین جمع ہوتی تھیں اور بعض اوقات اجتماعی طور پر فکری وعملی مشکلات حضورؐ کے سامنے رکھتیں اور آپ ان کو حل فرماتے۔

---

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۴ ص ۴۱۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خواتین کی راہ میں پیش آنے والی ایک بڑی رکاوٹ کا ذکر کیا اور اس کو دور کرنے کی درخواست کی۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں "قال النساء" یعنی بہت سی عورتوں نے یہ گذارش کی۔ غالباً یہ گذارش تو سب ہی کی ہوگی۔ البتہ انہوں نے اس کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کسی ایک کو اپنا نمایندہ بنایا ہوگا۔ درخواست پیش کرنے والی خاتون کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے فرماتی ہیں:۔

ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللَّهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللَّهُ۔ [1]

آپ کی گفتگو اور وعظ و نصیحت سے مرد مستفید ہوتے ہیں (اور ہمیں اس کا موقع نہیں ملتا) لہٰذا آپ اپنے اوقات میں سے ہمارے لئے کوئی دن مقرر کیجئے جس میں ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ہمیں وہ باتیں بتائیں جن کی اللہ نے آپ کو تعلیم دی ہے آپؐ نے فرمایا اچھا تو فلاں دن فلاں جگہ تم جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ جمع ہوئیں تو حضورؐ ان کے پاس گئے اور اللہ نے جو دین آپ کو سکھایا ہے اس کی آپ نے ان کو تعلیم دی۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ مسلمان خواتین نے اپنی ایک ذہنی الجھن حل کرنے کے لئے اسماء بنت زیدؓ نامی بہت ہی سمجھدار اور زیرک خاتون کو اپنا ترجمان بنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ وہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کرتی ہیں:۔

---

[1] بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب تعلیم النبیؐ امتہ من الرجال والنساء مما علمہ اللہ الخ۔

إِنِّي رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ
جَمَاعَةِ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ كُلُّهُنَّ
يَقُلْنَ بِقَوْلِي وَعَلَى مِثْلِ رَأْيِي
إِنَّ اللهَ تَعَالَى بَعَثَكَ إِلَى الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ فَآمَنَّا بِكَ وَاتَّبَعْنَاكَ
وَنَحْنُ مَعْشَرُ النِّسَاءِ مَقْصُورَاتٌ
قَوَاعِدُ بُيُوتٍ وَمَوَاضِعُ شَهَوَاتِ
الرجال وحاملات اولادهم وان الرِّجَالَ
فُضِّلُوا بِالْجُمُعَاتِ وَشُهُودِ الْجَنَائِزِ وَالْجِهَادِ
وَإِذَا خَرَجُوا لِلْجِهَادِ حَفِظْنَا لَهُمْ
وَرَبَّيْنَا أَوْلَادَهُمْ أَفَنُشَارِكُهُمْ
فِي الْأَجْرِ يَا رَسُولَ اللهِ؟
فَالْتَفَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ إِلَى أَصْحَابِهِ
فَقَالَ هَلْ سَمِعْتُمْ مَقَالَةَ امْرَأَةٍ
أَحْسَنَ سُؤَالًا عَنْ دِينِهَا مِنْ
هَذِهِ فَقَالُوا بَلَى وَاللهِ يَا
رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرِفِي

میں قاصد ہوں مسلمان خواتین کی ایک
جماعت کی طرف سے جو میرے پیچھے ہے
سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں کہتی ہوں
اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میری رائے ہے
کہ اللہ نے آپ کو مردوں اور عورتوں ،
دونوں کی طرف بھیجا ہے۔ پس ہم سب آپ
پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی لیکن ہم
طبقۂ خواتین کا یہ حال ہے کہ وہ پابند،
پردہ نشین ، گھر میں بیٹھی رہنے والی ، مردوں
کی خواہشات کی مرکز اور ان کی اولاد کو
اٹھانے والی ہیں اور مردوں کو جمعوں میں
شرکت اور جنازوں اور جہاد میں حصہ
لینے کی بنا پر فضیلت دی گئی ہے۔ جب وہ
جہاد پر جاتے ہیں تو ہم ان کے مال و اسباب
کی حفاظت اور ان کے بچوں کی پرورش
کرتے ہیں تو کیا اے اللہ کے رسول! اجر و
ثواب میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک
ہوں گی ؟ حضور ص نے صحابہ کی طرف
اپنا رخ کیا اور پوچھا کیا تم نے کسی عورت

يا أسماءُ واعلمي من وراءكِ من النساءِ أنّ حُسنَ تبعّلِ إحداكنّ لزوجها وطلبها لمرضاته واتّباعها لموافقته يعدلُ كلّ ما ذكرتِ [1]

کو اپنے دین کے متعلق اس عورت سے زیادہ بہتر انداز میں سوال کرتے سنا ہے! صحابہ نے جواب دیا قسم خدا کی ہم نے نہیں سنا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اسماء!

جاؤ اپنے پیچھے جو عورتیں ہیں ان کو بتادو کہ تمہارا اپنے شوہروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی رضا جوئی اور ان کے ساتھ موافقت کے لئے ان کی اتباع کرنا ان تمام خدمات کے برابر ہے جن کا تم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اس طرح مختلف اوقات میں بعض اور عمومی الجھنوں کو نمائندہ خواتین صنفِ نسوانی کی طرف سے حضورؐ کے رو برو پیش کرتی رہی ہیں، مثلاً ابوداؤد کی روایت ہے:-

لمّا بايعَ رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليهِ وسلّم النساءَ قامتِ امرأةٌ جليلةٌ كأنّها من نساءِ مُضرَ فقالتْ يا نبيّ اللهِ إنّا كلٌّ على آبائنا وأبنائنا وأزواجنا فما يحلُّ لنا من

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک بڑی عورت جو قبیلہ مضر کی معلوم ہو رہی تھی کھڑی ہوئی اس نے کہا اے اللہ کے نبی ہم (ویسے ہی) اپنے باپوں اور اولاد اور شوہروں پر بوجھ بنی ہوئی ہیں تو کیا ہمیں ان کے مال و دولت سے کچھ

---

[1] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ اسماء بنت یزید بن السکن ونقل الحافظ المنذری عن البزار والطبرانی مختصر الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۶ ۔

اَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَاْكُلْنَهُ وَتُهْدِيْنَهُ؛ [1]

خرچ کرنے کا بھی حق ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں کھجور کی قسم کی کھانے پینے کی چیزیں، جس کو تم کھا بھی سکتی ہو اور ہدیہ بھی دے سکتی ہو۔

اس حدیث میں اس بات کی تو صراحت نہیں ہے کہ سوال کرنے والی صاحبہ کو تمام خواتین نے اپنی ترجمانی پر مامور کیا تھا لیکن بہت سی خواتین کی موجودگی اور سوال کی نوعیت صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ اُن کا ذاتی مسئلہ نہیں تھا۔

اس قسم کے تاریخی واقعات کے ساتھ جب ہم دین کی اصولی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خواتین کی علیحدہ جماعت سازی کی بالکل مخالف نہیں ہیں بلکہ ان سے اس کی تائید ہوتی ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عورتیں نماز کے لئے مردوں سے الگ جماعت بنا سکتی ہیں۔ اس سے پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ ورقہ بنت عبداللہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابیات کا بھی اس پر عمل رہا ہے۔ انھوں نے فرض اور نوافل دونوں طرح کی نمازیں باجماعت ادا کی ہیں اور خواتین ہی نے امامت کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔

عَنْ رَيْطَةَ الْحَنَفِيَّةِ قَالَتْ اَمَّتْنَا عَائِشَةُ فَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِى

ریطہ الحنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرض نماز میں ہماری امامت کی اور وسط

---

[1] ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ۔ باب المرأۃ تصدق من بیت زوجہا۔

الصّلاۃ المکتوبۃ [۱]

میں کھڑی ہوئیں (یعنی مردوں کی طرح امامت کے لئے صف سے آگے نہیں تھیں۔

عن تمیمۃ بنت سلمۃ عن عائشۃ ام المومنین انہا امت النساء فی الفریضۃ فی المغرب وقامت وسطھن وجہرت بالقرأۃ [۲]

تمیمہ بنت سلمہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے مغرب کی فرض نماز کی امامت کی اور عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہوئیں اور جہر کے ساتھ قرأت کی۔

عن حجیرۃ بنت حصین قالت امتنا ام سلمۃ فی صلاۃ العصر فقامت بیننا [۳]

حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں کہ ام سلمہؓ نے عصر کی نماز میں ہماری امامت کی اور بیچ میں کھڑی ہوئیں۔

عن عطاء عن عائشۃ انہا کانت تؤذن وتقیم وتوم النساء وتقوم وسطھن [۴]

عطا حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اذان بھی دیتی تھیں اور اقامت بھی کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت بھی کرتی تھیں اور امامت کے لئے عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔

عن سعدۃ بنت قمامۃ انہا کانت تؤم النساء وتقوم فی وسطھن [۵]

سعدہ بنت قمامہ سے روایت ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتیں اور درمیان میں کھڑی ہوتیں۔

---

[۱] دار قطنی صفحہ ۱۵۵ باب صلاۃ النساء جماعت وموقف امامہن۔ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ المحلی لابن حزم ج ۳ صفحہ ۱۲۶ [۲] المحلی لابن حزم ج ۳ صفحہ ۱۲۶ [۳] دار قطنی صفحہ ۱۵۵۔ المحلی ج ۳ صفحہ ۱۲۷ [۴] مستدرک ج ۱ صفحہ ۲۰۳ [۵] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرۃ سعدۃ بنت قمامۃ۔

عن عائشة انها کانت تؤم النسآء فی رمضان تطوعا وتقوم فی وسط الصف [1]

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ وہ رمضان میں نفل نماز (تراویح) میں امامت کرتی تھیں اور صف کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔

عن خیرۃ ان ام سلمۃ ام المومنین کانت تؤمھن فی رمضان وتقوم معھن فی الصف [2]

خیرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ رمضان میں ان کی امامت کرتی تھیں اور صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔

عن ابن عباس قال تؤم المرأۃ النساء تقوم وسطھن [3] وفی روایۃ ابن حزم تؤم المرأۃ النساء فی التطوع وتقوم وسطھن [4]

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورت، عورتوں کی امامت کر سکتی ہے اور وہ ان کے درمیان کھڑی ہوگی۔ ابن حزم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عورت نفل نماز میں خواتین کی امامت کر سکتی ہے اور ان کے بیچ میں کھڑی ہوگی۔

نماز حقیقت میں تنظیمِ امت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے، اسی لئے نماز کی امامت کو امامتِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی کا سوال پیدا ہوا تو مہاجرین نے حضرت ابو بکرؓ کا نام پیش کیا اور اس منصب کے لئے آپ کے اہل ہونے کی دلیل یہ دی کہ حضورؐ نے آپ کو نماز کی امامت کے لئے اپنی زندگی میں آگے بڑھایا تھا۔ اس دلیل کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ شریعت خواتین کو اپنی انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لئے اپنی تنظیمیں قائم کرنے سے

---

[1] کتاب الآثار للامام ابی یوسف ص۴۲ حدیث نمبر ۲۱۲ [2] المحلیٰ ج ۳ ص۱۲۷ [3] السنن الکبریٰ ج ۳ ص۱۳۱ [4] المحلیٰ ج ۳ ص۱۲۸۔

نہیں روکتی۔ اس طرح کی تنظیموں کو مختلف قسم کے معاشرتی امور انجام دینے کی آزادی دی جاسکتی ہے۔ وہ خواتین کی تعلیم و تربیت اور ان کی فلاح و بہبود کے دوسرے کام بھی کر سکتی ہیں بلکہ خواتین کو اپنی عدالتیں قائم کرنے اور قضا و نفاذِ قوانین کے حقوق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عورت اور منصبِ امامت

البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام عورت کو ملت کی قیادت اور رہنمائی کی اہل نہیں سمجھتا کیونکہ قیادت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ اس میں نہیں ہیں اور یہ انتہائی غیر فطری بات ہوگی کہ جن دائروں میں عورت کی قوتیں کام نہیں کر سکتیں ان میں بھی اُس پر اعتماد کر لیا جائے۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکل سکتا ہے کہ اجتماعی طور پر قوم ہلاکت اور تباہی کے کھڈ میں جا گرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

هلكت الرّجال حين اطاعت النساء[1] — مرد ہلاک ہوئے جب وہ عورت کی اطاعت کرنے لگے۔

ایک دوسرا فرمان جو اس سے زیادہ پرزور ہے:

لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً[2] — وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمامِ اقتدار عورت کے حوالے کر دی ہو۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ صفحہ ۲۹۱ [2] بخاری کتاب المغازی، باب کتاب النبی الی کسریٰ و قیصر ترمذی ابواب الفتن باب د بغیر عنوان ا نسائی۔ کتاب آداب القضاۃ۔

اس حدیث کی شرح میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں :-

فیہ دلیل علی ان المرأۃ لیست من اھل الولایات ولا یحل لقوم تولیتھا لان تجنب الامر الموجب لعدم الفلاح واجب۔ [1]	اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ عورت سرپرستی اور حکومت کی اہل نہیں ہے اور کسی قوم کے لئے اس کو سرپرست مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ عدم فلاح اور خسران کو لازم کرنے والے فعل سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ بھی نہیں ہے کہ اس میں دو رائیں ہوں اور ہمارے لئے کسی رائے کے اختیار کرنے کی آزادی ہو بلکہ امت کے تمام قابل اعتبار فرقوں کا اس مسئلہ پر اجماع ہے۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں :-

وجمیع فرق اھل القبلۃ لیس منھم احد یجیز امامۃ امرأۃ۔ [2]	اہل قبلہ (مسلمانوں) کے تمام فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو عورت کی امامت کو جائز سمجھتا ہو۔

امت کا یہ اتفاق عورت سے کسی بیر یا حقارت و نفرت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کی فطری کمزوریوں ہی کے باعث انہوں نے اسکو اس بار گراں کے قابل نہیں سمجھا ہے۔ مثلاً علماء نے لکھا ہے کہ منصب امامت کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جو دین کے اصول و فروع میں مجتہدانہ بصیرت رکھتا ہو کہ ہر طرح کی فکر رکھنے والے کو مطمئن کر سکے۔ معاملات میں ژرف نگاہ اور صلح و جنگ کی تدابیر سے پوری

---

[1] نیل الاوطار ج ۹ ص ۱۶۸ [2] الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ۴ ص ۱۱۰

طرح واقف ہو، ورنہ وہ دین وملت کو پیش آنے والے مسائل حل نہیں کرسکے گا۔ انتہائی جری اور عزم وحوصلہ کا مالک ہو تاکہ کوئی قوت اس کو اپنے فرض کی ادائیگی میں مانع نہ بن سکے۔ ظاہر ہے قدرت یہ صفات مردوں ہی کے اندر پیدا کرتی ہے اور وہ بھی ہر ایک میں نہیں صرف معدودے چند افراد میں، عورت کیوں منصبِ امامت کی اہل نہیں ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ سعد الدین تفتازانیؒ شرحِ مقاصد میں لکھتے ہیں:۔

والنساء ناقصات عقل ودین ممنوعات عن الخروج الی مشاهد الحکم ومعارك الحراب۔[1]

اس لئے کہ عورتوں کی عقل اور دین (ان کی جسمانی قوت) ناقص ہے اور ان کو فیصلہ کے مقامات (عدالتوں)، اور جنگ کے محاذوں پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل ہوا ہے کہ عورت گو کہ ان صفات سے عاری ہوتی ہے لیکن اس کو خلیفہ بنائے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے قابل افراد کے تعاون سے امور سلطنت انجام دے سکتی ہے لیکن یہ خواہ مخواہ کی توجیہ ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ذمہ داری کا اہل اس وقت ہوتا ہے جب کہ خود اس کے اندر اس ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت ہو۔ یہ کوئی خاندانی جاگیر نہیں ہے کہ بغیر کسی استحقاق کے از خود حاصل ہو جائے۔ اسی لئے علماء نے اس رائے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:۔

---

[1] ان مباحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۰۳ شرح داقف ج ۸ ص ۳۴۹

واما تقریرها فی نحو وظیفة الامام فلا شك فی عدم صحته لعدم اهلیتها خلافا لما زعمه بعض الجهلة انه یصح وتستنیب لان صحة التقریر یعتمد وجود الاهلیة وجواز الاستنابة فرع صحة التقریر [1]

لیکن اس کو امام کے منصب جیسے منصب پر متعین کرنا بلا شبہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ وہ اس کی اہل نہیں ہے بعض نادانوں کے اس خیال کے برعکس کہ اس کو امام مقرر کرنا درست ہے اور وہ اپنا نائب مقرر کرلے گی کیوں کہ کسی منصب پر تعین صحیح اس وقت ہوتا ہے جبکہ اہلیت پائی جائے اور نائب مقرر کرنا تو کسی منصب پر تعین کے صحیح ہونے کے بعد کی چیز ہے۔

کتابوں سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کس حیثیت اور مرتبہ کے افراد اس فکر کے حامل رہے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے صرف علامہ طبریؒ کے متعلق اس قدر لکھا ہے کہ وہ عورت کی امارت اور قضا کو جائز سمجھتے ہیں۔ [2]

عورت کن اجتماعی ذمہ داریوں کی اہل ہے؟

عورت اگر امت کی رہنمائی نہیں کرسکتی تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ کسی اجتماعی کام کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ عورت کے فطری دائرہ سے باہر بہت سی ایسی سماجی و معاشرتی ذمہ داریاں ہیں جن کے بارے میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وہ اس کو سونپی جاسکتی ہیں۔ علامہ ابن الہمام حنفی لکھتے ہیں:۔

ولیس فی الشرع سوی نقصان

شریعت نے عورت کے متعلق صرف یہ کہا

---

[1] رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۲۹۴

[2] فتح الباری ج ۸ ص ۹۷۔

عقلها ومعلوم انه لم يصل الٰى حد سلب ولايتها بالكلية الا ترى انها تصلح شاهدة وناظرة فى الاوقاف ووصية على اليتامىٰ ۔ ؎۱

ہے کہ اس کی عقل ناقص ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے اندر عقل کی کمی اس حد تک نہیں پہنچ گئی ہے کہ وہ کسی منصب کی اہل ہی نہ رہ گئی ہو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اوقاف کی نگراں اور متولی ہو سکتی ہے اور یتیموں کی دیکھ بھال کی وصیت کی جا سکتی ہے ۔

فقہ کی اس تصریح سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ عورت سماجی خدمات کی اہل ہے ۔ یہ تصریح کوئی قانونی کلیہ نہیں ہے ۔ اس پر قیاس کر کے دوسری بہت سی معاشرتی ذمہ داریوں کا بار اس پر ڈالا جا سکتا ہے لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ فقہا نے جو کچھ کہا ہے اس کی صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر کہا ہے لہذا اس کو کوئی ذمہ داری سونپنے سے پہلے ہر حال میں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ اس ذمہ داری کی متحمل بھی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اس کے ساتھ اس کے مزاج اور رجحانِ طبع کی رعایت بھی ضروری ہے ورنہ اس کی صلاحیتوں کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے بلکہ ہو سکتا ہے اس کی غیر فطری سرگرمیاں معاشرہ کے لئے نقصان دہ اور ضرر رساں ثابت ہوں ۔ ویسے بھی یہ انتہائی غیر دانشمندانہ فعل ہوگا کہ کسی شخص کو ایسے کسی کام کے کرنے کی دعوت دی جائے جس کے کرنے کی نہ تو اس میں طاقت ہو اور نہ وہ اس کے ذوق اور رجحان سے مناسبت رکھتا ہو جو بات ایک فرد کے لئے غلط ہو وہ ایک طبقہ اور ایک صنفِ انسانی کے لئے کیسے

؎۱ فتح القدیر ج ۵ ص۴۸۶ ۔

صحیح ہو سکتی ہے ؟

بعض اصولوں کی پابندی

عورت سماج اور معاشرہ کی جو بھی خدمت انجام دے اس کو چند بنیادی اصولوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔ ان اصولوں کو پس پشت ڈال کر وہ کسی بھی جدوجہد میں حصہ نہیں لے سکتی کیونکہ شریعت کی نگاہ میں اس کی شخصیت کی سلامتی و ارتقا اور معاشرہ کی فوز و فلاح دونوں ان اصولوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔

(۱) حقیقی پوزیشن پر نظر

ان میں پہلا اصول یہ ہے کہ اس کو ہر حال میں اپنی حقیقی پوزیشن پر نظر رکھنی پڑے گی وہ اصلاً خانگی زندگی کی معمار اور اس کے خوب و زشت کی ذمہ دار ہے اس لئے نہ تو ریاست اس امر کی مجاز ہے کہ اس سے کوئی ایسا کام لے جس سے اس کی اصل حیثیت مجروح ہوتی ہو اور نہ خود اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گھر کی دنیا اجاڑ کر زندگی کے دوسرے گوشوں کی آرائش و زیبائش میں لگ جائے۔ اگر وہ اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے تمدن و سیاست کی گتھیاں سلجھا نہ سکے تو اسلام کی نگاہ میں یہ کوئی معیوب بات نہیں لیکن اپنی حقیقی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر زندگی کے دوسرے دائروں میں اس کا جولانیاں دکھانا معصیت ہے۔ اگر اس کے دست و بازو کی توانائی مشینوں اور اسلحہ جات کی تیاری میں صرف نہیں ہوتی، اس کے قدم ملک و ملت کی راہ میں غبار آلود نہیں ہوتے تو یہ اس کی ناکامی کی دلیل نہ ہوگی جب کہ وہ اپنی قوت کے خزانوں کو ایسے دست و بازو اور ایسے دل و دماغ کی تیاری میں صرف کرے جن میں قوموں کی قسمت کے فیصلہ کا عزم و حوصلہ ہو اور جو صحیح معنی میں ملت کے معمار

اور اس کے خیر خواہ و خیر اندیش ہوں۔

(۲) خاوند کی اطاعت

اسلامی معاشرت اپنا ایک تفصیلی نقشہ رکھتی ہے اس نقشہ میں مرد کو قوّام تسلیم کیا گیا ہے یعنی وہ عورت پر امر و اقتدار کا حق رکھتا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ — مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔

لہٰذا ازدواجی زندگی کی فلاح و بہبود کے لئے وہ اپنی بیوی کو جن حدود و قوانین کا پابند کرنا چاہے، کر سکتا ہے اور جب تک اس کے یہ قوانین احکامِ شریعت اور اللہ کی مرضی سے متصادم نہ ہوں عورت کے لئے ان کی اتباع ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد صالح بیوی دنیا کی سب سے بڑی بھلائی اور نعمت ہے، صالح بیوی کی ایک صفت آپؐ نے یہ بیان کی:۔

اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ۔ [1] — اگر وہ حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔

ایک مرتبہ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ نیک عورتوں کی کیا صفات ہوتی ہیں؟ آپ نے جواب دیا:۔

اَلَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا یَکْرَہُ۔ [2] — وہ جو شوہر کو خوش کر دے جب وہ اس کو دیکھے اور اس کی بات مانے جب وہ حکم دے اور اپنے نفس اور مال میں کسی ایسی حرکت سے

[1] ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب افضل النساء [2] نسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر
مستدرک حاکم ج ۲ ص۱۶۱ واللفظ للاول۔

اس کی مخالفت نہ کرے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

اِثْنَانِ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمَا رُؤُوْسَهُمَا عَبْدٌ آبِقٌ مِنْ مَوَالِيْهِ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ عَصَتْ زَوْجَهَا حَتّٰى تَرْجِعَ [1]

دو طرح کے افراد کی نماز ان کے سروں سے اوپر نہیں جاتی (یعنی بارگاہِ الٰہی تک اس کی رسائی نہیں ہوتی)، وہ غلام جو اپنے آقا سے فرار ہو گیا ہو جب تک کہ وہ لوٹ نہ آئے

اور وہ عورت جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرے تا آنکہ وہ اس سے رجوع نہ کرے۔

میاں اور بیوی کی قانونی پوزیشن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے روشنی پڑتی ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے:-

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ [2]

عورتوں کے ساتھ انتہائی خیر و خوبی کی روش اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس اسیر ہیں۔

گویا عورت مرد کے کنٹرول میں اور اس کے حکم کے تابع ہوتی ہے اس کی اس حیثیت کو آپ نے دوسرے مواقع پر اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تَأْذَنَ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَهُوَ كَارِهٌ وَلَا تَخْرُجُ وَهُوَ

جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جسے وہ ناپسند کرتا ہو اور وہ گھر سے نکلے

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۴۳ بحوالہ طبرانی وحاکم [2] ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا۔ ابن ماجہ، ابواب النکاح۔ باب حق المرأۃ علی الزوج۔

كَارِهٌ وَلَا تُطِيعُ فِيهِ أَحَدًا وَلَا تَخْشُنَ بِصَدْرِهِ وَلَا تَضْرِبَهُ ۔ [1]

ایسی صورت میں جبکہ اس کا نکلنا شوہر کو ناگوار ہو اور (اسے چاہیئے) کہ شوہر کے معاملہ میں کسی کی اطاعت نہ کرے اور اس کے آنے پر خشونت نہ اختیار کرے اور نہ اس کو مار پیٹ کرے۔

عورت کا مسجد میں نماز پڑھنا فی نفسہ جائز ہے لیکن وہ اسی صورت میں مسجد جا سکتی ہے جب اس کو اس کا شوہر اجازت دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سفارش نقل کرتے ہیں :-

إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا [2]

تم میں سے کسی کی بیوی اگر مسجد جانے کی اجازت چاہے تو اجازت دیدی جائے اور بلا وجہ اس کو نہ روکے۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ نے ایک مقام پر امام نووی کا یہ قول نقل کیا ہے :-

استدل به على ان المرأة لا تخرج من بيت زوجها الا باذنه لتوجه الامر الى الازواج بالاذن۔ [3]

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت ہی سے نکل سکتی ہے کیونکہ اجازت دینے کا اختیار خاوندوں کو دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف مسجد جانے کی حد تک ہی وہ شوہر کے اذن کی پابند نہیں ہے بلکہ کسی بھی صورت میں اس کی مرضی کے بغیر وہ گھر نہیں چھوڑ سکتی، اسی

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۹۰ [2] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد [3] فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۶۔

حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاری نے مذکورہ بالا حدیث پر ان الفاظ میں باب باندھا ہے:۔

استئذان المرأة زوجها فی الخروج الی المسجد وغیرہ [1]

(مسجد وغیرہ کی طرف جانے کے لئے عورت کا اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے)

عورت کے سفرِ حج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

عن عبد اللہ بن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرأة لہا زوج ولہا مال ولا یأذن لہا فی الحج لیس لہا ان تنطلق الا باذن زوجہا۔ [2]

(عبد اللہ بن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی عورت کے متعلق یہ حکم روایت کرتے ہیں جس کا شوہر اور اس کے پاس (اتنا) مال بھی ہو کہ اس سے حج فرض ہو جائے لیکن اس کا شوہر اس کو حج کرنے کی اجازت نہ دے تو وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو نہیں جاسکتی۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، [2] دار قطنی ص۲۳۹، المعجم الصغیر طبرانی مطبوعہ ہند صفحہ ۱۲۰،

اس حدیث کے ایک راوی عباس بن محمد کو محدث ابن قطان نے مجہول الحال کہا ہے یعنی یہ نہیں معلوم کہ وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ لیکن اس حدیث کو امام بیہقی نے "السنن الکبریٰ" ج ۵ صفحہ ۲۲۳ میں ایک دوسرے سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے جس میں عباس بن محمد کی جگہ احمد بن محمد الازرقی ہیں جس سے طبرانی اور دار قطنی کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ترکمانی نے "الجوہر النقی" میں اس حدیث کے دو راویوں پر جرح نقل کی ہے۔ لیکن اس جرح میں محدثین متفق الرائے نہیں ہیں۔ ان دو راویوں میں سے ایک حسان بن ابراہیم ہیں جن کے متعلق امام نسائیؒ نے لکھا ہے کہ وہ روایت حدیث میں قوی نہیں تھے۔ اس کے برعکس امام احمدؒ جیسے (باقی ۲۴۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

ان نصوص کی وجہ سے تقریباً یہ طے شدہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے کہ عورت گھر سے باہر جانے کے لئے اپنے شوہر کے اذن کی پابند ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

ان منع الرجال نساءهم امر مقرر [1]

مردوں کو اپنی بیویوں کو (گھر سے باہر جانے سے) منع کرنے کا اختیار ایک ثابت شدہ بات ہے۔

اس مسلّمہ اصول کی خلاف ورزی پر فقہ حنفی شوہر کو بیوی کی تعزیر کا بھی حق دیتی ہے [2] لیکن بعض مستثنیٰ صورتیں بھی ہیں جن میں عورت خاوند کی اجازت کی پابند نہیں ہے، فقہاء حنفیہ نے اس طرح کی حسب ذیل صورتوں کی نشان دہی کی ہے۔

قالوا ليس للمرأة ان تخرج بغير اذن الزوج الا باسباب معدودة

فقہا نے کہا ہے کہ چند گنے چنے اسباب کے سوا کسی بھی سبب سے عورت کو اپنے خاوند کی

بقیہ صفحہ ۲۳۹: ماہرفن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو (میزان الاعتدال ج ۱ صـ۱۳۲ اور "تہذیب التہذیب" جلد ۲ صـ۲۴۶-۲۴۵) دوسرے راوی ابراہیم الصائغ ہیں۔ جن کو ابن جوزیؒ نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ لیکن یہ ابن جوزیؒ کے فطری تشدد کا مظہر ہے۔ اکابر محدثین نے ان کی روایات کو قابل قبول سمجھا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ صـ۱۴۳) بہرحال یہ روایت صحیح ہے۔ امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو نہیں جا سکتی۔ حنفیہ فرض حج کے لئے تو اجازت ضروری نہیں سمجھتے۔ البتہ ان کے نزدیک بھی شوہر اپنی بیوی کو نفل حج کے لئے جانے سے باز رکھ سکتا ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ج ۲ صـ۱۳۰ ۱۲۹۔

[1] فتح الباری ج ۲ صـ۲۳۶ [2] فتاویٰ قاضی خاں المطبوع علی حاشیہ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ صـ۴۴۲۔

اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کا حق نہیں ہے۔

منها اذا كانت في منزل يخاف
السقوط عليها ومنها الخروج
الى مجلس العلم اذا وقعت لها
نازلة ولم يكن الزوج فقيها و
منها الخروج الى الحج الفرض
اذا وجدت محرما ويجوز للزوج
ان يأذن لها بالخروج ولا يصير
عاصيا بالاذن ومنها الخروج
الى زيارة الوالدين وتعزيتهما
وعيادتهما وزيارة المحارم[1]

ان اسباب میں سے ایک یہ کہ وہ ایسے مکان میں ہو جس کے گر پڑنے کا اندیشہ ہو ان ہی میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسے کوئی مسئلہ پیش آجائے اور شوہر فقیہ نہ ہو تو وہ بلا اجازت علمی مجالس کی طرف رخ کر سکتی ہے، اسی طرح بلا اجازت گھر چھوڑنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کو فرض حج کے لئے جانا پڑے اور کوئی محرم بھی موجود ہو ایسی صورت میں شوہر اس کو اجازت دے سکتا ہے اس سے وہ گنہگار نہیں ہو گا اسی طرح والدین کی ملاقات، ان کی تعزیت، عیادت اور محرم رشتہ داروں سے ملنے جانے کے لئے بھی وہ شوہر کی اجازت کی پابند نہیں ہے۔

فقہ کی اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ ایک مسلمان خاتون حقوقِ زوجیت اور خدا اور بندوں کے ان بے شمار حقوق کے درمیان ہمیشہ فرق کرے گی جو اس پر ایک مومن فرد کی حیثیت سے عاید ہوتے ہیں۔ جہاں ان مختلف حقوق کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو، وہاں وہ اہم تر حقوق کو کم اہم حقوق پر مقدم رکھے گی لیکن یہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور اس کا سوال بھی اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ دو مختلف و متضاد احکام کی تعمیل کا براہ راست اس سے مطالبہ کیا جائے۔[2] اس پہلو سے ہمیں

---

[1] فتاویٰ قاضی خاں ج ۱ ص ۴۴۳۔

انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں میں فرق کرنا پڑے گا کیونکہ اجتماعی ذمہ داریوں کا براہِ راست سماج اور معاشرہ مخاطب ہوتا ہے اور فرد پر یہ ذمہ داریاں، بالواسطہ عائد ہوتی ہیں۔ ہاں اگر کسی وقت کوئی سماجی خدمت اس کے لئے فرضِ عین کی حیثیت اختیار کر جائے تو وہ اس کے انجام دینے کے لئے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر کے حدود چھوڑ سکتی ہے لیکن عام حالات میں وہ اس کے حکم کی پابند رہے گی اور شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی اجتماعی فریضہ اس کو گھر سے باہر نہیں نکال سکتا۔ انفرادی اور اجتماعی فرائض کے اس بنیادی فرق کو نظر انداز کر کے بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اجتماعی ذمہ داریوں کے خاطر عورت کو شوہر کی نافرمانی کا حق ہے حالانکہ یہ شرعی نقطۂ نظر سے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم حنفیؒ اس خیال پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وینبغی ان للزوج ان یمنع القابلة والغاسلة من الخروج لان فی الخروج اضرارا به وھی محبوسة لحقه وحقه مقدم علی فرض الکفایة بخلاف الحج الفرض لان حقه لایقدم علی فرض العین بلھ	شوہر کو اس بات کا حق ہے کہ اگر اس کی بیوی دایہ، غاسلہ (میت کو نہلانے والی) ہے تو ان کاموں کے لئے باہر جانے سے روکے کیونکہ بیوی کے گھر سے باہر جانے میں اس کا نقصان ہے اور وہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی کی پابند ہے۔ اس لئے شوہر کا حق فرضِ کفایہ

پر مقدم ہے۔ ہاں فرض حج کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس کے لئے وہ اس کی مرضی کے خلاف بھی جا سکتی ہے کیونکہ شوہر کا حق فرضِ عین پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔

لہ البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۶ - ۱۹۵۔

اس بحث کا تعلق گھر سے باہر عورت کی سرگرمیوں سے تھا۔ گھر کے اندر بھی شوہر اس کی مصروفیات پر پابندی لگا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں :۔

له ان يمنعها من الاعمال كلها المقتضية للكسب لانها مستغنية عنه بوجوب كفايتها عليه وكذا من العمل تبرعا [1]	شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو ایسے کاموں سے روکے جو کسب معاش کے لئے کئے جاتے ہیں کیونکہ شوہر پر اس کا نان نفقہ فرض ہونے کی وجہ سے اس کو کمانے کی ضرورت نہیں ہے

اسی طرح بطور نفل و ثواب کے وہ کسی کا کوئی کام کرنا چاہے تو وہ اس پر بھی پابندی لگا سکتا ہے۔

گویا شوہر کو یہ حق اس بنیاد پر ملا ہے کہ وہ اس کے اخراجات کا کفیل ہے لیکن اگر وہ اس پوزیشن میں نہ ہو تو عورت کو اپنی زندگی گذارنے کے لئے جدوجہد اور کسب کا حق ملنا چاہیے۔ علاوہ ازیں بقول علامہ ابن عابدینؒ "عورت کے بہت سے ایسے اخراجات ہو سکتے ہیں جن کا بار اٹھانا مرد کے لئے ضروری نہیں ہے۔ ان کے پورا کرنے کے لئے وہ اندرونِ خانہ کوئی پیشہ اپنا سکتی ہے" ابن عابدین نے مزید لکھا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو اس لئے بھی محنت و مشقت سے باز رکھ سکتا ہے کہ اس سے اس کی صحت کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے اور شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی بیوی کو حسین و جمیل اور تندرست و توانا باقی رکھنے کی کوشش کرے لیکن اس حق کی بنا پر شوہر بیوی کی زیادہ سے زیادہ ایسی مصروفیات پر قدغن لگا سکتا ہے جو اس کے لئے مضرِ صحت ہوں۔ اس وجہ سے علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ قاعدہ اس طرح وضع کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۶۔

له منعها عن كل عمل يؤدي الى تنغيص حقه او ضرره او الى خروجها من بيته اما الذي لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها منه[1]

شوہر اپنی بیوی کو ہر اس کام سے منع کر سکتا ہے جس سے اس کے حق میں کمی آتی ہو، یا اس کو نقصان پہنچتا ہو، یا کوئی ایسا کام ہو جس کے بجالانے کے لئے اسے گھر سے باہر نکلنا پڑے، باقی رہے، ایسے کام جس میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے تو ان سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس اصول کے تحت ممکن ہے یہاں ایک سوال پیدا ہو وہ یہ کہ عورت اپنے خاوند کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے گھر سے باہر مختلف سرگرمیوں میں کیوں نہیں حصہ لے سکتی؟ اگر وہ حقوق زوجیت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی تو جس طرح اس کو گھر کے اندر سعی وعمل کی آزادی ہے اسی طرح گھر سے باہر بھی ہونی چاہیے لیکن ہمارے خیال میں یہ سوال صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت ان دونوں حالتوں میں فرق کرتی ہے۔ وہ گھر کی چہار دیواری کو اس کے دین واخلاق کی پناہ گاہ سمجھتی ہے اور بیرون خانہ اس کے متاعِ اخلاق کے لٹ جانے کا خدشہ محسوس کرتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطٰنُ[2]

عورت پوشیدہ رکھے جانے والی مخلوق ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

النساء عورة فاستروها بالبيوت[3]

عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے لہذا

---

[1] الدر المختار ج ۲ ص ۹۱۶، ۹۱۵ [2] ترمذی، ابواب الرضاع باب (بغیر عنوان)

[3] عیون الاخبار ج ۴ ص ۸۰۔

تم اس کو گھروں میں چھپاؤ۔

یہاں ایک نفسیاتی حقیقت بھی ہے جس کی طرف علامہ ابن الہمام نے اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ اسلام ازدواجی رشتہ کو محکم سے محکم تر دیکھنا چاہتا ہے لیکن یہ رشتہ اتنا نازک ہے کہ ذرا سے دھکے سے ٹوٹ سکتا ہے۔ کوئی شریف اور باغیرت خاوند گھر سے باہر بیوی کی بکثرت آمد و رفت کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے بہت سے فتنوں کے راستے کھلتے ہیں۔

فان فی کثرۃ الخروج فتح باب	کیونکہ گھر سے بہت زیادہ آمد و رفت رکھنا
الفتنۃ خصوصاً اذا کانت شابۃ	فتنہ کے دروازے کو کھولنا ہے خصوصاً ایسی
والزوج من ذوی الھیئات [1]	صورت میں جب کہ وہ جوان ہو اور شوہر
	بااخلاق اور شریف ہو۔

(۳) اختلاط سے اجتناب

یہ توضیحات ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہیں کہ مسلمان خاتون اپنے شوہر کی اجازت اور رضامندی کے ساتھ گھر سے باہر بھی مختلف تعلیمی و دینی اور سماجی خدمات انجام دے سکتی ہے۔ لیکن وہ کسی حال میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتی کہ شریعت نے اس کے اور اجنبی مردوں کے درمیان اخلاق اور قانون کی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اس کے فرائض حیات کو خانگی زندگی میں محصور کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ نامحرموں سے اختلاط اور میل جول اخلاقی بگاڑ کا ذریعہ نہ بننے پائے۔ اگر کوئی عورت خدا کی قائم کردہ دیوار کو توڑ کر کسی میدان میں آگے بڑھتی ہے تو اسلام کی نگاہ میں جس کا ہر قدم معصیت

[1] فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۵

اور تباہی کی راہ طے کرتا ہے خواہ اس کی نیت کتنی ہی صاف اور اس کے ارادے کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اس طرح وہ اس مقصد کو پامال کرتی ہے جس کی پامالی شریعت دیکھنا نہیں چاہتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خدا ترس کون ہوگا۔ کس کی اخلاقی بلندی آپ کے رفعتِ کردار کا مقابلہ کر سکتی ہے اور ان خواتین کے پاک جذبات آج کی کون سی عورت کو حاصل ہیں جو آپ سے اسلامی احکام کے اتباع کا عہد کرنے حاضر ہوتی تھیں۔ وفاداری کا عہد مرد تو آپ کے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر کرتے تھے لیکن ذاتِ اقدس کا دستِ مبارک کبھی کسی نامحرم خاتون کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ لَا تُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَمَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے اس آیت کے ذریعہ "لَا تُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا" زبانی بیعت لیتے تھے، آپ کا دستِ مبارک سوائے ایسی عورت کے جو آپ کے قبضہ میں ہوتی، (بیوی) کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔

اس سے زیادہ واضح یہ الفاظ ہیں:-

لَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ

نہیں! قسم خدا کی کبھی حضورؐ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ آپ ان

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام، باب بیعۃ النساء۔

بِالْكَلَامِ وَكَانَ يَقُوْلُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَلَامًا۔[1]

سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔ جب آپ ان سے قول و قرار لے چکتے تو فرماتے (اچھا اب جاؤ) میں نے تم سے گفتگو ہی کے ذریعہ بیعت لی ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ خود خواتین نے آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر شریعت کی اطاعت کا عہد کرنا چاہا تو آپ نے صاف کہدیا:۔

إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ۔[2]

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ میرا سو عورتوں سے خطاب کر کے کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی ایک عورت سے خطاب کروں (اس لئے ہر ایک سے علیحدہ عہد لینے کی بھی ضرورت نہیں۔)

اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت ہو یا ثقافت و تہذیب یا دفاع و سیاست، ہر میدان میں دونوں صنفوں کا عدمِ اختلاط ناگزیر ہے، اسلام میں نہ تو کسی مشترک کلچرل پروگرام کی کوئی گنجائش ہے نہ مخلوط تعلیم کی۔ ایک مسلمان خاتون اجنبی مردوں کے ساتھ نہ تو فوجی تربیت اور ملی جلی مشقوں میں شریک ہو سکتی ہے اور نہ کھیل کود اور سیر و تفریح میں، بازار اور منڈی سے لے کر ایوان و اسمبلی تک کسی بھی مقام پر دونوں کی آمیزش اور باہمی اتصال قطعاً ناروا اور عظیم جرم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبوں میں عورتیں شریک ہوتی تھیں۔ لیکن

---

[1] مسلم کتاب الامارۃ، باب کیفیۃ بیعۃ النساء [2] مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۷، نسائی کتاب البیعۃ، باب بیعۃ النساء، دار قطنی ص ۳۸۴ دروی بمعناہ الترمذی والحاکم۔

کبھی وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو نہیں بیٹھتی تھیں بلکہ ہمیشہ ان کی نشست گاہ مردوں سے بالکل الگ ہوتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک عید کی نماز کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ اَتَی النِّسَاءَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَوَعَظَهُنَّ۔ لہ	(پہلے) آپ نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا، اس کے بعد آپ عورتوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ بلال بھی تھے۔ آپ نے ان کو نصیحت فرمائی۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :-

قولہ ثم اتی النساء یشعر بان النساء کن علی حدۃ من الرجال غیر مختلطات۔ لہ	حضرت ابن عباس کا یہ قول کہ اس کے بعد آپ عورتوں کے پاس تشریف لائے بتاتا ہے کہ وہ مردوں سے علیحدہ تھیں، ان کے ساتھ ملی جلی نہیں تھیں۔

ایک دوسری روایت ہے :-

صَلّٰی قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ فَرَاٰی اَنَّهٗ لَمْ یُسْمِعِ النِّسَاءَ فَاَتَاهُنَّ فَذَکَّرَهُنَّ۔ لہ	آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا۔ اس کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ آپ اپنی بات عورتوں کو نہیں سنا سکے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کے پاس آئے اور ان کو نصیحت کی۔

لہ بخاری، کتاب العیدین، باب العلم الذی بالمصلی لہ فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰،۳۸۶ لہ بخاری کتاب العلم باب عظۃ الامام النساء و تعلیمہن، مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین واللفظ لمسلم۔

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ خواتین مردوں سے اس قدر دور رکھتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہونے لگا کہ آپ کی آواز ان تک پہنچ بھی رہی ہے یا نہیں؟ تعلیم ہی نہیں، زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت مرد و زن کے اختلاط کو روکنا چاہتی ہے۔ ذیل کے ایک واقعہ سے شریعت کے منشا اور رُخ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

دو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے آپؐ سے عرض کیا کہ میرا لڑکا اس کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو گیا ہے، آپؐ اللہ کے حکم کے مطابق اس کا فیصلہ فرما دیجیے، آپؐ نے فرمایا تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے اس کو جلا وطن کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے انیس نامی ایک صحابی کو عورت کے متعلق حکم دیا:-

اُغْدُ عَلٰى امْرَأَةِ هٰذَا فَسَلْهَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا ۔[۱]

جاؤ اس (دوسرے) شخص کی بیوی کے پاس اور اس سے دریافت کرو اگر وہ اپنے جرم کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دو چنانچہ اس نے اعتراف کیا اور انھوں نے اس کو سنگسار بھی کیا۔

غور کیجیے! موت و حیات کا فیصلہ کرنے والے مقدمہ کی سماعت کے لئے بھی آپ نے پسند نہیں کیا کہ عورت کو عدالت میں طلب کیا جائے بلکہ اپنے نمائندہ کو تحقیق اور قانون کے نفاذ کا حق دے کر عورت ہی کے پاس روانہ کیا۔

---

[۱] بخاری، کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ، باب ہل یامر الامام رجلاً فیضرب الحد غائباً عنہ، مسلم کتاب الحدود باب حد الزنا۔

ے گئے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا یہ اس کا جواب ہے۔[1]

کیا غزوات میں خواتین کی شرکت صنفی اختلاط کی دلیل ہے؟

غزوات میں مسلمان خواتین کی شرکت کی بنا پر یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ باہمی اختلاط کے بغیر دونوں صنفوں نے محاذ جنگ پر کیسے کام کیا؟ اگر مل جل کر جہاد میں حصہ لیا تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ شریعت کی نگاہ میں صنفی اختلاط کوئی جرم نہیں ہے؟ لیکن یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ ہم کسی استثنائی شکل کو اصول کی حیثیت دے دیں حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصول عمومی ضابطہ اور قانون کا نام ہے اور استثناء کسی عارضی رکاوٹ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے عمل ہر دور اور ہر حال میں اصول ہی پر ہوگا، الّا یہ کہ کسی حقیقی مانع کی وجہ سے وقتی طور پر شریعت ہم کو اس کا پابند نہ قرار دے لیکن جیسے ہی یہ مانع دور ہو جائے ہم اصول کی پیروی پر مجبور ہوں گے۔

جنگ ایک حقیقی بلکہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس میں کسی ایک فرد کو نہیں، پورے ملک کو اپنی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے اس وقت حالات

---

[1] الدر الثمین فی مناقب امہات المومنین، تالیف محب الدین الطبری المتوفی ۶۹۴ھ حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ میں دو مرتبہ حضورؐ کے مقابلہ کا ذکر امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے بھی کیا ہے۔ مسند احمد ج ۶، ص ۲۶۹ میں مسابقت سے پہلے صرف ایک مرتبہ صحابہ کو آگے روانہ کرنے کا ذکر ملتا ہے لیکن محب الدین طبری کی نقل کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مرتبہ آپ نے صحابہ کی عدم موجودگی کو ضروری سمجھا۔

اتنے نازک ہوتے ہیں کہ بہت سے اصول اور قوانین پر ان کی اصل شکل میں عمل درآمد ممکن نہیں رہتا۔ اس ہنگامی حالت پر عام حالات کو قیاس کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی آتش زدہ شہر میں یہ دیکھ کر کہ مزدور اور مالک، صحافی اور سیاست داں، تاجر اور صنعت کار سب کے سب آگ فرو کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ فیصلہ کر دے کہ اس شہر میں کوئی نظامِ عمل نہیں ہے۔

یہ سوال بھی بالکل اسی نوعیت کا ہے۔ پھر جب ہم ان حالات کو سامنے رکھتے ہیں جن میں مسلمان خواتین کو نامحرموں کے ساتھ عرصۂ پیکار کی طرف رُخ کرنا پڑا تو یہ سوال اور بھی مہمل نظر آتا ہے۔

یوں تو فی نفسہ جنگ کسی نہ کسی حد تک حالات کا توازن بگاڑ دیتی ہے لیکن کبھی کبھی وہ اس قدر خطرناک اور بھیانک شکل اختیار کر لیتی ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے اور ملک کے سامنے اپنی حفاظت سے زیادہ اہم اور کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اپنے غزوات میں ایسے ہی بھیانک حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایک طرف ان کو ابھی پوری طرح سیاسی استحکام ہی نہیں حاصل ہوا تھا کہ مخالفین سے جنگ کا غیر منقطع سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوسری طرف وہ اپنی عددی قوت اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی بہت پیچھے تھے ان کے مقابلہ میں دشمن پوری طرح مسلح اور تعداد میں کئی چند ہوتے ہوئے بھی میدانِ جنگ میں عورتوں کی کھیپ کی کھیپ اپنے ہمراہ لاتا جو لڑنے والوں کے اندر قومی حمیت اور جوش و جذبہ ابھارتیں اور مرنے مٹنے پر اکساتیں۔ عورتوں کو

ساتھ رکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا کہ وہ طبی خدمات انجام دیں کیونکہ طب اس وقت تک خصوصاً عرب میں خانگی تجربہ اور عمل ہی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر عورتوں کو مردوں سے زیادہ اس سے واقفیت بھی ہوتی۔

ان حالات میں مسلمانوں کا اپنی خواتین سے جنگی تعاون نہ حاصل کرنا سیاسی مصالح کے بالکل منافی تھا۔ اس لئے انھوں نے ضروری سمجھا کہ جنگ میں خواتین کو اپنے ساتھ رکھیں تاکہ جو بھی خدمت وہ انجام دے سکتی ہیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ساتھ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی کہ غزوات میں خواتین کی شرکت ناگزیر حد سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ چنانچہ ہم کتاب کے شروع میں ثابت کر چکے ہیں کہ ان کو جہاد میں حصہ لینے کی کبھی ترغیب نہیں دی جاتی تھی بلکہ اگر کبھی ان کی جانب سے اس کی خواہش کا اظہار ہوتا بھی تو ہمت افزائی نہ کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی جنگ میں بھی خواتین معدودے چند سے زیادہ نظر نہیں آتیں۔

اس کے باوجود جو خواتین شریک ہونا چاہتیں ان پر پابندی تھی کہ وہ آپ کی اجازت کے بغیر شریک نہ ہوں۔ اس پابندی کا مقصد یہ تھا کہ پہلے ہی سے معلوم ہو جائے کہ کس مزاج اور طبیعت کی عورتیں ساتھ چل رہی ہیں؟ ان کی حفاظت کے کیا انتظامات ہیں؟ اور سب سے اہم بات یہ کہ میدان جنگ میں آیا ان کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ان تمام پہلوؤں سے اطمینان حاصل کئے بغیر آپ خواتین کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

ایک مرتبہ بعض خواتین جہاد کے شوق میں بلا اجازت فوج کے ہمراہ ہو گئیں۔

تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی۔ حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں :۔

اَنَّهَا خَرَجَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَادِسَ سِتِّ نِسْوَةٍ فَبَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ اِلَيْنَا فَجِئْنَا فَرَاَيْنَا فِيْهِ الْغَضَبَ فَقَالَ مَعَ مَنْ خَرَجْتُنَّ وَبِاِذْنِ مَنْ خَرَجْتُنَّ[1]

کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی جنگ کے لئے روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ پانچ دوسری عورتیں بھی تھیں۔ (ان کا بیان ہے کہ) اس کی خبر جب آپؐ کو ہوئی تو آپؐ نے ایک شخص کو بھیجکر ہمیں طلب کیا۔ ہم حاضر ہوئے تو دیکھا، آپؐ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ہیں۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کس کے ساتھ گھر سے نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں۔؟

خواتین ایک تو جنگ میں شرکت کی آپؐ سے اجازت حاصل کرتی تھیں اور دوسرے ان کی یہ شرکت اپنے قبیلہ کے ساتھ یا انتہائی قابل اعتماد افراد کے ساتھ ہوتی تھی۔ حشرج بن زیاد کی دادی اور ان کی ساتھیوں پر خفگی کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ان دونوں باتوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔

ام سنان اسلمیہؓ اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں :۔

لَمَّا اَرَادَ رسول الله صلى الله عليه وسلم الخروج اِلٰى خَيْبَرَ جِئْتُهُ فقلت يا رسول الله صلى الله

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف چلنے کا ارادہ کیا تو میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور!

---

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۱، ابوداؤد کتاب الجہاد، باب فی المرأة والعبد یحذیان من الغنیمة واللفظ للآخر۔

عليه وسلم اخرج معك فى وجهك هذا اخرز السقاء نداوى المريض والجريح ان كانت جراح ولا تكون وابصر الرحل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اخرجى على بركة الله فان لك صواحب قد كلمنى وأذنت لهن مع قومك ومن غيرهم فان شئت فمع قومك وان شئت فمعنا قلت معك قال فكونى مع ام سلمة زوجتى قالت فكنت معها ۔ [1]

آپ کی اس مہم میں میں بھی ساتھ چلنا چاہتی ہوں وہاں چل کر ضرورت پڑے تو مشک سی دوں گی اگر کوئی مریض اور زخمی ہو تو اس کا علاج کردوں گی ۔ خدا کرے کہ ایسا نہ ہو ۔ اور کجاوے (اور دیگر سامان) کی نگرانی کروں گی حضور نے فرمایا اللہ برکت دے ، تم چل سکتی ہو تمہارے قبیلہ اور بعض دوسرے قبائل کی عورتیں تمہاری طرح مجھ سے گفتگو کرچکی ہیں اور میں نے ان کو بھی اجازت دے دی ہے اس سفر میں یہ سب تمہاری ساتھی ہوں گی اگر تم چاہو تو اپنی قوم کے ساتھ چلو اور اگر چاہو تو ہمارے ساتھ بھی چل سکتی ہو ۔ میں نے کہا میں آپ ہی کے ساتھ چلوں گی آپ نے فرمایا اچھا تو میری بیوی ام سلمہؓ کے ساتھ شریک ہو جاؤ ۔ اُمّ سنان کہتی ہیں کہ میں ام سلمہؓ کے ساتھ ہو گئی ۔

واقعات بتاتے ہیں کہ عموماً خواتین کے حقیقی سرپرست اور باپ ، بھائی ، اور اولاد جیسے قریب ترین محرم ہی ان کو اپنے ہمراہ محاذِ جنگ پر لے جاتے تھے ۔

حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بیان فرماتی ہیں :۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا أَرَادَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۴

سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ اَزْوَاجِهٖ وَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهٗ [1]

سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے اور قرعہ کے نتیجہ میں جس کے حصہ میں شرکت نکلتی آپؐ اس کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

میدانِ جنگ میں خواتین کی خدمات کا دائرہ بھی ان کے خویش واقارب اور عزیزوں کی حد تک محدود رہتا تھا۔ اگر کبھی نامحرموں کے تعاون اور ہمدردی کی ضرورت پڑتی بھی تو ناگزیر حد سے آگے نہ بڑھتی تھیں اور حتی الوسع خلا ملا سے احتراز کرتی تھیں۔ امام نوویؒ عورتوں کی جنگی خدمات کی نوعیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وھذہ المداواۃ لمحارمھن وازواجھن وما کان منھا لغیرھم لا یکون فیہ مس بشرۃ الا فی موضع الحاجۃ۔ [2]

عورتوں کا یہ علاج معالجہ ان کے محرموں اور شوہروں کی حد تک رہتا تھا اور جہاں علاج ان کے علاوہ دوسروں کا ہوتا تو اس میں بدن سے مس نہیں ہوتا تھا اِلّا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آجائے۔

بہرحال ہر دور میں اسلامی ریاست کو اس طرح کے ہنگامی اور نازک حالات پیش آسکتے ہیں۔ مسلمان عورت مذکورہ حدود وشرائط کی پابندی کرتے ہوئے اپنے دین وملک کے بچاؤ کی بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرسکتی ہے۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی، باب حدیث الافک [2] شرح مسلم ۲ ص۱۱۶۔

تاریخ سے ایک غلط استدلال اور اس کا جائزہ

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے ایک خاص واقعہ سے کسی قدر تفصیلی گفتگو کی جائے کیونکہ ایک تو اس واقعہ کا گذشتہ مباحث سے بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق ہے دوسرے یہ کہ اس واقعہ کی بنیاد پر ہمارے دور کے بعض محققین اس کوشش میں مصروف ہیں کہ عورت کے بارے میں اسلام اور مغرب کے نظریات کو ہم آہنگ کر دکھائیں حالانکہ ان دونوں میں اتحاد اور مطابقت کے رشتے تلاش کرنا دو انتہائی متضاد خیالات کے درمیان وجہ اشتراک ڈھونڈنے کے ہم معنی ہے کیونکہ مغرب عورت کے لئے جس نوعیت کی سیاسی و تمدنی آزادی کا دعوے دار ہے وہ اس آزادی سے قطعاً مختلف ہے جو اسلام نے اس کو دی ہے اسلام عورت کو جس سمت لے جانا چاہتا ہے مغربی افکار بالکل اس کی مخالف سمت کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اسلام گھر کو اس کی سعی وجہد کا مرکز قرار دیتا ہے تو یہ اس کو گھر سے بغاوت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسلام نے عورت کے لئے جو نظام عمل تجویز کیا ہے وہ مغرب کی نگاہ میں اس کی توہین اور ذلت کا چارٹر ہے۔ غرض عورت کے متعلق اسلام اور مغربی فکر میں صریح تضاد پایا جاتا ہے۔ اتنے کھلے ہوئے تضاد سے جس واقعہ کی بنیاد پر انکار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد جب نظام حکومت میں ابتری پیدا ہو گئی اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینا دشوار ہو گیا تو حضرت عائشہ رضؓ نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور قاتلین پر احکام شریعت نافذ کرانے کی پوری پوری کوشش کی اور

اس راہ میں اس حد تک آگے نکل گئیں جس حد تک مردوں کی صف کا کوئی راہنما جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے مقصد کے حصول میں حضرت علیؓ جیسی شخصیت کو مزاحم پایا تو ان سے بھی اعلانِ جنگ کر دیا۔

اس واقعہ سے ان حضرات نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام جس حد تک مرد کو سیاسی جدوجہد کا حق دیتا ہے اسی حد تک سیاست میں عورت کے عمل دخل کو بھی جائز سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کی سیاسی وسماجی سرگرمیوں کو محدود کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر شریعت کے نزدیک صنفی اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو یکساں آزادی حاصل ہے کہ ہر نوعیت کے مسائلِ حیات سے دلچسپی لیں اور ان کو سلجھانے کی کوشش کریں۔

اس واقعہ کی حقیقت سے تو بعد میں بحث کی جائے گی یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ اس واقعہ کو جس شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر اسی شکل میں اس کو قبول کر لیا جائے تو بھی اس کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے زمانے میں عورت کو بھی سیاسی جدوجہد کا حق حاصل تھا۔ وہ سیاست کو مرد کے لیے مخصوص نہیں سمجھتی تھیں لیکن اس سے آگے بڑھ کر کہنا بالکل غلط ہو گا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں عورت کا یہی سیاسی رول رہا ہے یا اسلام کا یہی قانون ہے، کیونکہ کسی انفرادی عمل سے کوئی اجتماعی کردار نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ دعویٰ جس حیثیت اور جس نوعیت کا ہو اس کے اثبات کے لیے اسی حیثیت اور مرتبے کے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورت کا سیاسی و سماجی کردار ایسا کوئی حادثہ نہیں جو رات کے سناٹے یا سلطنت کے کسی گوشے میں پیش

آگیا ہو جسے ہم دو ایک تاریخی واقعات سے ثابت کر دیں بلکہ یہ ایک عمومی نوعیت کا مسئلہ ہے۔ اس کو متعین کرنے کے لئے ہمیں اسلام کے اصول و قوانین کا مطالعہ کرنا ہوگا اس کے مزاج و فطرت کو دیکھنا پڑے گا۔ اسلام کے اصولِ تہذیب اور آئینِ معاشرت سے بحث کرنی ہوگی اور پھر اس کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ اسلامی معاشرے میں عورت کی شب و روز کی سرگرمیاں کیا تھیں، اور وہ کس نہج کی زندگی گزارتی تھی۔ اس کے بغیر سماج میں عورت کی حیثیت متعین نہیں کی جاسکتی۔

جہاں تک اسلام کی تعلیمات اور اس کے مزاج کا تعلق ہے قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عورت کو گھر کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی تعمیر کردہ سوسائٹی نے بھی گھر ہی کو اس کی سعی و جہد کا مرکز قرار دیا۔ گھر سے باہر اس نے ہمیشہ مرد کے نقشِ قدم کی پیروی کی۔ قیادت و راہنمائی کا منصب نہ تو کبھی اس کو حاصل ہوا اور نہ کبھی اس نے اس کا دعویٰ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد خلفاءِ راشدین کے دور میں امت کو بہت سے اجتماعی و سیاسی مسائل پیش آتے رہے لیکن ان کے حل کے لئے امت نے کسی خاتون پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ اس لمبے عرصے میں کئی ایک جنگیں لڑی گئیں لیکن کوئی عورت فوج کی کمانڈر نہیں بن سکی۔ مختلف علاقوں میں مختلف گورنروں کا تقرر ہوا لیکن کسی بزرگ سے بزرگ تر صحابیہ کو بھی اس منصب کا اہل نہیں سمجھا گیا۔ مالیات اور تعزیر و قضا کے محکمے قائم ہوئے لیکن یہ ذمہ داریاں کبھی عورتوں کو نہیں سونپی گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امت

مسلسل خلافت کا مسئلہ حل کرتی رہی لیکن کبھی کسی عورت کے خلیفہ بنائے جانے کا سوال تک نہیں پیدا ہوا۔

اگر حضرت عائشہؓ کے کسی عمل سے اسلامی سوسائٹی کے اس مجموعی طرزِ عمل کے خلاف کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے تو یقیناً امریکہ میں فاقہ کشی کے دو ایک واقعات کی بنا پر یہ دعویٰ بھی صحیح ہوگا کہ وہاں احتیاج اور فقر و فاقہ کی حکمرانی ہے اور لوگ آئے دن بھوکے مر رہے ہیں اور اگر اس دعویٰ کو صحیح مان لیا جائے تو امریکہ کی ہر اس چیز کی تردید کرنی ہوگی جو وہاں کے عیش و عشرت پر گواہی دے رہی ہے۔ وہاں کے ذرائعِ دولت کو اسباب عسرت اور مظاہر عیش کو افلاس اور محتاجی کی علامت ثابت کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے، اس کی جرأت کم ہی لوگ کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ کا کوئی عمل ہمارے لئے اسوہ بن سکتا ہے تو کیا دیگر امہات المومنین و اکابر صحابیات قابل تقلید نہیں ہیں؟ اگر حضرت عائشہؓ کا حضرت علیؓ سے جنگ کرنا ہمارے لئے سند ہے تو حضرت ام سلمہؓ کی روش کیوں اسوہ نہیں بن سکتی؟ حضرت علیؓ جس وقت حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کے مقابلہ کے لئے بصرہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو حضرت ام سلمہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا:۔

یا امیر المومنین لولا ان اعصی اللہ	اے امیر المومنین! آپ کے ساتھ اس مہم
وانک لا تقبلہ منی لخرجت معک	پر میرا چلنا خدا کی نافرمانی میں شمار ہوگا
وھذا ابن عمی وھو واللہ	اور یہ کہ آپ میرے اس اقدام کو قبول بھی
اعز علی من نفسی یخرج معک	نہیں کریں گے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں

ویشھد مشاھد ن لے تو میں آپ کے ساتھ چلتی - یہ لیجیے میرا چچازاد بھائی حاضر ہے ۔ قسم خدا کی یہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے - یہ آپ کے ساتھ چلے گا اور آپ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوگا ۔

دوسری طرف حضرت عائشہ ؓ کو لکھا " آپ کی حیثیت رسول اللہ اور اُمت کے درمیان ایک دروازے کی ہے اور آپ کا حجاب گویا اس پر حرمت کا پردہ ہے لیکن آپ نے اس پردہ کو چاک کردیا (یاد رکھیے !) قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹ دیا ہے اسے پھیلائیے نہیں ، اللہ نے آپ کو اپنے گھر میں بٹھایا ہے ، اسے چھوڑ کر میدان میں نہ چلی آئیے ۔ خدائے تعالیٰ اس امت کی پشت پر ہے ۔ آپ خود جانتی ہیں کہ حضور ؐ کو آپ سے کس قدر محبت تھی ۔ اگر امت کی ذمہ داری آپ کے حوالہ کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کیا ۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ دین کا ستون اگر گرنے لگے تو عورتیں کھڑا نہیں کر سکتیں ۔ اگر اس میں شگاف پیدا ہو جائے تو عورتوں کے بس میں نہیں کہ اسے بھر دیں ۔ ان میں اگر دین کے لئے جہاد کی اہلیت ہوتی تو حضور ؐ لازماً آپ کو ، جہاد کی وصیت کر جاتے ۔ عورتوں کا جہاد اور ان کے لئے انتہائی محبوب بات یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنا دامن سمیٹے رہیں ۔

ذرا سوچیے تو سہی کہ آپ کی ملاقات حضور ؐ سے اس حال میں ہوتی کہ آپ اونٹ پر بیٹھے ہوئے ، پہاڑوں اور ٹیلوں کے اطراف ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ گھوم رہی ہیں تو آپ کیا جواب دیتیں ! کل آپ کو حضور ؐ کے سامنے حاضر

لے تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۵ ص ۱۶۷ تاریخ کامل ج ۳ ص ۹۴ ۔

ہونا ہے اور حال یہ ہے کہ آپ نے اللہ کے ڈالے ہوئے پردہ کو چاک کر دیا ہے۔ اور اس کے عہد کو توڑ چکی ہیں۔

آپ نے جو کچھ کیا اگر وہ مجھ سے سرزد ہوتا تو قسم خدا کی مجھے جنت میں جاتے ہوئے بھی ندامت ہوتی (لہٰذا میری گذارش ہے)، کہ آپ حضورؐ کے قائم کردہ پردے کو اپنا ستر اور گھر کے صحن کو اپنا قلعہ بنائیں۔ آپ حقیقت میں امت کی خیر خواہ اسی وقت ہوں گی جب کہ آپ ان کی مدد کے لئے (بجائے میدان میں جانے کے) گھر میں رہیں، اگر میں آپ کو وہ حدیث سناؤں جو میں نے حضورؐ سے سنی ہے تو (یقین جانیئے) آپ سانپ کی طرح مجھے ڈسنے کے لئے دوڑ پڑیں گی"۔ [۱]

یہ نہ خیال کیا جائے کہ اس تنقید میں حضرت ام سلمہؓ تنہا ہیں بلکہ بہت سے اکابر امت نے حضرت عائشہؓ کے اقدام کو غلط اور شرعی حدود سے متجاوز قرار دیا تھا۔

حضرت عائشہؓ اپنی مہم پر بصرے پہنچیں تو انھوں نے زید بن صوحان کو اپنی مولا دخالص سے خطاب کر کے خط لکھا کہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے جو کوشش ہو رہی ہے فوراً تم اس میں شریک ہو جاؤ اور اگر شریک ہونا نہیں چاہتے ہو تو کم از کم اپنی قوم کے لوگوں کو حضرت علیؓ کی حمایت سے باز رکھو"۔ یہ خط دیکھ کر زید بن صوحان نے کہا" اللہ ام المومنین پر رحم کرے، انھیں گھر میں بیٹھے رہنے اور ہمیں باہر نکل کر جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن جس امر کی وہ پابند ہیں خود تو اس سے آزاد ہو گئیں اور ہم سے اس کی پابندی کرانا چاہتی ہیں اور جس کام پر ہم مامور کئے گئے ہیں اسے

---

[۱] العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۹۶: الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ صفحہ ۵۷۔

اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور ہمیں اس سے روک رہی ہیں پھر خط کے جواب میں حضرت عائشہ رضؓ کو لکھا "یقیناً میں آپ کی اولاد خالص ہوں اور آپ میری ماں ہیں بشرطیکہ آپ اس سعی و جہد سے کنارہ کش ہو جائیں اور گھر لوٹ جائیں ورنہ آپ کو چھوڑنے والوں میں مجھے پہلا شخص سمجھئے۔ ؎۱

بصرہ کی ایک اور مشہور شخصیت اور صحابی رسول جاریہ بن قدامہ حضرت عائشہ رضؓ سے کہتے ہیں "آپ کے اس خروج کے مقابلے میں ہمارے نزدیک حضرت عثمان رضؓ کی شہادت بہت ہلکی ہے۔ اللہ نے آپ کی حرمت قائم کی تھی اور آپ کو پردے کا پابند کیا تھا لیکن آپ نے اس پردے کو چاک اور اس کی حرمت کو ختم کر دیا۔ جو شخص آپ سے جنگ جائز سمجھتا ہے وہ گویا آپ کے قتل کو بھی جائز سمجھتا ہے۔۔۔۔۔۔ (غور کیجئے! آپ نے لوگوں کو کس قدر نازک پوزیشن میں ڈال دیا ہے لہذا) اگر آپ اپنی خوشی سے آئی ہیں تو اپنے گھر لوٹ جایئے اور اگر آپ کو مجبور کر کے یہاں لایا گیا ہے تو اس کے خلاف لوگوں کا تعاون حاصل کیجئے اور اپنے مستقر پر پہنچ جایئے ؎۲

مشہور صحابی ابو بکرہ رضؓ کہتے ہیں کہ "جنگ جمل میں، میں حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ شریک ہو جاتا لیکن حضور صلعم کے ایک فرمان نے مجھے اس سے بچا لیا۔ جب آپ کو کسریٰ کی لڑکی کے تخت نشین ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا تھا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنا اقتدار کسی عورت کے حوالے کر دے۔ ؎۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ جیسے بزرگ صحابی فرماتے ہیں۔

؎۱ طبری ج ۵ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴ الکامل لابن الاثیر ج ۳ صفحہ ۹۱ ؎۲ تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۵ صفحہ ۱۷۶۔ ؎۳ بخاری، کتاب الفتن۔

وبیتھا خیر لھا من ھودجھا[۱]   حضرت عائشہؓ کے لئے ان کا گھر ہودج سے بہتر ہے۔

ان تنقیدوں کو کوئی شخص یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت عائشہؓ کے مخالفین کی ہیں۔ کیونکہ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی حق پسندی و نیکی کی حضرت عائشہؓ بھی معترف تھیں اور اگر ایسے ایسے صحابہ و تابعین بھی مخالفت کے جوش میں جادۂ حق سے منحرف ہو گئے تو دین پر ثابت قدمی اور جماؤ کی کس سے توقع کی جا سکتی ہے۔؟

پھر یہ بھی ایک غور طلب سوال ہے کہ اس امت کو اپنے ابتدائی چند سالوں میں بے شمار سیاسی و تہذیبی حوادث کا سامنا کرنا پڑا اور تاریخ گواہ ہے کہ رجالِ امت نے ان حوادث کو صحیح رُخ پر موڑنے کی کوشش کی لیکن امت کی کسی خاتون نے عملاً ان کا مقابلہ نہیں کیا۔ خود حضرت عائشہؓ کو دیکھیے! کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہیں اور اس دوران میں حالات میں مسلسل اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہیں اور اصلاح کے لئے کبھی کوئی اقدام نہیں کیا۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ گھر ہی کو وہ اپنی سرگرمیوں کا محور سمجھتی تھیں؟ ان کی پوری زندگی جس طرزِ فکر و عمل کی شہادت دے رہی ہے اس کو کسی ایک عمل کی بنا پر جھٹلایا نہیں جا سکتا اس کی ہمیں لازماً ایسی توجیہ کرنی ہوگی جو ان کی زندگی کی مجموعی روش سے ہم آہنگ ہو کیونکہ بہت ممکن ہے اس عمل کے پیچھے وہ محرکات نہ ہوں جو ہم نے سمجھ لئے ہیں اور کچھ دوسرے ہی اسباب و حالات نے حضرت عائشہؓ کو میدانِ جنگ میں پہنچا دیا ہو۔ آیئے اس

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۶۳۔

واقعہ کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں ان کے خلاف ایک عام بے اطمینانی پیدا ہو گئی تھی اور لوگ برملا تنقید کرنے لگے تھے یہاں تک کہ ایک وہ وقت آیا کہ مختلف علاقوں کے غنڈوں اور اوباشوں نے مدینے پر حملہ کر دیا اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض بزرگوں نے اس سیلاب کو روکنے کی اپنی حد تک پوری پوری کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے اور اس فتنے سے دین و ملّت کو جو نقصان پہنچا تھا پہنچ کر رہا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا اس نے امت کو اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ سوچنے سمجھنے والوں نے محسوس کیا کہ یہ حقیقت میں اُن کی ناکامی اور فتنہ جو عناصر کی کامیابی ہے اگر بروقت اُن کی تلافی نہیں کی گئی تو دین ہمیشہ کے لئے شر پسندوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جائیگا۔ اسکی تلافی کی صورت بعض افراد نے یہ سوچی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں جو بھی شریک رہا ہے فوراً اس سے قصاص لیا جائے ورنہ اُمت کا اجتماعی وزن گھٹ جائے گا۔ اور اقتدار چند شورش پسندوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا وہ جسے چاہیں گے خلیفہ منتخب کریں گے اور جب چاہیں گے اسے تہ تیغ کر دیں گے اور کوئی قوت اُن سے بازپُرس کرنے والی نہیں رہ جائے گی۔ اس طرز فکر کی قیادت حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کر رہے تھے۔ بلیح بن عوف السلمی نے حضرت زبیرؓ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ جواب دیا۔

ننھض الناس فیدرک بھذا الدم لئلا یبطل فان فی ابطالہ	ہم لوگوں کو ابھار رہے ہیں کہ وہ اس خون کا بدلہ لیں تاکہ وہ ضائع نہ کیا جائے کیونکہ اس کے

توهين سلطان الله بيننا ابن آم
اذا لم يفطم الناس عن امثالها
لم يبق امام الا قتله هذا الضرب
قال والله ان ترك هذا الشديد
ولا تدرون الى اين ذلك يسير [1]

ضائع جانے سے اقتدار خداوندی (اسلامی حکومت) ہمارے درمیان ہمیشہ کے لئے کمزور ہو کر رہ جائے گا۔ اگر لوگوں کی یہ عادت چھڑائی نہیں جائے گی تو جو بھی امام آئے گا اس کو تلوار کی یہ مار ختم کر دے گی۔ انھوں نے کہا قسم خدا کی اس کا قصاص نہ لینا بہت سخت ہے تمہیں نہیں معلوم کہ اس کے نتائج کہاں تک پہنچیں گے؟

یہاں ایک دوسرا گروہ بھی تھا جو امت کے اتحاد و اتفاق کو بنیادی اہمیت دے رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ شیرازۂ ملت منتشر ہو چکا ہے اور امت نے ایک خود سر فوج کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ان حالات میں اس کے نزدیک حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ چھیڑنا مزید انتشار کو دعوت دینا تھا ——— اس گروہ نے ضروری سمجھا کہ پہلے امت کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے چنانچہ اس نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ مدینے کی اکثریت نے اس گروہ کا ساتھ دیا۔ اس صورت حال کے بعد پہلی فکر کے حامل بہت سے افراد مدینہ چھوڑ کر دوسرے شہروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان ہی میں سے بعض مکے پہنچے جہاں پہلے سے امہات المومنین موجود تھیں۔ ان کو مدینے میں ہونے والی تبدیلیوں کا علم نہیں تھا۔ کیوں کہ یہ ان سے قبل ہی حج کے ارادے سے مکے آ گئی تھیں جب انھوں نے مدینے سے آنے والے حضرات سے وہاں کے حالات دریافت کئے تو انھوں نے ایسا نقشہ پیش کیا جو اصل حقیقت سے بہت کچھ مختلف تھا گویا اب خلافت ختم ہو چکی ہے۔ مدینے میں شرپسندوں اور غنڈوں کا دور دورہ ہے اور ان

---

[1] تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۵ ص ۱۷۳۔

ہی کا متعین کردہ ایک شخص حکومت کر رہا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے ایک رشتے دار سے پوچھا "کیا حال ہے؟" اس نے جواب دیا کہ حالات کی سختی نے لوگوں کو بہرا اور تباہ و برباد کر دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے افسوس کا اظہار کرنے کے بعد پھر سوال کیا۔ بتاؤ کیا حالات ہمارے حق میں ہیں، یا ہمارے خلاف جا رہے ہیں؟ اس نے کہا۔ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آٹھ دن تک لوگ بغیر امیر کے زندگی گذارتے رہے۔ اس کے بعد اہلِ مدینہ اور وہ لوگ جو مدینے پر چھائے ہوئے تھے (یعنی باہر کے غنڈے) حضرت علیؓ کے اطراف جمع ہو گئے ہیں۔[1]

حضرت عائشہؓ کے ایک اور رشتہ دار ان سے بیان کرتے ہیں:۔

قتل عثمان واجتمع الناس علی علیؓ	حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے۔ بعد ازاں
والامر امر الغوغاء[2]	لوگ حضرت علیؓ کی بیعت پر متفق ہو گئے اور

اصل اقتدار تو غنڈوں کے ہاتھ میں ہے۔

مکہ پہنچنے والے ان ہی لوگوں میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے جن کو حضرت علیؓ کی بیعت سے اتفاق نہیں تھا۔ اس لئے آپ کی بیعت اور نئی تبدیلیوں کے خلاف ان کے اندر سخت جذبات کا پایا جانا کسی حد تک قدرتی تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے سوال پر جن الفاظ میں انھوں نے نئے حالات کا تذکرہ کیا ان سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انا تحملنا بقلتنا ھربا من	مدینہ سے ہم اپنی قلتِ تعداد کی بنا پر

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۶۵۔ [2] ایضاً ص ۱۶۶۔

المدینۃ من غوغاء واعراب وفارقنا قوماً حیاری لایعرفون حقاً ولا ینکرون باطلاً ولا یمنعون انفسھم۔ لہ

شہر پسندوں اور بدوؤں کے (خوف) سے بھاگے چلے آئے اور وہاں ہم ایک حیران و سرگرداں قوم (اہل مدینہ) کو چھوڑ آئے ہیں جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل پر نکیر کرتی ہے اور نہ اس میں اپنے آپ کی مدافعت ہی کی طاقت ہے۔

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور ان کے ہم فکر اصحاب نے مکہ پہنچنے کے بعد اب اس بات کی کوشش شروع کر دی کہ جو اصلاحی قدم وہ اٹھانا چاہتے تھے اس کے لئے راہ ہموار کریں اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کی امت کو دعوت دیں اس کے لئے انھیں امہات المومنین کے تعاون اور ہمدردی کی سخت ضرورت تھی جو اتفاق سے وہاں موجود تھیں اور نئے حالات سے بے انتہا متاثر بھی تھیں کیوں کہ کسی تحریک کے ساتھ ان کی ہمدردی اس میں زندگی کا باعث بن سکتی تھی چنانچہ ان حضرات نے امہات المومنین سے خاص طور پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے جن کا سوسائٹی پر بہت زیادہ اثر تھا درخواست کی کہ وہ قیام دین کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں لیکن سوائے حضرت عائشہؓ کے بقیہ امہات نے اسے اپنے حدود سے تجاوز قرار دیا اور تعاون سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ مدینہ واپس چلی آئیں۔

حضرت عائشہؓ نے بہت ممکن ہے سوچا ہو کہ اس سے پہلے صرف ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کے عزم و ہمت نے ارتداد جیسے فتنہ کو کچل کر رکھ دیا اب بھی

لہ تاریخ الرسل والملوک طبری ج ۲ ص ۱۶۹۔

اس امت میں اتنا دم خم ہے کہ موجودہ شورش اور بغاوت کو وہ فرد کر سکتی ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ کوئی صاحب عزم و ایمان اس کو اس مقصد کے لئے تیار کرلے بہرحال جو بھی سوچا ہو، انھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ امت کو اصلاح حال کی دعوت دی جائے۔

چنانچہ جب وہ اپنی مہم پر بصرہ پہنچیں تو گورنر بصرہ عثمانؓ بن حنیف نے عمران بن حصین اور ابوالاسود کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ آپ کا منشا دریافت کرائیں۔ چنانچہ ان کے استفسار پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا:-

ان الغوغاء ونزاع القبائل غزوا حرم رسول اللہ واحدثوا فیہ واٰووا المحدثین فاستوجبوا لعنۃ اللہ ولعنۃ رسول اللہ مع ما نالوا من قتل امیر المسلمین بلا ترۃ ولا عذر فاستحلوا الدم الحرام و سفکوہ و انتھبوا المال الحرام واحلوا البلد الحرام والشھر الحرام فخرجت فی المسلمین اعلمھم ما اتیٰ ھؤلا وما الناس فیما وراءنا وما ینبغی لھم من

غنڈوں اور اپنے قبیلوں سے نکلے ہوئے لوگوں نے حرم رسولؐ میں جنگ کی، اس میں بدعت پھیلائی اور بدعتیوں کو جگہ دی اس طرح اللہ اور اس کے رسول کی لعنت کو اپنے اوپر واجب کر لیا۔ ساتھ ہی انھوں نے مسلمانوں کے امام کو بغیر کسی ظلم اور جائز وجہ کے قتل کیا ہے پس بیک وقت انھوں نے خون ناحق کو حلال کیا اور اسے بہایا۔ اور مال و دولت کو لوٹا جس کا انھیں حق نہیں تھا۔ محترم مدینے اور محترم مہینے کی حرمت کو ختم کر دیا۔ میرے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان فتنہ بازوں

اصلاح هٰذه القصة وقرأت لا خير في كثير من نجواهم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بين الناس ومن يفعل ذلك ابتغاء مرضات الله فسوف نؤتيه اجراً عظيما فهذا اشأننا الى معروف نأمركم به ومنكر ننهاكم عنه [1]

نے کیا کیا ہے اور ہمارے پیچھے لوگ کس حال میں پڑے ہوئے ہیں اور ان حالات میں انھیں کس قسم کی اصلاح کرنی چاہیے؟ پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے، ”ان کی بیشتر سرگرمیوں میں کوئی خیر نہیں ہے مگر وہ جو خیرات یا بھلائی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے اور جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب بڑا اجر دیں گے“ اور کہا یہ ہے ہماری پوزیشن کہ ہم تم کو بھلائی کا حکم دے رہے ہیں اور برائی سے روک رہے ہیں۔

قعقاع نے پوچھا ”ام المومنین آپ کس غرض سے یہاں آئی ہیں، جواب دیا :۔

اى بنى الاصلاح بين النّاس [2]

اے بیٹے! لوگوں کے درمیان اصلاح کے لئے آئی ہوں۔

یہ تصریحات بتاتی ہیں کہ ان کے سامنے نہ تو کسی قسم کے اقتدار کا حصول تھا اور نہ وہ کوئی منصوبہ بنا کر حضرت علیؓ سے جنگ کے لئے روانہ ہوئی تھیں بلکہ وہ صرف یہ چاہتی تھیں کہ اپنے اثر و رسوخ سے امت کو اصلاحِ حال کی طرف متوجہ کریں۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

---

۱ الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص۹۹، طبری ج ۵ ص۱۷۴۔ ۲ الکامل ج ۳ ص۹۹
البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص۲۳۷۔

ان عائشة لم تقاتل ولم تخرج لقتال وانما خرجت بقصد الاصلاح بین المسلمین وظنت ان فی خروجہا مصلحۃ للمسلمین۔[1]	حضرت عائشہؓ نے نہ تو جنگ کی اور نہ وہ جنگ کی غرض سے چلی تھیں وہ تو صرف مسلمانوں کی اصلاح کے ارادے سے گھر سے نکلی تھیں کیونکہ وہ خیال کر رہی تھیں کہ ان کے گھر چھوڑنے میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعد میں حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ سے جنگ بھی کرنی پڑی لیکن اس میں ان کے قصد و ارادے کا دخل نہیں تھا بلکہ حالات نے ان کو اس میں مبتلا کر دیا تھا۔

اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ گو ان کو اپنے ہم خیال لوگوں میں قائد اور رہنما کی حیثیت حاصل تھی۔ ان ہی کی مرضی سے تمام معاملات طے ہوتے تھے اور کوئی کام ان کے مشورے کے بغیر طے نہیں پاتا تھا لیکن اس کے باوجود تاریخ سے اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں جا سکتا کہ انھوں نے ایک مشیر اور بہی خواہ سے آگے بڑھ کر قیادت و رہنمائی کا بھی دعوی کیا ہو اور جو لوگ آپ کے اشارے پر جان و مال لٹانے کے لئے تیار ہی نہیں تھے بلکہ عملاً لٹا رہے تھے وہ بھی آپ کو قانوناً اپنا خلیفہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ حتیٰ کہ نماز حضرت طلحہؓ پڑھائیں یا حضرت زبیرؓ۔ اس مسئلے پر ان لوگوں میں اختلاف ہوا اور حضرت عائشہؓ ہی کے مشورے سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس کام پر مامور کیا گیا لیکن کسی نے اس منصب کے لئے حضرت عائشہؓ کا نام تجویز تک نہیں کیا، حالانکہ نماز کی امامت، قیادت

---

[1] منہاج السنہ ج ۲ ص ۱۸۵۔

ملّت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کے درمیان ہوا جو آپ کے مخالف نہیں بلکہ مؤید و ناصر تھے اور جن کے نزدیک آپ کی دینی حیثیت حضرت طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ اور عبداللہ بن زبیر رضؓ سے کہیں زیادہ تھی۔

بہر حال یہ واقعہ انتہائی ہنگامی حالات کا نتیجہ تھا جس میں حضرت عائشہ رضؓ کو ایسے اقدامات کرنے پڑے جس کی توقع عام حالات میں اُن سے ہرگز نہیں کی جا سکتی تھی۔ ایسے ایک واقعہ کو ہر دور کے لئے مستقل سند سمجھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی پیاسے کو شراب پیتے دیکھ کر اس کے جواز کا فتویٰ صادر کر دیا جائے۔

جنسی تعلقات

عہدِ قدیم سے دورِ جدید تک

جنسی تعلق کی نوعیت کیا ہو؟ یہ سوال اتنا ہی قدیم ہے جتنا قدیم کہ خود انسان۔ اس سوال کا محرک جنسی خواہش ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بقائے نسل کا جذبہ بھی کارفرما ہے، کیونکہ اب تک انسان سوائے جنسی تعلق کے کسی ایسے طریقے سے واقف نہیں ہے جس کے ذریعہ اپنی نسل کو باقی رکھ سکے۔ اگر یہ تعلق منقطع ہو جائے تو نسلِ انسانی کا سلسلہ بھی رُک جائے گا۔ اسی لئے دورِ قدیم کا توہم پرست انسان جنسی جذبے کو ایسی غیبی قوت خیال کرتا تھا جو اس کی موت و حیات پر قدرت رکھتی ہے چنانچہ مصر، سوڈان، مغربی افریقہ، یورپ اور ایشیا کی بیشتر قوموں میں اس قوت کے مقابلے میں اپنی بے بسی و بے چارگی کا شدید احساس پایا جاتا تھا اور وہ اپنی نسل کو جنسی قوت کے غضب اور غصے سے بچانے کے لئے اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کو ضروری سمجھتی تھیں۔ اس مقصد کے لئے بعض قوموں نے ایسی مورتیاں بنائی تھیں جن سے صنفی تعلقات پوری طرح نمایاں تھے بہت سے قبائل اور قوموں کے بتوں کی ہیئت ہی اعضاء جنسی کی سی ہوتی تھی کیوں کہ اعضاء جنسی کے متعلق یہ تصور

تھا کہ وہ اس غیبی قوت کے مظہر ہیں جو انسانی نسل کو باقی رکھے ہوئے ہے حتیٰ کہ اظہارِ عقیدت کے لئے ایسی چیزوں کو منتخب کیا جاتا تھا جو ان اعضا سے مشابہت رکھتی ہیں یا جن سے کسی نہ کسی طرح جنسی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسی قومیں بہت سی ملیں گی جن کے مراسم خوشی و غم میں جنسی عنصر شامل ہے۔ آج بھی ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کتنے ہی ایسے غیر متمدن قبائل ہیں، جنسی جذبے کی پرستش جن کے مذہب کے ایک ضروری جزو کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

یہ سب کچھ انسان کی اس شدید خواہش کا نتیجہ تھا کہ اس کی اولاد باقی رہے تاکہ زندگی کی سرگرمیوں میں اس کا ساتھ دے۔ دشمن کے مقابلے میں اس کی حفاظت کرے۔ تلاشِ معیشت میں اس کا ہاتھ بٹائے لیکن جب وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، مثلاً کیا اپنی تمام اولاد کو باقی رکھے یا صرف ان ہی کو جو اس کے لئے کارآمد اور مفید ہوں؟ ان کی پرورش اور ساخت و پرداخت کون کرے آیا یہ صنفِ اناث کی ذمہ داری ہے یا صنفِ ذکور کی یا دونوں اس میں شریک ہیں؟ پھر ذرائع معیشت اور مال و اسباب کی تقسیم ان کے درمیان کیسی ہو۔ یہی مسائل پھیل کر خاندان اور قبیلہ اور قوم و ریاست کی شکل اختیار کرتے رہے ہیں اور ان ہی سے ان کی ہیئت بھی متعین ہوتی رہی ہے۔ قبائلی زندگی کبھی ماں کے گرد گھومتی تھی، باپ محنت مشقت کر کے معاش فراہم کرتا اور ماں پوری مالکانہ حیثیت میں اس کو اولاد اور دیگر افرادِ خاندان پر خرچ کرتی حتیٰ کہ اولاد بھی ماں ہی کی طرف منسوب کی جاتی۔ کہیں سلسلہ پدری اور خاندان پر مرد کے کنٹرول کا ثبوت ملتا ہے اور کہیں ماں، باپ

مل جل کر مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مسائل کے حل کی ان مختلف صورتوں کے ساتھ ساتھ جنسی تعلق کی نوعیتیں بھی بدلتی رہی ہیں کہیں اس تعلق کی نوعیت بالکل وقتی رہی ہے اور کہیں اس کو مستقل اور پائیدار رشتہ سمجھا گیا ہے کسی قوم کے نزدیک اس کے لئے بہت سے حدود کو قبول کرنا پڑتا تھا اور کسی کے ہاں محض طرفین کی خواہش اس کو جائز کر دیتی تھی۔ کہیں ایک زوجگی کا رواج تھا اور کہیں ایک عورت سے خاندان کے سب ہی مردوں کو متمتع ہونے کا حق تھا۔ کہیں تعددِ ازدواج پر عمل تھا اور کہیں توحدِ ازدواج کا طریقہ رائج تھا۔ غرض کوئی ایک ضابطہ نہیں تھا جس پر تمام قومیں کاربند رہی ہوں۔

ان مختلف طریقوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ یہ وقت کے سماجی و معاشی تقاضوں کے تحت وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو انسان نے یقیناً اپنے مخصوص حالات کی بنا پر اختیار کیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض طریقوں کا رواج محض جنسی آسودگی کے لئے ہوا ہے کیوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جنسی داعیات بہت شدید ہیں جن پر قابو پانا انتہائی دشوار ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا بالکل سادہ لوحی ہے کہ ان کی تسکین میں انسان نے سماج کے مفاد کی رعایت کی ہوگی۔ بلکہ جہاں تک ہمارے قریبی مشاہدے اور تاریخی حقائق کا تعلق ہے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنسی خواہش سماجی تقاضوں پر غالب رہی ہے جس کی وجہ سے سماج کو سخت نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ ہزارہا زندگیاں تباہ ہوئی ہیں۔ انسانوں کے درمیان سے سکون اور چین رخصت ہوا ہے۔ امن و امان کے بجائے بدامنی اور خوف و ہراسانی پھیلی ہے۔ ناچاقی اور اختلافات اور قتل و خونریزی عام ہوئی ہے

یہ سب نتیجہ رہا ہے جنسی جذبات کے پیچھے دوڑنے کا۔

رہبانیت

ان حالات نے رہبانیت اور تجرد پسندی کو جنم دیا۔ امن وامان اور انسانیت کی نجات اسی میں نظر آنے لگی کہ جنسی جذبات ہی کو دبا دیا جائے کیوں کہ جب تک فتنہ وفساد کا یہ سرچشمہ بند نہ ہوگا سکون اور اطمینان نہیں مل سکتا۔ اس نقطۂ نظر کو مصر، یونان، ہندوستان، چین اور یورپ وغیرہ میں خوب فروغ ہوا اور جہاں بھی یہ نقطۂ نظر پہنچا اس نے انسان کو جنسی خواہش سے پھیرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ جنس مقابل ہی سے شدید نفرت پیدا کردی اور اس سے دوری اور کنارہ کشی کو انسانیت کی معراج اور خیر وفلاح کا ذریعہ قرار دیا۔

چنانچہ آپ مسیحیت کو لیجئے جو حضرت مسیحؑ کے بعد تجرد پسندی اور رہبانیت میں تبدیل ہوگئی تھی اس کا اصل الاصول ہی یہ قرار پایا کہ جنسی تعلقات سے احتراز کیا جائے اور مسیحیت کے علمبردار اس سے اس طرح بچتے تھے جیسے کوئی شخص گندگی سے گذرتے ہوئے اپنا دامن بچائے رکھے۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور امام رہبانیت سیولیس جب نہایت ضعیف اور اپاہج ہوگیا تو اس کی انتہائی کبرسنی پر نظر کر کے اس کے تلامذہ و رفقاء نے چاہا کہ وہ جنگل چھوڑ کر کسی بستی میں سکونت اختیار کرے۔ وہ اس درخواست کو قبول کرنے پر راضی ہوگیا لیکن شرط یہ پیش کی کہ وہ بستی ایسی ہو جس میں کبھی کسی عورت سے دوبدو ہونے کا احتمال نہ ہو ایسی بستی کا وجود ظاہر ہے کہ ناممکنات سے تھا چنانچہ بالآخر وہ بدستور جنگل ہی میں مقیم رہا اور وہیں جان دیدی۔"

سینٹ بیسل نے بجز کسی شدید مجبوری کے عورت کا چہرہ دیکھنا اپنے اوپر

حرام کر لیا تھا۔ سینٹ جان نے ۴۸ سال تک عورت کی صورت نہیں دیکھی بالآخر اس کی بیوی نے مجبور ہو کر اس کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ اسے دیکھنے نہ آئے گا تو وہ اپنی جان دے دے گی۔ یہ سن کر اس نے جواب دیا کہ آج رات کو جس وقت تم اپنی خواب گاہ میں ہو گی میں آؤں گا۔ اور اس وعدہ کا ایفا یوں ہوا کہ بیوی نے رات کو اسے خواب میں دیکھ لیا"

ملکہ زنو بیہ کبھی اپنے شوہر کے ساتھ مباشرت پر راضی نہ ہوئی بجز اس صورت کے جب ایسا کرنا ولیعہد سلطنت کو وجود میں لانے کے لئے ضروری ہو گیا۔ ہا پیشیا کی گو شادی ہو گئی تھی تاہم وہ عمر بھر باکرہ رہی۔ یعنی شوہر کو اس نے کبھی اپنے ساتھ صحبت نہ کرنے دی۔"

جنس مقابل سے نفرت اور بیزاری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ یہ راہبین ماؤں، اور بہنوں تک سے بھاگنے لگے تھے جن کی رفاقت کو دنیا نے ہمیشہ باعث عزت و افتخار سمجھا ہے گویا ان کی قربت بھی ان کے لئے ایک عذاب تھی۔

ایک راہب صاحب سفر کر رہے تھے اور اپنی والدہ کو بھی اپنے ہمراہ لئے ہوئے تھے۔ راستہ میں ایک چشمہ پڑا جس پر کوئی پل نہ تھا حضرت نے جلدی جلدی اپنے ہاتھ اور سارے جسم کو کپڑے میں خوب کس کر لپیٹنا شروع کیا۔ ماں نے متحیر ہو کر سبب پوچھا تو جواب دیا تمہیں کندھے پر بٹھا کر اس پار کرنا ہے ڈر ہے اگر کہیں میرا جسم تمہارے جسم سے مس ہو گیا تو میرا سارا کیا کرایا ایک دم میں رائیگاں جائے گا۔

سینٹ جان آف کی ہمشیر کو اس سے بے حد انس تھا۔ جب سینٹ مذکور کو بادیہ نشینی اختیار کئے بہت زمانہ گذر گیا تو ہمشیر کے دل میں دیکھنے کا بہت اشتیاق

ہوا، بلانے کے بہت سے خطوط لکھے مگر ادھر سے انکار ہی رہا۔ آخر مجبور ہو کر خود جنگل میں جا کر ملنے کا ارادہ کیا۔ سینٹ مذکور کو وحشت ہوئی اور خط میں لکھ کر بھیجا کہ میں خود ہی آتا ہوں۔ چنانچہ آپ آئے ضرور مگر اس قدر تبدیل ہیئت کے ساتھ کہ بہن نے پہچانا تک نہیں۔ اسی حالت سے واپس چلے گئے اور بدعہدی کے شکیے کے جواب میں لکھ بھیجا، میں آیا تو تھا مگر مسیح کے فضل و کرم سے تم نے مجھے پہچانا نہیں اب ہرگز میرے دیدار کا قصد نہ کرنا۔"

سینٹ پیمن کی بابت یہ روایت ہے کہ اس نے مع اپنے چھ بھائیوں کے دفعتہً ترکِ خاندان کر کے جنگل کی راہ لی۔ جس ضعیف ماں کی ساتوں اولادیں اسے اک بارگی چھوڑ دیں اس کے دل پر کیا گزر گئی ہوگی۔ غرض بے تاب ہو کر خود بھی جنگل میں آئی۔ یہاں وہ ایسے وقت پہنچی جب کہ یہ لوگ اپنے حجرے سے نکل کر کہیں جا رہے تھے، ماں کی صورت دیکھتے ہی سب دہشت زدہ ہو کر بھاگے۔ ماں نے فوراً تعاقب کیا لیکن کبرسنی کے پاؤں جوانی کے پاؤں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے اور قبل اس کے کہ ماں دروازے پر پہنچے صاحبزادوں نے اندر سے حجرہ بند کر لیا۔ اب حالت یہ تھی کہ ضعیف و ناچار ماں دروازے پر کھڑی اپنی جگر دوز چیخوں سے جنگل کو ہلائے دیتی تھی۔ اس حالت میں سینٹ پیمن نے دروازے کے قریب آ کر اس آہ و شیون کا سبب پوچھا۔ ماں نے ہچکیاں لے لے کر تقریر شروع کی کہ یہ سارا صدمہ تمہارے نہ دیکھنے کا ہے، کیا تم مجھے نہیں جانتے میں تمہاری ماں ہوں؟ کیا میں نے تمہاری رضاعت نہیں کی؟ تمہیں پال جلا کر اتنا بڑا نہیں کیا؟ کیا میرے ان احسانات کا یہی معاوضہ تھا؟ کیا میرے حقوق تم نے بھلا دیئے؟ یہ ساری تقریر بے اثر

رہی۔ اہل زہد کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یہ جواب ملا کہ تم اپنی موت کے بعد ہی ہمیں دیکھ سکو گی۔ یہاں تک کہ دکھیاری ماں کو اس سے تسلی پاکر ناکام واپس جانا پڑا۔"

سینٹ سیموین کو ترک خانماں کیے جب ستائیس سال گزر چکے اور سینٹ موصوف کی ماں کو جنگل میں ان کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہوا تو وہ ملاقات کے لئے خود جنگل میں آئی۔ لیکن اس کی تمام تقریریں، خوشامدیں، آہ وزاریاں سب بے کار گئیں اور سینٹ موصوف نے کسی طرح ملاقات کی حامی نہیں بھری۔ آخر جب دیکھا کہ ماں کی بیقراری حد سے گزرتی جاتی ہے تو یہ کہلا بھیجا کہ میں عنقریب ملنے آتا ہوں تین شبانہ روز اس وعدے کے گذر گئے یہاں تک کہ انہی حجرے کے دروازے پر فرط یاس سے ماں نے دم توڑ دیا۔[1]

مسیحی مذہب کے ان دو تین واقعات سے دوسرے راہبانہ مذاہب کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان مذاہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ جنسی جذبات کی بے اعتدالیوں کا علاج نہیں تجویز کرتے بلکہ ان کے خلاف بغاوت کی تعلیم دیتے ہیں، حالانکہ انسان کے فطری جذبات کو دبایا اور کچلا نہیں جا سکتا اور اگر ان کو دبایا جائے تو وہ غلط رخ سے ابھرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے جن لوگوں نے جنسی مطالبے کے سامنے مصنوعی بند باندھنے کی کوشش کی وہ غیر فطری وغیر قانونی طریقوں سے اس کی تکمیل پر مجبور ہوئے۔

---

[1] یہ واقعات تاریخ اخلاق یورپ حصہ دوم سے لئے گئے ہیں۔

لیکی اپنی کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" میں لکھتے ہیں:۔

"پاپائے اعظم جان بست سوم زناکاری اور خود اپنی ماں بہن کے ساتھ زناکاری کے مرتکب ہوئے ــــــــ کنٹربری کے اسقف ۱۱۷۱ء میں صرف ایک موضع میں ۱۷ ناجائز بچوں کے والد نکلے ۔ اسپین کے ایک اسقف ۱۱۳۰ء میں ۷۰ کنیزیں رکھے ہوئے تھے ۔ ہنری سوم سیشر کے پادری کی ۶۰ ناجائز اولادیں ۱۲۷۴ء میں نکلیں ۔ ان سب کو مستثنیات سمجھ کر تھوڑی دیر کے لئے ان سے قطع نظر کر بھی لیجیے ۔ تاہم اسے کیا کیجیے گا کہ اس زمانہ کے پادریوں کی عام بد چلنی و شہوت پرستی کے ثبوت میں مستند شواہد کے دفتر کے دفتر موجود ہیں ۔ اچھوتیوں کی خانقاہیں اب خانقاہیں نہیں رہی تھیں بلکہ حرام کاری کے اڈے اور ناجائز بچوں کے قبرستان تھے ۔ حرام کاری و شہوت پرستی کے جوش میں محرمات و غیر محرمات کی تمیز اٹھ گئی تھی ۔ چنانچہ بار بار اس طرح کے قوانین کے نفاذ کی ضرورت پیش آتی رہی کہ پادری اپنی ماؤں اور بہنوں سے الگ رہیں ۔ اغلام اور شاہد بازی کی گو مسیحیت نے بیخ کنی کی ۔ لیکن خانقاہوں کی چار دیواری کے اندر اس کی سرپرستی قائم رہی ۔ خود ناصحین کی یہ حالت تھی کہ وہی سب سے زیادہ آلودۂ معاصی رہتے تھے ۔ بارھویں صدی میں پاپا صاحب کے ایک سفیر انگلستان میں وعظ کے لئے تشریف لائے ۔ کلیسا کے اخلاقی انحطاط پر انھوں نے شد و مد سے وعظ کہا

لیکن ابھی اس کو چند گھنٹے بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے خلوت کدے میں ایک طوائف کے ساتھ لطف ہم آغوشی حاصل کر رہے تھے۔ یہ سب کیا تھا؟ وہی ازدواج کو ممنوع قرار دینے کا وبال. ساری خرابیوں کی جڑ یہی تھی کہ شادی و نکاح کے پاک و فطری طریقے کے انسداد کی کوشش کی جاتی تھی۔ پانی کے بہاؤ کے قدرتی راستے کو روک دیئے گا تو وہ حوض کے اندر لامحالہ گندگی و تعفن پیدا کر دے گا۔"

غیر فطری جدوجہد کے ذریعہ ان سیاہ اعمالیوں سے آدمی اپنا دامن بچا بھی لے تو اس کا مزاج اور طبیعت اس جدوجہد کو قبول نہیں کر سکتا کیوں کہ انسان کی ساخت اور سرشت ہی ایسی ہے کہ اس کے اندر جنسی داعیات شدت کے ساتھ اُبھرتے رہتے ہیں۔ ان داعیات کی تسکین ہی سے اس کو سکون اور چین ملتا ہے اس کے بغیر اس کے جذبات واحساسات اور فکر و مزاج کا اعتدال پر رہنا انتہائی دشوار ہے بلکہ بعض اوقات اس کا آدمی پر اتنا شدید ردِ عمل ہوتا ہے کہ اس کا سارا فکری و جسمانی نظام مختل ہو جاتا ہے۔

مارچ ۱۹۵۷ء کو دماغی امراض کے گیارہ ہزار مریضوں کے پسِ منظر کا جائزہ لینے کے بعد دماغی امراض کے برطانوی ماہرین کا ایک گروپ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ "اگر سکونِ قلب چاہتے ہو اور بہت سی دماغی بیماریوں سے بچنا چاہتے ہو تو شادی کر لو۔"

اقوام متحدہ کے تحت دنیا کے نمایندہ ملکوں یعنی امریکہ، انگلستان

بلجیم، مصر، آسٹریلیا، بھارت، پاکستان وغیرہ نے تحقیق کی، مردم شماری کے رجسٹروں کی چھان بین کی اور پتہ چلایا کہ اوسط عمر کس قسم کے لوگوں کی زیادہ ہے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ کنواروں اور رنڈووں کے مقابلے میں شادی شدہ مردوں کی عمر کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ان تمام ملکوں کی اگر اوسط عمر نکالی جائے تو شادی شدہ مردوں کی اوسط عمر ۷۰ برس نکلتی ہے اس کے مقابلے میں غیر شادی شدہ مرد صرف ۳۹ برس کی اوسط تک زندہ رہتے ہیں اور سب سے زیادہ اوسط عمر شادی شدہ عورتوں کی ہوتی ہے۔"

جنسی تعلق سے دوری کے نقصانات فرد کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس کے پیچھے کام کرنے والی روح آدمی کے سماجی تعلقات کو بھی پارہ پارہ کر دیتی ہے کیوں کہ جب کوئی تعلق اس لئے ناجائز اور مبغوض قرار پائے کہ اسے انسانوں کی بدعملیوں نے ناپاک کر دیا ہے تو دنیا کا کون سا انفرادی و اجتماعی رشتہ ہے جو ہر طرح کی آلودگیوں سے محفوظ ہے۔ ماں اور بچے کے تعلق کو فطری تعلق سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں بھی ہزارہا خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں کیا ان خرابیوں کی وجہ سے ماں کی گود سے بچے کو چھین لیا جائے؟

جنسی جذبے کو دبانے کا ایک نتیجہ تمدن کا زوال بھی ہے کیوں کہ تمدن کی ترقی میں اس جذبے کو بہت بڑا دخل ہے۔ آدمی اپنے جذبات کی آسودگی محض سادہ طریقے سے نہیں چاہتا۔ بلکہ اس میں رنگینی اور کیف پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بازاروں کی رونق تفریح گاہوں کے دلفریب مناظر، عالی شان عمارتوں اور دیگر تمدنی مظاہر کے پیچھے آدمی کی یہ خواہش بھی کام کرتی ہے کہ اس کے گرد ایسا ماحول رہے جس سے

جنسی لذت میں اضافہ ہو سکے۔ اس جذبے کو مٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمدنی ترقی کے ایک مؤثر عامل کو ختم کر رہے ہیں۔

تجرد پسندی کی سب سے بڑی اور اہم خرابی یہ ہے کہ وہ نسل انسانی کی دشمن ہے۔ قدرت نے دو صنفوں کے درمیان کشش اس لئے رکھی ہے کہ اس سے ایک تیسرا وجود پیدا ہو جو ان کی قائم مقامی کرے۔ قدرت اس جذبے کے ذریعہ یہ اعلان کر رہی ہے کہ یہاں حقِ زیست صرف ان ہی انسانوں کو نہیں ہے جو اس وقت موجود ہیں اور نہ ان کے بعد بساطِ انسانیت تہ کی جانے والی ہے۔ اس کے لئے اس صنفی کشش کو نوعِ انسانی کے بقا کا ذریعہ ہونا چاہیئے۔ لیکن ایک تجرد پسند، قدرت کے اس اعلان کا جواب یہ دیتا ہے کہ خود میرا وجود زمین کے سینے پر بار ہے تمہاری آواز پر لبیک کہوں تو میری روح ناپاک ہو گی اور میرا نفس آلودۂ معصیت ہو جائے گا۔ اگر یہ چمن اجڑتا ہے تو اُجڑنے دو، میں اپنا دامن کانٹوں سے الجھا نہیں سکتا۔

اباحت پسندی

زمانۂ قدیم ہی سے رہبانیت کے ساتھ ساتھ اس کے بالکل برعکس ایک دوسرا نقطۂ نظر بھی کام کرتا رہا ہے اور وہ ہے اباحت پسندانہ نقطۂ نظر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جنسی داعیہ ایک فطری داعیہ ہے تو دوسرے داعیاتِ فطرت کی طرح اس کی تسکین کا سامان ہونا چاہیے۔ اس میں صحیح اور غلط، جائز اور ناجائز کی قید بے معنی ہے کیوں کہ انسان کے فطری تقاضوں پر پابندی عائد کرنا اس کے ساتھ ظلم ہے۔ اس لئے اس کو حق ملنا چاہیے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی خواہش پوری کرے۔

رہبانیت، شہوت پرستی اور اس کی تباہ کاریوں کے خلاف ایک فراری طرزِ عمل ہے تو اباحت پسندی انسان کے عزم و حوصلہ کی شکست اور اس کے جذبۂ شر کے مقابلے میں جذبۂ خیر سے مایوسی کا اعلان ہے۔ اس نظریے کو تسلیم کر لینے کے بعد ہر طرح کی عیاشی اور لذت کشی کے لئے وجہ جواز ہاتھ آجاتی ہے۔ اسی لئے اس کو مختلف ادوار میں انتہائی فروغ ہوا۔ ہر جگہ زنا کاری اور عیاشی کے اڈے قائم ہوئے۔ ہوس رانی عام ہوئی اور ناجائز تعلقات اور اس کے نتائج خوشی خوشی برداشت کئے گئے یہاں تک کہ اس تصور نے سوسائٹی میں ایک مستقل عصمت فروش طبقے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا اور اس کی ہر طرح ہمت افزائی کی تاکہ جنسی تسکین کی راہ میں رکاوٹ باقی نہ رہے اور آزادی کے ساتھ ہر وقت خواہشات کی تکمیل ہو سکے۔

سینٹ اگسٹائین اس طبقے کی ضرورت کو اس طرح ثابت کرتا ہے۔ کسبیوں کے پیشے کو نہ روکو ورنہ شہوت رانیاں تمام سوسائٹی کو تہ و بالا کر دیں گی۔

لیسمر جیسا حکیم اور فلسفی اپنی تقریر میں کہتا ہے:۔

"اگر ہم میں سے کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ نوجوانوں کو طوائفوں کی صحبت سے بالکل محترز رہنا چاہیئے تو میں کہوں گا کہ اس کا خیال بہت ہی سخت ہے۔ آج تک کس نے اس کی پابندی کی ہے اور آج کل کیا، قدما میں کب کوئی اس خیال کا گزرا ہے؟ کب اور کس زمانے میں کسی نے اس کے جواز پر شبہ کیا ہے؟"

قطع نظر اس بحث سے کہ یہ نظریات انسان کے جنسی اخلاقیات پر کس

حد تک اثر انداز ہوئے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخ کے بیشتر ادوار میں جنسی بے راہ روی عام رہی ہے۔

کتاب مقدس انجیل میں لکھا ہے کہ ایک دن یسوع مسیحؑ کے پاس "فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا اے استاذ! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے ..... پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ ..... (مسیح نے) ان سے کہا جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کے پتھر مارے ... یہ سن کر بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک ایک ایک کر کے نکل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا۔" (یوحنا ۸) کیوں کہ ان میں سے کسی کا دامن بھی اس گناہ سے پاک نہ تھا۔

جنسی آوارگی مختلف ناموں سے پائی جاتی رہی ہے، کبھی اس کو سماجی و تمدنی ضرورت کا نام دیا گیا، کبھی اس کو تقاضائے فطرت کہا گیا اور کبھی اس نے مذہبی رنگ اختیار کیا ہے لیکن اس کے پیچھے زیادہ تر انسان کی خواہش نفس کام کرتی رہی ہے۔

اسلام کے آنے سے پہلے کے عرب کا حال حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں جو بخاری اور ابوداؤد جیسی صحیح کتابوں میں موجود ہے کہ عرب میں جنسی تسکین کے چار طریقے تھے۔ پہلا طریقہ تو باقاعدہ نکاح کا تھا۔ جو شخص کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا اس کے سرپرست کے پاس پیغام بھیجتا۔ اگر پیغام قبول کر لیا جاتا تو مہر ادا کر کے اس سے رشتہ قائم کر لیتا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی شریف اور مشہور آدمی کا نطفہ حاصل کرنے کے لئے مرد اپنی بیوی کو اس کے ہاں رات گزارنے کا حکم دیتا

اور جب تک حمل ظاہر نہیں ہوتا وہ بیوی سے الگ رہتا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ دس سے کم اشخاص ایک عورت سے تعلق رکھتے اور اس تعلق کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوتی عورت اس کو ان میں سے کسی ایک کے نام منسوب کر دیتی اور وہ اسی کی سمجھی جاتی۔ چوتھا طریقہ یہ تھا کہ عرب میں باقاعدہ بیسوائیں تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کر رکھتی تھیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے کی ہر شخص کو اجازت تھی۔ ایسی عورتوں کے جب بچے ہوتے وہ قیافہ شناس کی مدد سے ان سے تعلق رکھنے والے طبقہ میں سے کسی کی طرف منسوب کر دیئے جاتے اور اس کو لامحالہ قبول کرنا پڑتا۔

خود ہمارے ہندوستان میں جنسی تعلق کے ایک دو نہیں آٹھ طریقے رائج تھے اور کمال یہ کہ یہ سب جائز اور صحیح سمجھے جاتے تھے۔

بعض اوقات بانجھ عورتیں اولاد حاصل کرنے کے لئے ہفتوں پجاریوں کے ساتھ شب باش ہوتی تھیں اور یہ سوسائٹی میں بالکل معیوب نہیں تھا۔

سیّد شریف الدین سمھودی نے اپنی کتاب "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ" میں مدینہ کے ایک یہودی بادشاہ کا ذکر کیا ہے جس نے یہ قانون نافذ کر رکھا تھا کہ جو بھی لڑکی بیاہی جائے رخصتی سے پہلے لازماً اس کے ساتھ ایک رات گزارے۔

یہ ایک تفصیلی بحث ہے کہ قدیم ادوار میں جنسی آوارگی کہاں کہاں اور کن شکلوں میں پائی جاتی تھی۔ یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ جنسی بے راہ روی اور اباحت پسندی کسی دور اور کسی علاقہ کے ساتھ مخصوص نہیں

رہی بلکہ تقریباً ہر دور اور ہر علاقہ میں پائی گئی ہے۔

دورِ جدید

لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اباحت کے تصور کو موجودہ دور سے پہلے کبھی قبولِ عام حاصل نہیں ہوا کیوں کہ اب تک ہزار بداخلاقیوں کے باوجود، اخلاق وشرافت اور طہارت وتقویٰ ہی کو انسانیت کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ یہ دورِ حاضر کا وصفِ امتیازی ہے کہ اس نے استدلال کی پوری قوت کے ساتھ دعویٰ کیا کہ انسان بھی دوسرے حیوانات کی طرح ایک حیوان ہے جو اپنے اندر کچھ خواہشات اور داعیات رکھتا ہے۔ ان خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اس کو چند لمحاتِ حیات حاصل ہیں جن کے ختم ہونے پر وہ عدم کے پردے میں چھپ جائے گا اسے جو کچھ دادِ عیش دینی ہے اور لطفِ زیست حاصل کرنا ہے اسی وقفۂ زندگی میں حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنی خواہشات اور جذبات کا مرقد تیار کرنے کے بجائے ان کو تیز سے تیز تر کرنا چاہیئے تاکہ اپنے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی مرغزار شئے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے اور وہ دنیا سے اس حال میں نہ جائے کہ اس کی تمنائیں اور ولولے ماتم کناں رہ جائیں۔

"زنا" کو مذہبی تنگ نظری نے اس قدر گھناؤنا اور مکروہ بنا دیا ہے کہ اس کے ساتھ بدکاری، معصیت اور انتہائی متعفن کردار نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے ورنہ "زنا" کے تجزیے کے بعد صرف اتنی سی بات سامنے آتی ہے کہ انسان نے اپنے ایک فطری مطالبہ کی تسکین میں ان حدود وقیود کی پابندی نہیں کی جو مصنوعی طور پر اس کے اطراف کھڑے کردیئے گئے

ہیں۔ ان حدود کی مخالفت کوئی جرم نہیں جس پر کسی کو غلط کار کہا جا سکے۔ جس طرح کسی حیوان کے متعلق یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ وہ اپنی خواہشات کس طرح پوری کرتا ہے اسی طرح انسان کے متعلق بھی یہ سوال فضول ہے کہ اس نے اپنے جذبات کی آگ بجھانے میں کن حدود کی پابندی کی اور کن حدود کی پابندی نہیں کی۔ یہاں جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ اس کے عمل سے کسی دوسرے انسان کا نقصان ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی عمل فرد یا سماج کے لئے ضرر کا باعث بن رہا ہے تو یقیناً اسے ممنوع ہونا چاہیے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اس کو جائز نہ قرار دیا جائے۔

اس فلسفے نے بہیمیت کی تمام صفات کو انسان کی فطرت اور اس کا خاصّہ ثابت کر دکھایا۔ بندگیٔ نفس اور خواہشات کی غلامی کے جواز میں دلائل فراہم کئے تاکہ انسان کے اندر سے ضمیر نام کا وہ کانٹا نکل جائے جو معصیت کے ارتکاب پر خلش پیدا کرتا ہے اور شہوت پرستی کے لئے اس کا دل اس طرح کھل جائے جیسے وہ کار ثواب انجام دے رہا ہو۔ چنانچہ اب وہ پورے شرح صدر کے ساتھ تہذیب و تمدن کا ایسا نقشہ بنانے میں مصروف ہے جس کے ایک ایک نشان سے عیاشی اور صنفی خواہش نمایاں ہے تاکہ وہ دیکھے تو مناظر عیش دیکھے۔ اس کے کان آشنا ہوں تو نغماتِ کیف و طرب سے اور فکر و دماغ کی قوتیں صرف ہوں تو تکمیلِ خواہشات کی راہ میں۔ عورت اور مرد کا آزادانہ اختلاط، فحش لٹریچر، اخلاق فروش تعلیم، عریاں تصاویر، گندے سینما، نشہ آور چیزوں کا استعمال، غرض شہوانیت کی آگ کو بھڑکانے والا وہ کونسا ذریعہ ہے جسے موجودہ انسان نے اختیار نہ کیا ہو؟

ہفت روزہ "ایشیا" لاہور کے نامہ نگار خصوصی مقیم لندن کے چند اقتباسات

ملاحظہ ہوں :-

"صبح سویرے آنکھ کھلنے پر وہ (طالب علم) کھڑکی کے پاس لگی ہوئی سلفچی (Washbasin) میں منہ دھونے کے لئے جاتا ہے تو نیچے سڑک پر عورتیں گروہ درگروہ جاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جب وہ ناشتہ کر کے کالج جانے کی تیاری کررہا ہوتا ہے تو جھاڑ پونچھ کرنے والی خادمہ آدھمکتی ہے، کسی مکان میں بوڑھی خادمہ ہوتی ہے لیکن کسی میں بالکل نوجوان اور بدکردار ... دفتر جانے کا وقت ہے، ٹکٹ کے لئے قطاریں لگ رہی ہیں وہ بھی ایک قطار میں کھڑا ہے۔ قطار میں اس کے سامنے یا اس کے پیچھے ضرور عورت ہے۔ یہاں غضِ بصر کا کیا سوال، اجسام کو جدا رکھنا بھی کارِ ناممکن ہے۔ ... لفٹ میں داخل ہوا، لفٹ اس طرح بھری جاتی ہے جس طرح ہمارے ہاں بھیڑ کے وقت بسیں، بالکل ٹھسا ٹھس، یہاں اجسام علیحدہ رکھنے کا امکان ہی نہیں۔ یہاں سوال نگاہوں کا ہے کیونکہ اس حالت میں آدمی سامنے دیکھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سامنے والی کے چہرے کو گھورے لہٰذا وہ لفٹ کی چھت کی طرف دیکھتا ہے وہاں تجارتی اشتہارات ہیں، ہر اشتہار میں عورت نمایاں ہے اور خطرناک حد تک نمایاں، کئی ایک بڑے بڑے اور بہت جاذبِ نظر اشتہارات ہیں۔ یہ عورتوں کے اندرونی کپڑے بنانے والی دکانوں کے ہیں۔ کسی

میں عورت کو صرف اس کے اندرونی کپڑوں میں دکھایا گیا ہے۔ کسی میں ان کپڑوں کو پہنتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ برہنگی بذات خود فتنہ ہے لیکن ان میں برہنگی کو عظیم تر فتنہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ غریب جلدی سے اشتہارات سے نظریں ہٹاکر اپنے سامنے والی عورت کو ہی مجبوراً دیکھتا رہتا ہے ... یہاں گاڑی میں بھی لفٹ والا معاملہ ہے نشستیں پُر ہیں۔ ہجوم میں وہ بھی پھنسا کھڑا ہے لیکن ہجوم میں زیادہ تر عورتیں اور وہ خود کسی عورت پر اپنا بوجھ ڈالے کھڑا ہے ... (کالج میں) ایک کرسی پر جا بیٹھا تھوڑی دیر میں ہال بھر گیا۔ اس کے دونوں طرف نہیں تو کم ازکم ایک طرف کوئی لڑکی آن کر بیٹھتی ہے، شانہ سے شانہ مل رہا ہے ... کبھی ٹانگیں لڑ رہی ہیں کبھی بازو ٹکرا رہے ہیں، کبھی ہاتھ مل رہے ہیں اور شانے رگڑ سے چھل رہے ہیں"۔ ۲۸ مارچ ۱۹۵۷ء

گذشتہ دنوں اٹلی کی ایک عدالت میں ایک عورت اس الزام میں پیش ہوئی کہ وہ صرف زیر جامہ پہن کر سڑکوں پہ پھرتی ہے۔ عدالت نے اسے یہ کہہ کر بری کر دیا کہ ایک خوبصورت عورت کا برہنہ جسم کسی خرابی کا باعث نہیں۔

"نیویارک ٹائمز" کے ایڈیٹر جاپان کے دورے پر گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر انھوں نے اپنے دورے کے تاثرات شائع کئے ہیں "دنیا کا عریاں شہر ٹوکیو" کے عنوان کے تحت انھوں نے لکھا ہے:۔

"مجھے ایک جاپانی اخبار نویس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا وہاں

جس حادثے سے دوچار ہوا اس سے مجھے خاصی پریشانی ہوئی۔ میں گھنٹی بجا کر دروازے پر کھڑا اندر سے آنے والے کا منتظر تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خاتون بھیگے ہوئے بالوں کے ساتھ بالکل مادر زاد برہنہ آموجود ہوئیں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ جرنلسٹ گھر پر نہیں ہیں اور یہ خاتون ان کی بیوی ہیں جو بے جھجک نہاتے ہوئے اٹھ کر انھیں یہ بتانے آئی تھیں۔

اپنے اسی ایک مضمون میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں :۔

"رات میں ایک دعوت پر جانے کا اتفاق ہوا۔ عام طور پر جاپانی میزبان اپنے مہمان کو اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں ہی میں مدعو کرتے ہیں، لیکن اس میزبان نے مجھے خلافِ معمول گھر پر مدعو کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو ناچ گانا شروع ہوا جس کا اہتمام میزبان نے کر رکھا تھا۔ مہمانوں میں ایک صاحب شراب سے زیادہ بہک گئے حاضرین میں سے اٹھ کر اس لڑکی کے ساتھ رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر جب ان صاحب نے اس لڑکی کے ایک ایک کر کے کپڑے اتار کر اسے برہنہ کر دیا تو ان صاحب کی اس حرکت پر میزبان اور مہمانوں کا مارے ہنسی کے برا حال تھا۔"

اب تو اس عریانی اور آزادانہ اختلاط کی وبا عبادت گاہوں تک میں گھس گئی ہے۔

جنوبی روڈیشیا کے ایک گاؤں کے متعلق خبر ہے کہ وہاں کے ایک گرجا گھر

میں برادرانہ محبت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک انوکھے طریقے سے کام لیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ عبادت کے شروع ہونے سے پہلے تمام مرد عبادت گاہ میں موجود عورتوں سے بغل گیر ہو کر آپس میں پیار کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں میں نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جس عبادت گاہ میں مردوں کی تعداد تین چار سے زیادہ کبھی نہ ہوتی تھی اب اس میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ چرچ کے منتظمین کو عبادت گاہ کے ساتھ کئی ایک اور کمرے بنانے پڑے ہیں۔

اب موجودہ اخلاق سوز سینماؤں کا حال ایک پورے کمیشن کی زبانی سنیئے جس کو حکومت امریکہ نے اپنے ملک میں جرائم کی روک تھام کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ جنسی جرائم، زنا بالجبر، اغوا، رقابت میں قتل، امراضِ خبیثہ اور مار دھاڑ کا بہت بڑا سبب وہ فلمیں ہیں جو ہالی وڈ میں تیار کی جاتی ہیں۔ کمیشن نے مزید کہا ہے کہ اگر ان فلموں پر کڑا احتساب نہ کیا گیا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ سارا امریکہ غنڈوں، قاتلوں، زانیوں اور ڈاکوؤں کی بستی بن جائے گا۔ کمیشن نے کہا ہے کہ ان فلموں کی وجہ سے ڈاکو ہمارے نوجوانوں کے ہیرو بن رہے ہیں۔ نوجوان طبقے نے نہایت شوق سے ڈاکوؤں کے لباس کو پہننا شروع کر دیا ہے۔ اغوا اور زنا بالجبر اب مردانگی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں سے والدین کو اطلاع دیئے بغیر بھاگ جاتی ہیں۔ کمیشن کو اس بات کا بے حد رنج ہے کہ امریکی کردار جو کبھی ساری دنیا کے لئے قابل تقلید تھا، آج پستی اور ابتذال کی انتہائی حد کو پہنچ چکا ہے۔

فحش نگاری تو اب یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ قانون کے ذریعہ بھی اس کی

اصلاح دشوار ہوتی جارہی ہے۔

جولائی ۱۹۵۵ء کی خبر ہے کہ فلوریڈا (امریکہ) کی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا تھا کہ امریکی آئین فحش نگاری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس فیصلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے امریکہ کے ایک فحش نگار مصنف (فلاویلی) نے لکھا ہے کہ فحاشی پسند امریکہ میں قانون، فحش نگاری کو نہیں روک سکتا۔ مصنف نے کہا ہے کہ امریکی قوم فحش مذاق کے منظر میں پروان چڑھی ہے لہٰذا فحاشی پر پابندیاں مذاق بن کر رہ گئی ہیں۔ امریکی قوم سب سے زیادہ مسائل میں الجھی ہوئی ہے اور سب سے زیادہ جنسیات سے ڈرتی ہے اور اس سے لذت اندوز بھی ہوتی ہے۔ مصنف فلاویلی نے کہا ہے کہ مختصراً ہم ایک فحش قوم ہیں۔ یہ سمجھنا کہ ہم سزا کے ذریعہ فحاشی کو روک سکتے ہیں جیسے بڈھے گمراہ پارساؤں کے جنسی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں (انتہائی سادہ لوحی ہے)

منشیات کا استعمال اس قدر بڑھ گیا ہے کہ فرانس میں شراب نوشی کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۲۳ فیصدی فرانسیسی مرد اور ۴۳ فیصدی فرانسیسی عورتیں پانی استعمال کرتی ہیں۔ اس کے برعکس ۸۲ فیصدی مرد اور ۶۰ فیصدی عورتیں شراب استعمال کرتی ہیں بعض شراب استعمال کرنے والوں کے علاوہ کچھ مردوں اور عورتوں کی تعداد ایسی بھی ہے جو شراب اور پانی ملا کر پیتی ہے۔ ان میں ۹ فیصدی عورتیں اور ۴ فیصدی مرد شامل ہیں۔ کمیٹی نے کہا ہے کہ گذشتہ دس سال میں کثرت مے نوشی سے مرنے والوں کی تعداد میں بارہ گنا اضافہ ہو گیا ہے۔

شراب کی پیداوار کا یہ حال ہے کہ امریکہ میں اسکاچ وسکی تیار کرنے والے

مختلف کارخانوں میں مارچ کے آخر تک ۴۳ کروڑ تیس لاکھ گیلن وسکی کا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا اور اس کی فروخت نے تمام سابقہ ریکارڈات کر دیئے تھے۔ موجودہ اسٹاک آئندہ دس سالوں کی کھپت کے لئے کافی ہے۔ اسکاچ وسکی کی پوری صنعت نے ۳۱ مارچ ۱۹۵۹ء کو ختم ہونے والے سال میں ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ اسی ہزار گیلن وسکی فروخت کی۔ یہ ایک برس قبل کی فروخت سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار گیلن زائد ہے۔ اس میں سے ۹ لاکھ پچاس ہزار گیلن شراب دیگر ملکوں کو برآمد کی گئی۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ امریکہ میں وسکی کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

مغربی جرمنی کے ایک شراب خانہ کے مالک کے متعلق خبر ہے کہ وہ ہر سال اپنی سالگرہ کے موقع پر بیئر شراب کا ایک چشمہ جاری کرتا ہے جس سے ۱۸ سال سے اوپر ہر ایک مرد اور عورت کو مفت شراب پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی اس نے شراب کا چشمہ پُر کر دیا۔ یہ چشمہ متواتر سات گھنٹوں تک چلتا رہا اور تقریباً ۲۵۰۰۰ ہزار اشخاص (مرد و زن) نے اس چشمے سے مفت شراب پی۔ بتایا گیا ہے کہ محکمہ ڈاک و تار نے اس خاص موقع کے لئے یادگاری ٹکٹ بھی جاری کئے جن پر اس چشمے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں!!

یہ وہی شراب ہے جس کے متعلق انسداد مے نوشی کے بین الاقوامی ادارے کے صدر ڈاکٹر رابرٹ پیریس نے کہا ہے کہ شہوانی جرائم ۵۰ سے ۷۵ فی صدی تک شراب نوشی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اس شراب پر صرف برطانیہ میں سالانہ ۱۳½ ارب روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اتنا روپیہ وہاں کے بہت سے اہم تعمیری کاموں میں بھی صرف نہیں ہوتا اسی سے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عیاشی اور بہیمیت کی پرورش کے بے شمار ساز و سامان پر کتنی دولت ضائع جاتی ہوگی - اگر کوئی قوم اس کو ملکی ترقی اور خوشحالی میں لگائے تو ملک کو چین اور راحت کا گہوارہ بنا سکتی ہے۔

اس ہیجان خیز اور شہوت انگیز ماحول میں کسی کا اپنے جذبات پر قابو رکھنا انتہائی دشوار ہے۔ چنانچہ یہی ہو رہا ہے کہ اس تہذیب کا پالا ہوا انسان حیوانوں کی طرح ان حدود و قیود کو توڑتا جا رہا ہے جو شہوت پرستی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔

پیرس کے متعلق چند سال قبل ڈسپرے نے لکھا تھا کہ پیرس میں نوے فی صدی شادیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں فریقین کے مابین قبل از نکاح تعلقات پیدا ہو چکے ہیں۔

۱۹۵۵ء میں فرانس کے میڈیکل بورڈ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر پورے فرانس کے بارے میں اعلان کیا کہ اس کی گودی میں ایک بھی باعصمت عورت نہیں اور اہل فرانس کو اس بات پر فخر ہے۔

فرانس کو فخر کے لئے بس اتنی سی بات حاصل نہیں ہے کہ اس کی گودی میں کوئی باعصمت عورت نہیں بلکہ اس کے سر افتخار کو بلند رکھنے کے لئے ایک مستقل طبقہ موجود ہے جس کا مقصد ہی فرانس کی عزت کو دوبالا کرنا اور اس کی امامت کو باقی رکھنا ہے۔

اس طبقے کا حال ایک سینتالیس ۴۷ سالہ جج مارسل سیکوٹ، نے جو دس سال تک پولیس کے محکمہ تفتیش کے نائب صدر بھی رہ چکے ہیں - اپنی ایک تازہ ترین

کتاب "عصمت فروشی" میں لکھا ہے:۔

"پیرس میں شام ہوتے ہی آٹھ ہزار عصمت فروش عورتیں اپنے ہوٹلوں یا مکانوں سے نکل کر اپنا کاروبار شروع کر دیتی ہیں اور دوپہر سے ہی دو ہزار عورتیں سڑکوں پر امنڈ آتی ہیں۔ ہر رات ان دس ہزار عورتوں کو تقریباً پچاس ہزار گاہک ملتے ہیں۔ ہر سیاح انہیں بوشن ڈی بولون کے پارکوں میں مونپٹراس کی دھندلی روشنی میں اور مونتمارنتر پیرس کے ویسٹ اینڈ کے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں پاسکتا ہے۔"

اب ذرا برطانیہ کا حال دیکھئے :۔

پولیس کمشنر سر جان ناٹ بورر نے ۱۹۵۶ء کے متعلق ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ زنا بالجبر کے جتنے واقعات اس سال ہوئے اتنے جنگ کے بعد سے اب تک کسی سال میں نہیں ہوئے تھے ۱۹۳۸ء میں اس سلسلے میں جتنے واقعات ہوئے تھے گذشتہ سال ان سے تگنے سے بھی ۳۵ واقعات زیادہ ہوئے۔

۴ ستمبر ۱۹۵۷ء کو پندرہ ممبروں کی ایک کمیٹی نے جس میں بیرسٹر، ڈاکٹر، پادری اور معزز خواتین شامل تھیں اور جس کے صدر ریڈنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر جان وولفنڈن تھے۔ تین سال کے بعد اپنی ضخیم رپورٹ برطانیہ کی اخلاقی حالت پر شائع کی۔ بیسوائی اس کمیٹی کے نزدیک ایک ناگزیر ضرورت ہے اور بیسوائیں صرف ایک طبعی مانگ یا طلب کو پورا کر رہی ہیں۔ اس کے نزدیک بیسوائی کی محرکات میں طمع زر بھی شامل ہے۔ لیکن بہرحال لڑکیاں اور عورتیں

اس پیشے میں اپنے پورے ارادے ہی سے داخل ہوتی ہیں۔

مردوں کے باہمی تعلقات کی کثرت کو دیکھ کر کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ بالغ مردوں کے درمیان لواطت اگر باہمی رضامندی سے ہو تو اب اسے کوئی جرم نہ قرار دیا جائے اس لئے کہ شہریوں کی نجی زندگی میں قانون کو دخل دینے کی حاجت نہیں۔

اسی سال ۱۹۵۹ء میں برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ برطانیہ میں ہر تین عورتوں میں ایک عورت ایسی موجود ہے جسے خود یہ اقرار ہے کہ شادی ہونے سے پہلے اس کے جنسی تعلقات رہ چکے ہیں۔ برطانیہ میں ہر بیس بچوں میں ایک بچہ ناجائز اولاد ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات درج کرنے کے بعد رپورٹ کا ایک مرتب ڈاکٹر چیسر یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اس زمانے میں عصمت دور از کار اور فرسودہ شے بن چکی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے۔ اس میں تو خیر مجھے شک ہے مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم اسی منزل کی طرف جا رہے ہیں ـــــــ ویسے فطرت کو عصمت سے کوئی مطلب بھی نہیں ہے۔ اسے تو سلسلہ تولید سے غرض ہے۔ سچی اور کھری عصمت تو ہمارے باطن سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ ہم جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں۔

جنسی لذت دنیا کی بہت سی لذتوں سے زیادہ پُر کیف اور پُر کشش ہوتی ہے اس لذت سے انسان کو عفت و عصمت کا تصور ہی باز رکھ سکتا ہے۔ اس تصور کے فرسودہ قرار پانے کے بعد جنسی داعیات آدمی کے فکر و خیال اور سعی و جہد پر اس طرح چھا جاتے ہیں کہ اس کو جنسی تسکین کے علاوہ اور کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اس کی ساری

قوتیں اور صلاحیتیں اسی لذت کی تلاش میں صرف ہونے لگتی ہیں چنانچہ خود اس شہوت پرست تہذیب کے علمبرداروں کو اعتراف ہو چلا ہے کہ اب ان کی توجہ زندگی کے حقیقی مسائل سے ہٹتی جارہی ہے۔ لذت پسندی، مزاج اور طبیعت کا جزبن گئی ہے اور ایسے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی جو وقت طلب اور توجہ کے چاہنے والے ہیں جفاکشی، محنت طلبی، صبر و استقلال جیسی اعلیٰ صفات جن کے ذریعہ انھوں نے عزت و سر بلندی حاصل کی تھی۔ اب ایک ایک کر کے ان سے رخصت ہو رہی ہیں۔

ڈاکٹر الیکسس کارل (ALEXISC CARREL) اپنی کتاب (MANTHEUNKNOWN) میں رقمطراز ہے۔

مشینی ایجادات میں اضافہ کر دینے سے حالات کو کچھ بھی بہتر نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح اس معاملے میں طبیعات، فلکیات اور کیمیا کے اکتشافات کو بھی اتنی زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ آدمی کو اب توجہ خود اپنے اوپر اور اپنی ذہنی اور اخلاقی نااہلیت پر منعطف کرنی چاہیئے۔ اپنے تمدن میں لذت تعیش، جمالیت، وسعت اور پیچیدگیاں بڑھاتے چلے جانے سے کیا حاصل جب کہ اس تمدن کو اپنے حقیقی مفاد کے رخ پر لے جانے میں خود ہماری اپنی کمزوریاں مانع ہو رہی ہیں۔ درحقیقت یہ کوئی مفید صورت نہیں ہے کہ ایک ایسے طریق زندگی کے بنانے پر دیدہ ریزی کی جائے جو اخلاقی زوال کا اور عظیم نسلوں کے صالح ترین عناصر کے خاتمے کا موجب ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ تیز رفتار کے بحری جہاز، زیادہ آرام دہ گاڑیاں، سستے ریڈیو، اور بعید ترسماویوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے دوربینیں بناتے چلے جانے سے کہیں بہتر یہ ہو گا کہ ہم اپنے اوپر زیادہ توجہ صرف کریں۔

اخلاقی حس کو جدید معاشرے نے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ہے۔ ہم نے اس کے مظاہر کو دفعتًہ ہر طرف سے دبا دیا ہے۔ غیر ذمہ دارانہ پن سب کی رگوں میں خوب رچ بس گیا ہے۔ وہ لوگ جو بھلے اور بُرے میں تمیز کرتے ہیں، جو مشقت کرتے ہیں، جو دور اندیش ہیں وہ بیچارگی میں مبتلا رہتے ہیں اور اس طرح دیکھے جاتے ہیں جیسے وہ حقیر ہوں۔ اگر کوئی عورت جو متعدد بچے رکھتی ہے ذاتی مستقبل بنانے کے بجائے اپنے بچوں پر توجہ صرف کرتی ہے تو پست دماغ شمار ہوتی ہے۔ ہم جنسی اور زنا پورے زوروں پر ہے اور صنفی اخلاقیات بالکل بالائے طاق رکھ دیئے گئے ہیں۔ نفسیاتی تجربہ کار مردوں اور عورتوں کے ازدواجی روابط کے نگراں ہیں۔ غلط اور صحیح حق اور ناحق کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہا۔ جرائم پیشہ لوگ عام آبادی کے درمیان آزادی سے پنپ رہے ہیں اور کوئی ان کی موجودگی پر اعتراض اٹھانے والا نہیں۔"

اس اخلاقی زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے علم طبیعات کی ایک ماہر خاتون مسز ہڈسن کہتی ہیں:

"ہماری تہذیب کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں، اس کی بنیادوں میں ضعف آگیا ہے اور اس کے شہتیر ہل رہے ہیں، نہ معلوم یہ ساری عمارت کب پیوند خاک ہو جائے۔ ہم گذشتہ کئی سال سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ نظم و ضبط کی پابندیاں اختیار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس کے بقا کی بس ایک ہی صورت باقی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی عاید کی جائے کیوں کہ اس تہذیب کے لوگوں کی تمام تر توجہات آزاد جنسی تعلقات، قحبہ گری اور عصمت

فروشی، مختصر یہ کہ جنسی خواہشوں پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہیں اس لئے ان کی ساری تعمیری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اس معاملے میں اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیاں دیکھنے میں آتی ہیں جیسے مردوں اور عورتوں کا خود اپنے ہی ہم جنسوں کی طرف مائل ہونا، انسانی صلاحیتوں کا یہ زیان بڑا ہی تشویشناک ہے۔

جنسی تعلقات کی یہ نوعیت اور اس کے ان بدترین آثار و نتائج کو دیکھ کر ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ابھر آتا ہے کہ آیا یہ ہماری تہذیب کے ملیامیٹ ہونے کے شواہد ہیں یا اسباب۔ میری یہ رائے ہے کہ یہ آثار و شواہد بھی ہیں اور اسباب بھی۔"

پروفیسر پیٹریم ساروکن اپنی کتاب "امریکی جنسی انقلاب" مطبوعہ ۴؍ جنوری ۱۹۵۷ء میں فرماتے ہیں:۔

امریکہ والے جنسی انارکی کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں جو زوال کی علامت ہے جس طرح قدیم یونان و روما میں گذر چکا ہے۔ پروفیسر کے الفاظ ہیں کہ جنس کے سیلاب عظیم نے ہمیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ ہماری تہذیب کے ہر شعبے میں، ہماری معاشرتی زندگی کے ہر ہر خانے میں وہ گھس آیا ہے۔ موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ امریکہ کی سیاسی زندگی تک شہوانیت کی لہروں کی رو میں آچکی ہے اور جنسی رشوت اور جنسی استحصال بالجبر ایسے ہی عام ہو چکے ہیں جیسے مالی رشوتیں، موصوف کے بقول جنسی بدنامی والی شخصیتیں اور ان کے

پٹھو سفارتی عہدوں پر ہیں اور عیاش لوگ کہیں بلدی افسر ہیں، کہیں وزیر سلطنت اور کہیں سیاسی پارٹی کے لیڈر، ہمارے پبلک حکام میں بڑی کثرت سے آوارہ منش لوگ موجود ہیں۔ فطری اور غیر فطری دونوں قسم کی عیاشیوں میں مبتلا۔ طلاق کے روزافزوں اعداد، شہوانی جرائم میں اضافہ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور ادب و اشتہار ہر شعبے میں جنس کا زور شور امریکیوں کے حق میں تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اب ہمارا ماحول ایسا ہوگیا ہے جو برہنگی یا نیم عریانی سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ تجارتی اشتہاروں میں بھی شہوانیت کی آمیزش لازمی ہوگئی ہے اور ہمارے تمدن میں جنس ایسی رچ بس گئی ہے کہ امریکی زندگی کے ہر بُن مو سے ٹپکنے لگی ہے۔"

اب آپ ایک شہوت پرست انسان کی طبعی و نفسیاتی حالات کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ وہ کس طرح مہلک اور تباہ کن جراثیم کی اپنے اندر پرورش کرتا رہتا ہے۔

(۱) شہوت پرستی کا پہلا اثر تو انسان کی جسمانی توانائی اور قوت پر پڑتا ہے۔ قدرت نے انسان کو کچھ قوتیں عطا کی ہیں۔ یہ قوتیں لامحدود نہیں بلکہ محدود ہیں۔ ان قوتوں کے مسرفانہ استعمال سے اس کی توانائیوں کا گھٹ جانا لازمی ہے۔

شہوانی قوت انسان کی توانائی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اتنا بڑا ذریعہ کہ اس سے بہت سے نئے وجود جنم پاسکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی اس قوت کو ضائع کرتا ہے تو اپنے اندر سے اتنی بڑی قوت نکال پھینکتا ہے جو اس جیسی

کئی ایک زندگیوں کا باعث بن سکتی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غلط طریقہ پر شہوت رانی انسان کی طبعی قوتوں کو کس قدر تباہ کرتی ہے چنانچہ اس کے نتیجے میں ہر طرح کا جسمانی اختلال آج تک یقینی سمجھا جاتا ہے۔

(۲) اس کا دوسرا نتیجہ نسلِ انسانی سے غفلت ہے۔ آدمی کا جو مطمحِ نظر ہوتا ہے اسی سے اس کو دلچسپی ہوتی ہے اور اسی کے لئے وہ اپنا وقت اور صلاحیت صرف بھی کرتا ہے اگر وہ عیاش ہے تو اس کی زندگی کا مرکزی نقطہ بھی عیش و عشرت ہی ہوگا۔ اسی کے لئے اس کی تگ و دو اور جدو جہد ہوگی۔ اس کی گفتگو اس کا فکر و عمل، اس کی صحبتیں، اس کی وضع قطع اس کا لباس، اس کی معاشرت غرض ہر چیز اسی مقصد کے اطراف گھومے گی اور عیش پرستی اس کے دل و دماغ پر اس قدر چھا جائیگی کہ ممکن نہیں کہ وہ بچے کی ساخت و پرداخت کے لئے اپنی عیاشی کو قربان کردے اور ایک لمبے عرصہ تک ہر قسم کی زحمتیں اور تکلیفیں برداشت کرتا رہے۔ اس کی تو مسلسل یہی کوشش ہوگی کہ عیش و لذت میں مخل ہونے والی اس مخلوق سے کسی نہ کسی طرح نجات پا جائے۔

الکزس کیرل لکھتا ہے:۔

"بہترین ترقی یافتہ قوموں کے اندر افزائشِ نسل کی رفتار گر رہی ہے اور نئی نسل کے حامل گھٹیا ہیں عورتیں برضا و رغبت الکوہل اور تمباکو کے ذریعہ اپنے آپ کو گھلا رہی ہیں۔ وہ اپنے بدن کو روایتی نزاکت سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو نہایت خطرناک غذائی پابندیوں کے حوالے کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ

وہ بچے ہونے کے خلاف ہیں۔ یہ مفاسد نتیجہ ہیں۔ ان کی تعلیم کا، تحریکِ نسواں کی ترقی کا اور کوتاہ نظر خود غرضی کا۔"

(۳) اس خود غرضی کی انتہا یہ ہے کہ ماں جسے رافت و محبت کا پیکر سمجھا جاتا تھا ضبطِ ولادت کے نام پر اپنی اولاد کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ اسقاط تو اب گویا کوئی عیب ہی نہیں رہا۔ اس قومی خدمت کے لئے ڈاکٹروں کی خدمات ہر وقت موجود ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی بدنصیب اولاد بچ جائے تو سڑکوں اور اسپتالوں میں اپنی گودی خالی کر کے آگے بڑھ جانے میں عیاش ماں کوئی عار محسوس نہیں کرتی اور موجودہ عیش پرور تہذیب ہے کہ اس سنگ دلی کو جرم قرار دینے کے بجائے اس کو سوسائٹی کا فطری مسئلہ قرار دے کر مختلف طریقوں سے اسے حل کرنے میں مصروف ہے۔

"ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کی رپورٹ کے مطابق ہر سال دو لاکھ سے زیادہ تعداد میں ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ناجائز پیدائش کی اس رفتار پر قابو پانے کے لئے بعض فرقوں اور اکثر حکام میں یہ تجویز ہے کہ مستمر راستوں سے بے راہ ہونے والی تمام عورتوں کو مکمل طور پر بانجھ بنا دیا جائے۔ بعض حلقوں میں یہ تجویز زیر بحث ہے کہ ایک سے زیادہ ناجائز بچے پیدا کرنے والی ماؤں کی امداد کی رقم کم کر دی جائے۔

یو، این، سی میں غیرہ شادی شدہ بچوں کی ماں کو ۹ بچوں کی پرورش کے لئے سرکاری فنڈ سے امداد دی جاتی ہے۔ دوسری

طرف عمرانیات کے ماہر اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ان نوجوان عورتوں کی جو شادی کے بغیر بچے پیدا کرتی ہیں۔ ذلت، گناہ، خوف و ہراس کو دور کرنے اور ان کی پریشانیوں کے مداوا کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں۔ بچوں کی بہبود کی چیف، مسز کیتھرائن بی مٹنگر کی رائے کے مطابق غیر شادی شدہ مائیں جس بحران سے دوچار ہیں تعزیر میں اس کا کوئی حل نہیں ہے۔"

کہا یہ جاتا ہے کہ نسلِ انسانی سے غفارت کا سوال اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کی نگہداشت اور تربیت کا کوئی انتظام نہ ہو اگر حکومت اس میں کامیاب ہو جاتی ہے تو انسانیت کے ساتھ اس سے زیادہ بھلائی کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حکومت بے شمار ذرائع و وسائل کی مالک ہے۔ وہ بچے کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا جیسا انتظام کر سکتی ہے اس کا عشرِ عشیر بھی خوشحال سے خوش حال والدین کے لئے ممکن نہیں، کتنے ایسے افراد ہیں جو خود ہی نانِ شبینہ کے محتاج ہیں۔ وہ اپنی اولاد کی خواہ وہ کتنی ہی ذہین و فطین اور قابل ہی کیوں نہ ہو کیا انتظام کر سکتے ہیں، حکومت یہ طاقت رکھتی ہے کہ ان کو مفلسی و ناداری کا شکار ہونے سے بچائے اور ان کی صلاحیتوں کو نشو و نما دے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ انسانیت کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی نہیں بلکہ وہ انتہائی ظلم و زیادتی ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ انسان کوئی پتھر نہیں کہ سنگ تراش اپنی صناعی کے زور سے اس کی کوئی حسین مورتی تیار کر لے بلکہ وہ جذبات و احساسات اور عقل و شعور کا مجموعہ ہے۔ کسی انسانی جان کی پرورش اور اس کے

اخلاق کی تعمیر وہی شخص کر سکتا ہے جو اس کے جذبات کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہو جائے، جو اس کی خوشی اور غم میں اپنی خوشی اور غم کو تحلیل کر دے۔ یہ جذبہ ان ہی افراد میں ہوتا ہے جنھوں نے اس کو وجود دینے میں ہزارہا مصیبتیں سہی ہیں اور بچہ جن کے جسم و جان کا ایک جزء ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص ان مراحل سے نہ گذرے اور جس کو سوائے اس کے کچھ احساس نہ ہو کہ گوشت پوست کا ایک لوتھڑا اس کے حوالے کر دیا گیا ہے وہ یہ جذبات کہاں سے لائے گا؟ بچے کو دایہ دودھ تو پلا سکتی ہے لیکن اس کے بس میں نہیں کہ ان پاکیزہ جذبات کو بھی بچے کے حلق کے نیچے اتار دے جن کا مخزن صرف ماں کا سینہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ حکومت اس کی سرپرستی کر سکتی ہے لیکن اس کے پاس وہ دست شفقت نہیں ہے جسے قدرت نے باپ کے علاوہ اور کسی کو نہیں عطا کیا ہے۔ ماں اپنے بچے کو صرف دودھ ہی نہیں پلاتی بلکہ ان جذبات کو بھی اتارتی ہے جن کی وجہ سے ایک ناتوان و بے کس جان زندہ رہتی اور نشو و نما پاتی ہے۔ اس کی لوریاں بچے کی نیند ہی کا سبب نہیں ہوتیں بلکہ عداوت و نفرت اور کینہ و کدورت کے لئے موت کا پیغام ہوتی ہیں۔ باپ کی خشمگیں نگاہ اولاد کو اطاعت و فرمانبرداری کا جو درس دیتی ہے۔ قانون کے ہزارہا صفحات اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

ہم قطع نظر اس سے کہ حکومت ماں باپ کا بدل ہو سکتی ہے یا نہیں آپ ان ماں باپ کے ذہن کا جائزہ لیجیے جو اپنا بوجھ معاشرے کے سر تھوپ کر الگ ہونا چاہتے ہیں جو اپنی عیاشی کو اسی لئے باقی رکھے ہوتے ہیں کہ انھیں اس بکھیڑے میں پڑنا نہ پڑے گا۔ کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دوسروں کی غلطیوں کی اصلاح و

بہبود کے لئے اپنے وقت، قوت اور صلاحیت کو قربان کریں گے۔ جو شخص معاشرے کی ڈھیل اور عایت سے فائدہ اٹھانے میں شب و روز مصروف ہو، کیا وہ معاشرے کو مضبوط بنانے کے لئے بھی کوشش کرے گا؟

(۵) عیش پرست ذہن آدمی کو اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ جس سے حظِ نفس اٹھاتا ہے، جس کے جذبات سے آسودگی حاصل کرتا ہے اس کی مشکلات اور دکھ درد میں شریک ہو۔ وہ جس کو اپنی ناپاک خواہشات کا آلہ کار بناتا ہے اسی سے صرف نظر کرنے لگتا ہے۔ وہ بھونرے کی طرح جبتک پھول میں رس ہے چوستا ہے اور جب خشک ہو جائے تو دوسرے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔

چنانچہ اس ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جنسی تعلقات میں کوئی استواری اور استحکام نہیں رہا۔ اس تعلق کے معنی ہمیشہ سے یہ سمجھے جاتے تھے کہ دو افراد نے باہمی الفت و محبت کا عہد باندھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے غمگسار اور شریکِ رنج و راحت ہوں گے۔ ان کی زندگی وفاداری اور ہمدردی کی زندگی ہوگی۔ لیکن اب تصور دھندلا پڑتا جا رہا ہے اور جنسی تعلق وقتی آسودگی کا ذریعہ بن گیا ہے جب مقصد صرف تسکینِ نفس ہی ٹھہرا تو کیوں کوئی کسی ایک ہی کے ذریعہ کا پابند ہو جائے اور ہر طرح کی ناگواریوں اور تلخیوں کے باوجود اس پر قانع رہے؟ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ

"امریکہ میں زیادہ سگریٹ پینے والوں کی بیوی کو طلاق دے دی جاتی ہے۔ ایسے خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے

بیوی عدالتِ طلاق کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ جو شراب زیادہ پیتا ہے اور ایسی بیوی بھی خاوند سے طلاق حاصل کر لیتی ہے جس کا خاوند روزانہ گھر لیٹ آتا ہے۔ ایک برطانوی بیوی نے عدالت سے شکایت کی ہے کہ اس کا خاوند اس کے چہرے پر سگریٹ کا دھواں پھینکتا ہے۔ میں کئی بار اسے منع کر چکی ہوں مگر میرے پروٹسٹ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس لئے مجھے الگ ہونے کی اجازت دی جائے اور اب لاس اینجلز میں طلاق کا نہایت دلچسپ واقعہ ظہور میں آیا ہے۔ ایک نوجوان خوبصورت درمیانہ قد عورت نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ میرا شوہر قمیص اور جوتے نہیں پہنتا لہٰذا میرا اس کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکتا۔ امریکی عدالت کو بیوی کی اس دلیل میں بہت وزن نظر آیا اور اس نے شوہر سے طلاق دلا دی ہے لندن کی ایک عدالت میں اس سے بھی نرالا اور دلچسپ مقدمہ پیش ہوا۔ خاوند نے بیوی کے خلاف یہ درخواست دی کہ وہ میرا انتظار کئے بغیر شام کا کھانا کھا لیتی ہے اور میں کئی بار بیوی سے اس کی اس عادت کے خلاف شکایت کر چکا ہوں بلکہ ایک دو بار میں نے اسے دھمکی بھی دی ہے کہ اگر وہ شام کا کھانا میرے ساتھ نہیں کھائے گی تو میں اسے طلاق دے دوں گا مگر میری دھمکیوں کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ لہٰذا مجھے اس سے علیحدہ ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ خاوند کو بیوی کے اس سنگین جرم کی پاداش میں

طلاق دینے کی اجازت دے دی گئی ہے۔"

ایک پاکستانی ایڈیٹر صاحب جنھوں نے ۱۹۵۷ء میں امریکہ کی سیاحت کی تھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک وکیل صاحب جوآج کل یہاں وکالت کرتے ہیں۔ سات دفعہ یکے بعد دیگرے اپنی ایک ہی بیوی کو طلاق دے کر دوبارہ اس سے شادی کر چکے ہیں اور لطف یہ کہ ان کی یہ بیوی بھی وکالت کرتی ہے اب پھر اس کو طلاق دے دی ہے۔"

(۶) بات اب صرف تفریق اور علیحدگی تک محدود نہیں رہی بلکہ ذوقِ تنوع نے اخلاق اور انسانیت کی تمام قدروں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور انسانوں کو جانوروں کی صف سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔

۲۴ سالہ مسز نرسین ہیری مارٹن کو اپنے شوہر کو اس بنا پر قتل کرنے کے جرم میں کہ وہ اس سے اکتا گئی تھی عمر قید کی سزا دی گئی۔ لاش کو تہ خانے کے اندر کوئلے کے ایک ڈھیر میں چھپا دینے کے بعد وہ کئی جوانوں کو گھر میں بلا لائی اور اُن کے سامنے ننگے ناچ ناچی۔ یہ میاں بیوی پانچ سال شادی شدہ زندگی بسر کر چکے تھے اور ان کے تین بچے تھے۔ جج نے ملزمہ سے جب یہ سوال کیا کہ یہ تینوں بچے مقتول ہی سے تھے؟ تو اس نے تامّل کے ساتھ جواب دیا "میرا یہی خیال ہے۔" مسز مارٹن پر نابالغوں کو زنا کی ترغیب دینے کا بھی الزام لگایا گیا تھا۔ مقدمہ کے دوران اس نے اقبال کیا کہ شوہر جس وقت سو رہا تھا اس نے ایک بھاری کلہاڑی سے اس کا سر چکنا چور کر دیا۔ اس کا چھوٹا سا بچہ بھی اس کے شوہر کے

بستر پر لیٹا سو رہا تھا۔ وہ لاش کو تہ خانے میں کھینچ لے گئی اور اس کو کوئلے کے ڈھیر میں چھپا دیا۔ بعد میں وہ یومِ عارضی صلح کے جشن میں ناچ دیکھنے گئی اور وہاں سے گئی نوجوانوں کو جن میں ایک چودہ سال کا لڑکا شامل تھا گھر بلا لائی۔ ان لوگوں کے سامنے وہ برہنہ ہو کر ناچی"۔

اس عیاش مجرمہ کا جب اپنے شوہر سے جی بھر گیا تو اس کی نگاہ میں شوہر کی پانچ سالہ رفاقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی اور اس کو انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر کے وہ اس طرح خوشی سے جھوم اٹھی جیسے کوئی کانٹا تھا جس کو اس نے نکال پھینکا ہو۔

پیری مارٹن کو تو اپنی اکتاہٹ کے مظاہرے کا موقع ملا لیکن امریکی فضائیہ کے ایک رکن رونالڈ ڈین کو اپنی محبوبہ سے بے رغبتی کے اعلان کے بعد زندہ رہنے کی بھی اجازت نصیب نہیں ہوئی۔

رونالڈ ڈین کی سولہ سالہ فلپنا سے ملاقات لوازن کے مقام پر ایک ناچ گھر میں ہوئی۔ ۱۲ مہینے تک دونوں محبت کی پینگیں لڑاتے رہے اور پھر انھوں نے شادی کرلی۔ اس کے بعد ڈین اپنی بیوی کو امریکہ لایا اور وہاں ان کے یہاں ایک بچی پیدا ہوئی۔ دو سال بعد ڈین انگلینڈ میں ایک امریکی اڈے میں بھیج دیا گیا۔ فلپنا اور ڈین کے درمیان تقریباً ایک برس تک خط وکتابت ہوتی رہی۔ مگر پھر ڈین نے خط لکھنے چھوڑ دیئے، چار مہینے بعد وہ امریکہ آیا تو فلپنا کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی مگر ڈین نے اسے بتایا کہ وہ اسے طلاق دینے آیا ہے انگلینڈ میں ایک انگریز لڑکی سے اس کی دوستی ہو گئی ہے اور وہ حاملہ بھی ہو چکی ہے

فلیپنا کی نگاہ میں زمین و آسمان گھومنے لگے۔ اس نے اس کی بڑی منت سماجت کی مگر ڈین کے سینے میں ایک ہی دل تھا جس پر ایک وقت میں ایک ہی دل رُبا کا قبضہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ طلاق کے فیصلے پر جما رہا۔ چھ دن تک اس کشمکش کے بعد ہمسایوں نے رائفل چلنے کی آواز سنی اور انھوں نے دیکھا تو ڈین خاک و خون میں غلطاں دم توڑ چکا تھا۔

(۷) اسی طرح ایک محبوب کے مختلف چاہنے والوں کے درمیان جذبۂ رقابت کا ابھرنا بھی قدرتی ہے۔ جہاں ایک عورت دس مردوں کی منظورِ نظر ہو اور ایک مرد دس عورتوں کا محبوب، تو لازماً کشمکش پیدا ہو گی اور ہر ایک اپنے محبوب کے دل پر قبضے کے لئے دوسرے کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔

قوتوں کا ضیاع، نسلِ انسانی سے غفلت اور لاپرواہی، صبر و ضبط کی کمی، جذباتیت کا غلبہ اور تسلط، ایثار و قربانی کے بجائے خود غرضی اور استحصال کا جذبہ، اتحاد و الفت کا خاتمہ اور انتشار و اختلاف کا فروغ۔ یہ ہیں شہوت پرستی کے عمومی نتائج جس کا آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کیا یہ نتائج فرد اور قوم کی تباہی کا پیش خیمہ نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ان قوموں کو تباہ ہو جانا چاہیے جن کے اندر جنسی انارکی پوری طرح جڑ پکڑ چکی ہے اور شہوانیت کے بغیر جن کی تہذیب کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن آج وہی قومیں فکر و فن، علم و تہذیب اور سیاست و تمدن میں رہنمائی کر رہی ہیں جو شہوت پرست بھی ہیں۔ یہ ایک سوال ہے جو شہوت پرستی کے نتائج پر غور کرتے وقت ہمارے سامنے آتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو قومیں حکمرانی کر رہی ہیں ان کو یہ مقام

اس وقت حاصل ہوا جب کہ ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ ان کی جنسی خواہش پر چھایا ہوا تھا۔ لذت کشی کے بجائے وقت پسندی کا غلبہ تھا اور خواہشات پر ان کو اتنا کنٹرول تھا کہ وہ اپنی قوتوں کو تعمیری کاموں میں صرف کر رہی تھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہر طرح کے اخلاقی عیوب سے پاک تھیں۔ بلکہ کامیاب بنانے والی خوبیاں ان میں دوسری قوموں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھیں اور اب بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس تہذیب کی خاطر وقت، قوت، صلاحیت اور جان و مال کی اتنی بڑی بڑی قربانیاں دیں کہ ان کی ماتحت اقوام اس کا تصور بھی مشکل ہی سے کر سکتی ہیں۔ اگر کوئی محنتی اور جفاکش انسان کوئی عمارت تعمیر کر لیتا ہے تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔ حیرت و استعجاب تو اس وقت ہوگا جب کہ کسی کاہل اور سست آدمی کے ذریعہ یہ کام انجام پائے۔

لیکن موجودہ تہذیب بڑی تیزی سے اپنا مقام کھو رہی ہے اور اس کے اندر تباہی کے جراثیم داخل ہو چکے ہیں جو اس کو موت کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

اسلام اور جنسی تعلّقات

جنسی مسئلہ کو حل کرنے میں آج تک بڑے بڑے مفکرین ناکام رہے ہیں۔ اگر وہ اخلاق وسیرت کی طرف متوجہ ہوئے تو جذبۂ شہوت ہی کو "معصیتِ اولین" سمجھ بیٹھے اور اس جذبہ کو اہمیت دینے لگے تو اخلاق وسیرت کی دنیا تباہ کردی۔

صرف اسلام ایک ایسا فلسفہ پیش کرنے میں کامیاب ہے جو جنسی مسائل کو بھی پوری طرح حل کرتا ہے اور اخلاقی اقدار کو بھی مجروح نہیں ہونے دیتا۔ جذبات وخواہشات کی غلامی سے بھی بچاتا ہے اور ان کی تسکین کے جائز اور فطری طریقوں کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔

جنسی مسئلہ سے متعلق اسلام کی تعلیمات کو ہم پانچ عنوانات کے تحت تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) خداترسی کے راہبانہ نقطۂ نظر کی تردید۔

(۲) جائز حدود میں جنسی تسکین کی تائید۔

(۳) حرام کاری کی ممانعت
(۴) فرد کی تربیت، اور
(۵) معاشرہ کی اصلاح

خدا ترسی کا راہبانہ نقطۂ نظر

سینٹ پال اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

"پس میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بے فکر رہو ۔ بے بیاہا شخص خداوند کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح خداوند کو راضی کرے۔ مگر بیاہا ہوا شخص دنیا کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح اپنی بیوی کو راضی کرے ۔ بیاہی اور بے بیاہی عورت میں بھی فرق ہے ۔ بے بیاہی خداوند کی فکر میں رہتی ہے تاکہ اس کا جسم اور روح دونوں پاک ہوں ، مگر بیاہی ہوئی عورت دنیا کی فکر میں رہتی ہے کہ کس طرح اپنے شوہر کو راضی کرے۔ یہ تمہارے فائدے کے لئے کہتا ہوں نہ کہ تمہیں پھنسانے کے لئے بلکہ اس لئے کہ جو زیبا ہے وہی عمل میں آئے اور تم خداوند کی خدمت میں بے وسوسہ مشغول رہو ۔" (کرنتھیوں کے نام پولس رسول کا خط)

لیکن اسلام خدا کو راضی کرنے کے لئے ازدواجی زندگی کے مسائل سے بے فکر ہونا ضروری نہیں سمجھتا کیوں کہ ازدواجی تعلق لازماً خدا سے غافل کرنے والا ہوتا تو انسان اپنی ایک فطری خواہش کی تسکین کے لئے اس تعلق پر مجبور نہ ہوتا اور نہ تنہا اس تعلق کو انسانی نسل کی بقا کا ذریعہ بنایا جاتا بلکہ بعض ایسے جائز طریقے

بھی بتائے جاتے، جن سے یہ مقاصد حاصل ہوسکیں تاکہ اللہ کی رضا ڈھونڈنے والے ان پر عمل کرتے کیونکہ یہ اس کی حکمت کے منافی ہے کہ انسان کی فطرت جس عمل کے لئے تڑپ رہی ہے اس سے منع کرے اور اس کا کوئی بدل نہ تجویز کرے۔

کم از کم خدا کے وہ نیک بندے جو دنیا میں آئے ہی اس لئے تھے کہ خدا کی رضاجوئی کے طریقے بتائیں۔ کسی جائز طریقے سے پیدا ہوتے اور جب تک اس دنیا میں رہتے جنسی تعلقات اور ازدواجی الجھنوں سے دور رہتے۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (الرعد ع ۶)

ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی عطا کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، نکاح انبیاء کی سنت رہی ہے۔[1]

قرآن، رہبانیت کو تقرب الٰہی کا ذریعہ نہیں مانتا بلکہ یہ اس کے نزدیک خدا کی رضاجوئی کا ایسا طریقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی سند حاصل نہیں ہے۔ جس کو انسانوں نے بطور خود گھڑ لیا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

رہبانیت جس کو انھوں نے بطور خود ایجاد کر لیا ہے حالانکہ ہم نے ان پر رہبانیت نہیں بلکہ خدا کی رضاجوئی فرض کی تھی لیکن انھوں نے اپنے ایجاد کردہ دین کی بھی رعایت

---

[1] ترمذی ابواب النکاح۔

رِعَايَتِهَا۔ (الحدید ع ۴) نہیں کی جیسی کہ اس کی رعایت کرنی چاہیئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

لَاصَرُوْرَةَ فِی الْاِسْلَامِ [۱] تنگِ نکاح اسلام میں نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "تبتل" سے منع فرمایا۔ [۲]

حضرت سمرہؓ کی روایت کی ہے :۔

اِنَّ النَّبِیَّ نَھٰی عَنِ التَّبَتُّلِ۔ [۳] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہ کرنے اور دنیا سے کٹ جانے سے منع فرمایا۔

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کی روایت ہے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کو "تبتل" سے روک دیا۔ اگر آپؐ ان کو اجازت دیتے تو ہم لوگ (یعنی حضرت سعد کے ہم خیال) بھی اپنے آپ کو خصی کر لیتے۔ [۴]

امام نووی نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے۔

فَاِنَّ الْاِخْتِصَاءَ فِی الْاٰدَمِیِّ حَرَامٌ صَغِیْرًا کَانَ اَوْ کَبِیْرًا۔ آدمی کا خصی کر لینا خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حرام ہے۔

---

[۱] مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۲، ابوداؤد، کتاب المناسک، باب لاصرورة فی الاسلام، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۵۹ [۲] نسائی، کتاب النکاح باب النھی عن التبتل [۳] ترمذی، کتاب النکاح باب ماجاء فی النھی عن التبتل، نسائی، کتاب النکاح، ابن ماجہ، ابواب النکاح [۴] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت الیہ نفسہ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَأْمُرُنَا بِالْبَاءَةِ وَيَنْهَانَا عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيدًا [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شادی کا حکم دیتے تھے اور ترک نکاح سے شدت سے منع فرماتے تھے ۔

سعد بن ہشام کو تجرد کی زندگی گذارنے کا خیال ہوا تو انھوں نے حضرت عائشہؓ سے مشورہ کیا حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی عطا کی" اس سے معلوم ہو کہ رہبانیت خدا کے مقرب بندوں کا طریقہ نہیں ہے) لہٰذا تبتّل کا ارادہ ترک کردو [۲]

حضرت ابن عباسؓ نے سعید بن جبیر سے دریافت کیا ، کیا تمہاری شادی ہو چکی ؟ سعید نے جواب دیا نہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا شادی کر لو ۔ تجرد خدا ترسی کی علامت نہیں ہے ۔ کیوں کہ اس امت کے بہترین شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، کے پاس سب سے زیادہ بیویاں تھیں ۔[۳]

بخاری ، مسلم اور نسائی وغیرہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین آدمیوں نے ازواج مطہرات میں سے کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا ۔ جب انھوں نے آپ کی عبادت کا حال بیان کیا تو ان حضرات کو آپ کی عبادت بہت ہی مختصر معلوم ہوئی چنانچہ انھوں نے کہا کہ

---

[۱] سنن دارمی ، کتاب النکاح ، باب الحث علی التزویج [۲] نسائی ، کتاب النکاح ، باب النہی عن التبتل [۳] بخاری ، کتاب النکاح ، باب کثرۃ النساء ۔

آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں مختصر سی عبادت بھی آپ کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم سراپا تقصیر ہیں اس لئے ہمیں آپ سے کہیں زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اسی تاثر کے تحت ایک نے کہا میں آئندہ سے رات بھر نماز پڑھوں گا سوؤں گا نہیں، دوسرے نے کہا میں مسلسل روزے رکھوں گا اور کبھی چھوڑوں گا نہیں۔ تیسرے نے کہا دنیا کا سارا جنجال شادی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے میں شادی ہی نہیں کروں گا اور اپنا سارا وقت عبادتِ الٰہی میں صرف کروں گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا:-

أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي ۔ [1]

خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ خدا ترس اور سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں لیکن میں (نفل) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں (رات) کو نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی رہتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) پس جو شخص میرے طریقے کو چھوڑ دے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي [2]

نکاح میری سنت ہے پس جو شخص میری سنت پر عمل نہیں کرتا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح [2] ابن ماجہ، ابواب النکاح باب ما جاء فی فضل النکاح۔

مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص خدا ترسی کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ نکاح نہ کیا جائے تو وہ خدا ترسی کے اس تصور سے غافل ہے جس کو خدا کے پیغمبر نے پیش کیا ہے۔ کیوں کہ پیغمبر کو خدا کا خوف جس طرح راتوں میں سربسجود رکھتا ہے اسی طرح خدا ہی کا خوف اس کو ازدواجی تعلقات رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

اس لئے جو شخص ان تعلقات کی استواری کی فکر کرتا ہے اور اس کے لئے مصروف جد و جہد رہتا ہے۔ وہ اسلام کی نگاہ میں اپنے تقویٰ اور خشیت کا ثبوت دیتا ہے اور اس کو خدا کے ہاں اس سعی و جہد کا اجر ملے گا۔

عَنْ اَبِی مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَۃً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃً [1]

ابو مسعود انصاری، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب ایک مسلمان خدا کے ہاں ثواب پانے کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔

بیوی بچوں کے لئے کمانے اور خرچ کرنے کو عموماً دنیاداری کا کام سمجھا جاتا ہے اسی غلط خیال کی تردید کے لئے آپ نے اس خرچ کو لفظ "صدقہ" سے تعبیر فرمایا ہے یعنی جس طرح ایک شخص خدا کی راہ میں انفاق کے ذریعہ مستحق اجر ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل و عیال پر اپنی دولت صرف کرنے والا بھی اجر و ثواب کا

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، فضل النفقۃ علی الاہل، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین۔

حق دار ہوگا۔

اسی مفہوم کو آپ نے اور وضاحت کے ساتھ دوسرے مقام پر بیان کیا ہے۔

وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ ۔ [1]

تم اللہ کی خوشنودی کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس کا تمہیں ضرور اجر دیا جائیگا یہاں تک کہ تمہیں اس لقمہ کا بھی اجر ملیگا جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔

اس سے بھی آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلَى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهُ عَلٰى اَهْلِكَ [2]

جو دینار تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جو کسی غلام کو آزاد کرنے میں صرف کیا جو کسی مسکین پر صدقہ و خیرات کیا اور جو اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا ان سب میں اس دینار کا اجر و ثواب زیادہ ہے جسے تم نے اپنی بیوی بچوں پر خرچ کیا۔

سعد بن ہشام نے یہ سوچ کر کہ بال بچوں سے لگاؤ خدا سے تعلق کی راہ میں رکاوٹ ہے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور زمین فروخت کر کے پیسہ بھی جہاد میں لگانا چاہتے تھے کہ ان کے قبیلے کے بعض لوگوں کو اس کا علم ہو گیا انھوں نے حضرت

---

[1] بخاری، مسلم، کتاب الوصایا واللفظ للاٰخر [2] مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال۔

سعدؓ کو بتایا کہ تمہارے ہم خیال چھ آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو آپ نے ان کو ان کے اس خیال سے منع کیا اور فرمایا۔

أَلَيْسَ لَكُمْ فِيَّ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ کیا تمہارے لئے میری زندگی اچھا اسوہ نہیں ہے[1]

ازدواجی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غفلت نہیں کی اور مدت العمر تمام حقوق ادا فرماتے رہے، یہ آپ کی سنّت ہے اس لئے جو شخص ان حقوق کو پامال کرتا ہے وہ آپ کے طریقہ کا متبع نہیں۔ اس کی زندگی اس راستہ سے ہٹی ہوئی ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے نقوش مرتسم ہیں۔

عثمان بن مظعونؓ نے اہل وعیال سے دلچسپی چھوڑ دی تھی اور شب و روز عبادت میں مشغول رہنے لگے تھے حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو انہیں طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا عثمان! مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا ہے بتاؤ کیا تم نے میرے اسوہ کو ترک کر دیا ہے؟ عثمان بن مظعون نے جواب دیا، نہیں یا رسول اللہ! میں تو آپ ہی کے اسوہ کا طالب ہوں، ارشاد ہوا میرا طریقہ یہ ہے کہ میں (رات) کو نماز پڑھتا بھی ہوں اور سو بھی جاتا ہوں۔ کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، نکاح اور طلاق پر بھی عمل کرتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے۔ جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے اس کا مجھ سے تعلق نہیں ہے۔ عثمان! خدا سے ڈرو اس لئے کہ تم پر جس طرح اللہ کا حق ہے اسی طرح بال بچوں کا بھی حق ہے مہمانوں کا اور خود تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ لہٰذا ان سب حقوق

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۵۳۔

کو ادا کرنے کی کوشش کرو۔ [1]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق بھی آپ کو اسی قسم کی اطلاع ملی تو ان سے بھی آپ نے یہی فرمایا کہ عبادت میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ بیوی بچوں، مہمانوں اور خود اپنے نفس کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انہیں فراموش کردو۔ [2]

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو درداءؓ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ان کی بیوی زیب و زینت سے خالی ہیں اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہیں، پوچھا خیر تو ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ آپ کے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کیا تعلق؟ ان کو عبادت ہی سے فرصت نہیں ملتی کہ ہمارا خیال کریں۔ اتنے میں حضرت ابو درداءؓ تشریف لے آئے اور حضرت سلمانؓ کے روبرو کھانا پیش کرتے ہوئے معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں اس لئے آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ حضرت سلمانؓ نے کہا جب تک آپ نہیں کھائیں گے میں بھی نہیں کھاؤں گا چنانچہ بالآخر حضرت ابو درداء نے روزہ توڑ دیا اور کھانے میں شریک ہو گئے جب رات ہوئی تو انھوں نے نماز کی تیاری شروع کردی۔ حضرت سلمانؓ نے کہا یہ آرام کا وقت ہے آرام کیجئے۔ کچھ دیر بعد ابو درداءؓ نماز کے لئے پھر اٹھ بیٹھے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا نہیں! ابھی نہیں۔ جب رات کا آخری حصہ ہوا تو خود ہی جگایا اور دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے حضرت ابو درداءؓ سے کہا۔ تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے اور بیوی بچوں

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۸ سنن دارمی، کتاب النکاح؛ باب النھی عن التبتل [2] رواہ البخاری فی ابواب مختلفہ من کتاب الصوم وفی باب حق الضیف کتاب الآداب۔

اور نفس کا بھی حق ہے لہٰذا ہر حق کو ادا کرنے کی کوشش کرو (ایسا نہ ہو کہ ایک حق کی ادائیگی کی فکر دوسرے حقوق سے غافل کر دے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت سلمان رضؓ کی تائید کی اور فرمایا سلمانؓ نے سچ کہا۔[1]

یعنی خدا کے حقوق کو نظر انداز کرنے والا جس طرح مجرم اور گناہگار ہے اسی طرح ازدواجی حقوق سے غفلت اور کوتاہی بھی ایک ایسا جرم ہے جس پر خدا کے دربار میں باز پرس ہوگی۔

---

[1] بخاری، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع الخ کتاب الآداب، باب صنع الطعام والتکلیف للضیف۔

جنسی تسکین

(جائز حدود میں)

تمام راہبانہ مذاہب نے تعلقاتِ زن و شوہر کو منافیٔ تقویٰ بنایا، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

وفی بضع احدکم صدقۃ [1] — بیوی سے ہم بستری کرنا بھی صدقہ ہے۔

علامہ ابن الہمام حنفی نے تو قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں یہاں تک لکھ دیا ہے :-

ان الاشتغال بہ افضل عن التخلی عنہ لمحض العبادۃ [2] — ازدواجی تعلق سے کنارہ کش ہو کر محض عبادت میں لگے رہنے سے افضل یہ ہے کہ آدمی اس تعلق میں مشغول ہو۔

اسلام ان باطل نظریات کے خلاف ہے جو عورت سے سانپ اور بچھو کی طرح احتراز کی تعلیم دیتے ہیں کیوں کہ مرد فطرتاً عورت کی طرف مائل ہے۔

---

[1] مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف۔

[2] فتح القدیر ج ۲ ص ۳۴۰۔

وہ عورت سے کنارہ کش اور دور اسی وقت رہ سکتا ہے جب کہ غیر فطری تدابیر سے اپنے اس فطری میلان کو ختم کردے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا رُخ جنسی جذبات کی آسودگی کے لئے اپنے ہم جنس افراد کی طرف تھا حضرت لوط علیہ السلام نے اس غیر فطری رجحان کی مذمت کرتے ہوئے اس کو بتایا کہ جنسی تسکین کا پاک اور فطری ذریعہ عورت ہے اس لئے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو اختیار کیا جائے۔

يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔ (ھود ع ۷)

اے میری قوم یہ میری لڑکیاں ہیں۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاک ہیں، پس اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے ساتھ بدعملی کرکے مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھ دار اور صالح انسان نہیں ہے۔

انسان عموماً جذبات کے مقابلہ میں شکست کھا جاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ان پر کنٹرول کرسکتے ہیں۔ ورنہ بیشتر افراد تو جائز اور فطری طریقوں کی عدم موجودگی میں ناجائز اور غیر فطری تدابیر کو اپنانے لگتے ہیں۔ اسی سے بچانے کے لئے شریعت نے نکاح کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ کیوں کہ نکاح اس کے نزدیک جنسی تسکین کا جائز اور فطری طریقہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مَنْ قَدَرَ عَلَی النِّکَاحِ فَلَمْ یَنْکِحْ فَلَیْسَ مِنَّا۔ [۱]

تم میں جو شخص نکاح کی مقدرت رکھے اور پھر نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

---

[۱] سنن دارمی کتاب النکاح باب الحث علی التزویج۔

ابوالزوائد نامی ایک شخص تجرد کی زندگی گذار رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ تمہارے شادی نہ کرنے کی وجہ یا تو رجولیت کا فقدان ہے یا تم معصیت میں مبتلا ہو۔ مشہور تابعی طاؤس نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا حوالہ دیتے ہوئے ایک دوسرے ایسے ہی شخص سے جو شادی نہیں کر رہا تھا، کہا شادی کرو۔ ورنہ میں بھی تمہارے بارے میں وہی کہوں گا جو حضرت عمرؓ نے ابوالزوائد کے متعلق کہا تھا[1]

شریعت کا یہاں تک حکم ہے کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو آدمی لونڈی رکھے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ (النساء ع ۴)

تم میں سے جو شخص خاندان والی (آزاد) مسلمان عورت سے نکاح کی مقدرت نہ رکھتا ہو تو اسے تم ہی کی مومن لونڈیوں سے شادی کر لینی چاہیئے۔

اس میں شک نہیں۔ بعض اوقات انسان ایسے حالات میں گھر جاتا ہے کہ وہ ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ ان حالات میں شریعت نے بکثرت روزے رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ یادالٰہی کی اس ڈھال سے جذبات کا مقابلہ کر سکے۔ علاوہ ازیں جسم میں جتنی زیادہ توانائی ہوگی اسی قدر جذبات بھی شدید ہوں گے۔ روزہ سے جہاں جسم کمزور ہوتا ہے وہاں جذبات بھی مضمحل ہوتے ہیں۔

---

[1] احکام القرآن جصاص ج ۳ صفحہ ۲۹۴، المحلی لابن حزم ج ۹ صفحہ ۴۴۰۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ۔ ؎۱

نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی مقدرت رکھتا ہو اسے ضرور نکاح کر لینا چاہیے کیوں کہ وہ آنکھ کو نیچی رکھنے (یعنی بدنگاہی سے بچانے والا) اور شرمگاہ کو (غلطکاری) سے محفوظ رکھنے والا ہے لیکن جو شخص اس کی استطاعت نہ رکھے اسے روزے رکھنے چاہییں۔ کیوں کہ روزے اس کے لئے معصیت کے خلاف ڈھال ہیں۔

فقہاء حنفیہ و مالکیہ متفق ہیں کہ جس شخص کو روزے معصیت سے نہ روک سکیں، اور وہ لونڈی رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا فرض ہے بشرطیکہ اس کو یقین ہو جائے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں وہ زنا کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ فرضیت نکاح کے لئے کیا یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی نان و نفقہ اور مہر کی ادائیگی پر بھی قادر ہو یا نہیں؟

احناف اور بعض فقہاء مالکیہ فرضیت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ انسان نان و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو ورنہ وہ اس کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو گا۔ اس طرح ایک معصیت سے بچنے کے لئے اس کے لئے دوسری معصیت اختیار کرنا پڑے گا۔

؎۱ بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءة فلیصم۔

لیکن اکثر مالکیہ کا یہ خیال ہے کہ نان ونفقہ کی فکر میں نکاح کو موخر کرنا صحیح نہیں ہے۔ جب زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہے تو اللہ پر توکل کر کے اس سے بچنے کی شرعی تدبیر پر عمل کرنا چاہیئے۔

بلکہ ان کی رائے میں معصیت کا یقین کیا خوف ہو تب بھی نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک خوف کی صورت میں استطاعت کی شرط کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے (فرض اور واجب میں قانوناً فرق ہے عملاً کوئی فرق نہیں دونوں لازمی ہیں)

حنابلہ تو مالکیہ سے بھی زیادہ سخت ہیں، وہ کہتے ہیں، عدم نکاح سے زنا کا یقین ہی نہیں گمان بھی ہو تب بھی نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کو نکاح کر لینا چاہیئے خواہ وہ نان ونفقہ پر قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور نکاح کے بعد کسبِ حلال کی کوشش کرنی چاہیئے۔[1]

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

وان احتاج الانسان الی النکاح وخشی العنت بترکه قدمه علی الحج الواجب وان لم یخف قدم الحج ونص الامام احمد علیه فی روایة صالح وغیره وان کانت العبادات

اگر انسان نکاح کا حاجت مند ہو اور ترک نکاح سے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسے نکاح کو فرض حج پر مقدم کرنا چاہیے (ہاں) اگر زنا کا خوف نہ ہو تو وہ حج کو نکاح پر مقدم کرے گا اس بات پر صالح اور دوسرے لوگوں کی روایت کے مطابق امام احمد نے تنصیص کی ہے۔ اگر

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" ج ۴ ص ۳ تا ۷۔

فرض كفاية كالعلم والجهاد قدمت على النكاح ان لم يخش العنت [1]

عبادات فرض کفایہ کی نوعیت کے ہوں، مثلاً تعلیم اور جہاد وغیرہ تو زنا کا خوف نہ ہونے کی صورت میں وہ نکاح پر مقدم کی جائیں گی (بصورت دیگر نکاح مقدم ہوگا)

علامہ ابن حزم نے لکھا ہے:۔

فرض على كل قادر على الوطئ ان وجد من اين يتزوج او ليتسرى ان يفعل احدهما ولا بد فان عجز عن ذالك فليكثر من الصوم [2]

جو شخص جماع پر قادر ہو اور اسے آزاد عورت یا لونڈی مل رہی ہو تو اس کے لئے دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا فرض ہو جاتا ہے اگر وہ اس سے عاجز ہو تو کثرت سے روزے رکھے۔

نکاح کی شرعی و قانونی اہمیت کو سمجھنے کے لئے فقہِ حنفی کے مشہور شارح امام اکمل الدین البابرتی کا یہ قول کافی ہے۔

وما اتفق فی حکم من احکام الشرع مثل ما اتفق فی النکاح من اجتماع دواعی الشرع والعقل والطبع [3]

جس طرح نکاح کے پیچھے شریعت عقل اور فطرت کے محرکات کام کر رہے ہیں اس طرح احکام شرع میں کسی بھی حکم کی پشت پر اتنے سب محرکات نہیں پائے جاتے۔

---

[1] اختیارات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۱۱۹ [2] المحلیٰ ج ۹ ص ۴۴۰ ۔ [3] العنایۃ علی الہدایۃ المطبوع علی حاشیۃ فتح القدیر ج ۲ ص ۳۲۹ ۔

زنا حرام ہے!

جنسی تسکین کی بعض صورتیں اسلام نے جائز کی ہیں۔ ان صورتوں پر عمل کی وہ انتہائی تاکید کرتا ہے۔ ان کے علاوہ شہوت برآری کے جتنے طریقے ہو سکتے ہیں وہ سب اس کے نزدیک حرام اور ممنوع ہیں اور ان سے قریب ہونے کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا:۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔ (بنی اسرائیل ع ۴)

تم زنا کے قریب تک نہ جاؤ اس لئے کہ وہ بے حیائی کا کام اور بری راہ ہے۔

اہلِ ایمان کا وصفِ امتیازی یہ ہے:۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ۔ (الشوریٰ ع ۴)

کہ وہ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔

زنا تو بڑا گناہ کیا معنی بہت بڑا گناہ ہے اس لئے ان کا دامن اس معصیت

کے داغ دھبّوں سے پاک ہونا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا۔ (الفرقان ع ٦)

(رحمٰن کے بندے) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو شریک نہیں کرتے اور نہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے الا یہ کہ حق کا تقاضا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں ۔ جو شخص اس طرح کے گناہ کرے گا وہ اپنے کیے کا بدلہ پائے گا ۔

قرآن نے نمازیوں اور کامیاب مومنوں کی ایک صفت یہ بیان کی ہے ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ

(المومنون ع ١ ، المعارج ع ١)

کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے (کہ ان سے جنسی آسودگی حاصل کرتے ہیں وہ ملامت زدہ نہیں قرار پائیں گے (کیوں کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں)) ، ان کے علاوہ (کوئی تیسری صورت ، جو لوگ تلاش کریں وہ (واقعتاً) زیادتی کرنے والے ہیں ۔

قاضی ابن رشد نے لکھا ہے :۔

اباحة فی الشرع علی وجہین احدہما عقد النکاح و الثانی ملک الیمین فلا یحل

شریعت نے دو طریقوں سے جنسی تسکین جائز قرار دی ہے ۔ ایک یہ کہ نکاح کیا جائے دوسرے یہ کہ لونڈی رکھی جائے ۔ ان دو

إستباحة الفرج بما عدا هذين الوجهين ۔ [1]

طریقوں کے علاوہ کسی بھی ذریعے سے شرمگاہ کو حلال نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :۔

فان الابضاع فی الاصل علی التحریم فیقتصر فی اباحتها علی ما ورد به الشرع وما عداه فعلی اصل التحریم [2]

کسی سے جنسی تعلق قائم کرنا اصلاً حرام ہے لہٰذا اس کا جواز ان ہی حدود میں محدود رہیگا جو شریعت میں بیان ہوئی ہیں۔ ان حدود سے باہر اپنی اصل کے اعتبار سے وہ حرام ہی ہوگا

"الفقہ علی المذاہب الاربعہ" کا مصنف لکھتا ہے۔

فقواعد المذاهب تجعل الرجل مقصوراً علی من یحل له کما تجعل المرأة مقصورة علیه [3]

فقہی مسالک کے اصول مرد کو پابند بناتے ہیں کہ وہ ان ہی عورتوں سے جنسی لذت حاصل کرے جو اس کے لئے حلال ہیں۔

اسی طرح یہ اصول عورت کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ صرف اپنے خاوند پر اکتفا کرے۔

حرمتِ زنا کے اسباب

آپ پوچھ سکتے ہیں جنسی تعلقات کو بعض حدود وقیود کا پابند بنانے میں کیا حکمتیں ہیں اور ان کو آزاد رکھنے میں کونسی خرابیاں ہیں جن کی بنا پر شریعت پہلی صورت کو جائز اور دوسری صورت کو ممنوع قرار دیتی ہے؟

قرآن مجید نے اس سوال کا تفصیل سے جواب دیا ہے۔ سورۂ نساء

---

[1] مقدمات ابن رشد المطبوع مع المدونۃ الکبریٰ ج ۲ صـ۲۲ ۔۲۱ ـ [2] زاد المعاد ج ۴ صـ۹ ـ [3] الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ صـ۲۔

میں حکمِ نکاح اور حرمتِ زنا کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۝

(النساء ع ۵)

اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں کھول کر بیان کرے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی طرف راہنمائی کرے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہو لیکن جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں ان کی خواہش یہ ہے کہ تم راہ راست سے بہت دور ہٹ جاؤ اور اللہ تم پر سے بوجھ بھی ہلکا کرنا چاہتا ہے (کیوں کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

سورۂ نور میں حرمتِ زنا اور معاشرتی احکام کی تفصیل کے بعد ارشاد ہوا:۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي

ہم نے تمہاری طرف واضح آیات نازل کی ہیں اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا حال بیان کیا ہے اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں بھیجی ہیں۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہے اور

زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(النور ع ۴ ۵)

وہ چراغ ایک شیشہ میں ہے اور وہ شیشہ اس قدر روشن ہے کہ چمکتا ہوا تارہ معلوم ہوتا ہے وہ چراغ جلایا جاتا ہے زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف جس کی وجہ سے اس کا تیل اس قدر صاف ہے کہ قریب ہے از خود روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی لگے روشنی پر روشنی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ان آیات سے چند حقیقتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

پہلی حقیقت یہ کہ بے قید شہوت رانی کے بجائے خدا کے بتائے ہوئے حدود کے اندر اپنی جنسی خواہش پوری کرنا ان برگزیدہ بندوں کا اسوہ رہا ہے جن پر رحمت الٰہی ہر آن سایہ فگن رہتی تھی۔ جنھوں نے انسانیت کی کشتی کو جذبات اور خواہشات کے منجدھار سے نکال کر ہوش وخرد کے ساحل سے ہم کنار کیا، جنھوں نے آدمیت کی صحیح قدر کی اور اس کو کامیابی کے گر اور ناکامی کے اسباب بتائے جن کی کوششوں سے دنیا کو ایسا معاشرہ ملا جس میں جوش وہوش اور جذبات وعقل کا پاسنگ ٹھیک ٹھیک قائم رہا جن کی تربیت سے جذبات کے دیوانے دانشورانِ وقت بن گئے اور فہم وبصیرت کے اندھے عقل وخرد کے ایسے تاجدار

ہوئے کہ فکر و دانش ان پر ناز کرتی تھی۔ جن کے جذبات اتنے ستھرے تھے کہ عفت و عصمت بلائیں لیتی تھی۔ جن کا کردار اتنا بے داغ تھا کہ آفتاب رشک کرتا تھا اور جن کی سیرت کی بلندی پر رفعتِ مہ و انجم شرمندہ تھی۔

دوسری حقیقت یہ کہ جو قوم بھی جنسی آوارگی میں مبتلا ہوئی نامراد ہوئی۔ وہ اس اندھے کی طرح تباہی کے گڑھے میں گر کر ہلاک ہوئی جس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔ اس کے اقدامات، دیوانوں کی طرح عقل و ہوش سے خالی ہوتے تھے کیوں کہ جذبات کی آندھیوں نے اس کی بصیرت کے چراغ کو بجھا دیا تھا۔

یہ تاریخ کا فیصلہ ہے اور وہ اپنے فیصلہ کو بار بار دہرا چکی ہے۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کے ذریعہ قرآن یہ چاہتا ہے کہ آدمی جذبات کا غلام بننے کے بجائے خدا کا پرستار ہو تاکہ وہ اس کی نوازشات بے پایاں کا مستحق قرار پائے اور اسے ایسی زندگی نصیب ہو جس میں چین ہی چین ہے اور رنج و کلفت سے دور ہے لیکن بندگانِ ہوا و ہوس کی خواہش یہ ہے کہ ساری دنیا ان ہی کی طرح خواہشات کی پرستش میں لگ جائے۔

چوتھی حقیقت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنسی تعلقات کو بالکلیہ ممنوع نہیں قرار دیا ان پر صرف پابندی عائد کی ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کے سامنے جائز راہیں کھلی رکھی ہیں۔ اگر یہ راہیں مسدود ہوتیں تو جذبات کا سیلاب تمام حد بندیوں کو توڑ پھینکتا۔ کیوں کہ انسان بہت کمزور واقع ہوا ہے۔ وہ جذبات کو دبا نہیں سکتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوریوں کی رعایت کی ہے اپنے قانون میں سختی نہیں رکھی۔

پانچویں اور آخری حقیقت یہ کہ خدا ترسی ، پرہیزگاری اور تقویٰ وطہارت عین تقاضائے فطرت ہے ۔ یہ ایسی آواز ہے جو انسان کے اندرون سے اُٹھتی ہے اس لئے عفت وعصمت اور پاک دامنی کے تصور سے انسان کی فطرت ابا نہیں کرتی بلکہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال اور خیر مقدم کرتی ہے ۔ ان پر عمل سے اس کو جلا اور تب وتاب ملتی ہے اور وہ نور نصیب ہوتا ہے جس کے ذریعہ انسان کامیابی سے ہم کنار ہوسکتا ہے ۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ لیکن جس کو خدا کا نور نہ ملے اس کے لئے کہیں روشنی نہیں ۔

اسلام نے جنسی تعلقات کا جو تصور پیش کیا ہے ۔ آئیے اب ہم تفصیل سے دیکھیں کہ وہ اس تصور کے مطابق کس طرح فرد کی تربیت اور معاشرہ کی اصلاح کرتا ہے کیونکہ ان ہی دو ذرائع پر کسی تصور کی کامیابی یا ناکامی منحصر ہے ۔

فرد کی تربیت

کوئی بھی اجتماعی ہیئت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے زیر سایہ رہنے والے افراد اپنی زندگیوں میں اس کے مناسب تبدیلی نہ کرلیں۔ اسی لئے ہر معاشرہ اپنے افراد کو ان نظریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے جن پر وہ خود قائم ہے۔ اسلام نے بھی فرد کی اصلاح کو دیگر امور پر مقدم رکھا ہے۔ لیکن دنیا کے اور نظریات کے مقابلہ میں اسلام کا وصفِ امتیازی یہ ہے کہ وہ فرد سے پرا امیدرہ کر اصلاح کا آغاز کرتا ہے وہ انسان کے بارے میں نہایت ہی بلند و ارفع تصور رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان بدمعاش اور غنڈہ نہیں ہے بلکہ فطرتاً وہ ملکوتی پرواز رکھتا ہے جسے غلط افکار و خیالات اور فاسد تعلیم و تربیت نے پستی کی طرف دھکیل دیا ہے یہیں سے ان تصورات کی جڑ کٹ جاتی ہے جن کے ہاتھ میں اس وقت دنیا کی قیادت کا علم ہے اور جو معصیت اور بدکاری کو عین تقاضائے فطرت سمجھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح بدن کو سردی، گرمی سے محفوظ رکھنے کے لئے پوشاک اور زندہ رہنے کے لئے غذا کا تقاضا ہے

اگر آدمی غذا اور لباس کے مطالبات کی تکمیل کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں محسوس کرتا تو صنفی خواہش کو پورا کرتے ہوئے کیوں نادم و پشیمان ہو؟

احساسِ عظمت

اس کے برعکس اسلام کا دعویٰ ہے کہ زنا ایک معصیت ہے اور معصیت انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتی۔ اس کے مزاج سے نیکی اور صرف نیکی ہی مطابقت رکھتی ہے۔ اس کی عظمت و بزرگی برائی میں نہیں بھلائی میں ہے۔ شر میں نہیں خیر میں رکھی گئی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ انسان کسی نازیبا عمل سے اپنے دل میں خلش اور انقباض محسوس کرتا ہے؟ کیوں غلط روش پر اس کا نفس سرزنش کرتا ہے؟ اس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ یہ کہ انسان کی عزتِ نفس محامد و فضائل کے ساتھ وابستہ ہے۔ پاکیزگیٔ کردار اور محاسنِ اعمال ہی سے اس کے اَنا اور خودی کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اگر ان جوہری صفات سے وہ عاری ہو تو میزانِ عالم میں اس کا وزن گھٹ جاتے۔ یہی احساس ہے جو ایک ننگِ آدمیت کو بھی مجبور کرتا ہے کہ حسنِ عمل کا وہ لبادہ اوڑھ کر دنیا کے سامنے آئے وہ اس بات کا متمنی ہوتا ہے کہ دنیا اس کی تیرہ باطنی اور بداطوارگی کو بھی روشن ضمیری اور پاکیزہ کرداری یقین کرے۔

قرآن مجید اسی احساس کو زندہ اور بیدار کرتا ہے اور اس سے بار بار کہتا ہے کہ کب تک اس فریبِ نفس میں مبتلا رہو گے۔ اگر واقعی تمہیں اپنا شرف و مجد اور مقامِ عظمت عزیز ہے تو زندگی کو ان کمالات کے حصول میں لگاؤ جن سے تم اپنی عظمتِ گم گشتہ حاصل کر سکتے ہو۔

قرآن مجید نے کتنے اچھوتے انداز میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥

(الاعراف ع ۳)

اور جب وہ بے حیائی کا کوئی کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ تم کہدو کہ اللہ تعالیٰ قطعاً بیحیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں۔

غور کیجئے آج کے معصیت کیشوں اور عرب جاہلیت کے غلط کاروں کے افکار و عقائد میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے کہ یہ بھی اپنی عیاشی کے لئے تاریخی حقائق کو مسخ کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے مزعومات کی سند میں تاریخ ہی کو پیش کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی غلط روی کو وحی الٰہی کا نام دے رکھا تھا اور موجودہ دور کے بندگانِ ہوا و ہوس نے اپنی خواہشاتِ نفس کی پرستش علم و بصیرت اور فلسفہ و حکمت کے عنوان سے شروع کر رکھی ہے۔

ضمیر کی آواز لیکن چوں کہ انسان طبعاً خیر پسند ہے، اس لئے خود اس کا ضمیر اس کی ہوسناکیوں کی ہمنوائی سے انکار کرتا ہے۔ قدرت نے انسان کے اندرون میں ایسے متعدد عوامل پیدا کر دیئے ہیں جو اس کو کسی خارجی دباؤ کے بغیر برائی سے نفرت دلاتے ہیں۔ یہ عوامل بسا اوقات اتنے شدید ہو جاتے ہیں کہ آدمی اُن کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہوتا ہے، ورنہ گناہ خصوصاً موجودہ دور میں جتنے نظر فریب اور سحر آفریں انداز میں سامنے لایا جا رہا ہے اس سے نیکی کا تصور تک ذہنوں سے محو ہو جاتا ہے۔

ان ہی داخلی عوامل میں سے ایک کو ضمیر اور وجدان کہا جاتا ہے جو آدمی کے حُسنِ عمل کی مدح و توصیف اور اس کی بُری روش پر ملامت کرتا ہے اور اُسے یاد دلاتا رہتا ہے کہ معصیت کے داغ دھبّے اس کی جبینِ عظمت کو خاک آلود کرنے والے ہیں اور اس منصبِ رفیع کے منافی ہیں جو قدرت نے اسے عطا کیا ہے۔

ضمیر کی یہ صدا، برائی کی راہ کا سنگ گراں ہے، لیکن اگر اس پر کان نہ دھرا جائے اور اسے دبانے کی مسلسل کوشش کی جائے تو یہ آواز دھیمی پڑ جاتی ہے۔ اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ ضمیر کو زیادہ حسّاس اور طاقتور بناتا ہے تاکہ یہ برائی اور ان کے راستوں کی بھی چوکیداری کرے جہاں قانون کا خوف، بدنامی کا اندیشہ اور سوسائٹی کا دباؤ محافظت سے قاصر ہیں۔

نوّاس بن سمعانؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے "برّ و اِثم" کی حقیقت دریافت کی، آپؐ نے جواب دیا:-

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ النَّاسُ عَلَيْهِ [1]

نیکی حسن خلق کو کہتے ہیں اور گناہ وہ ہے جو تمہارے اندر کھٹک پیدا کر دے اور اس سے لوگوں کا واقف ہو جانا تمہیں ناپسند ہو۔

اس حدیث کا ایک ایک لفظ غور کا طالب ہے، کتنی ہی اہم حقیقتیں ہیں جن کو اس بلیغ ارشاد نے بے نقاب کر دیا ہے برّ (نیکی) وہ ہے جس میں اخلاق کا

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی البرّ و الاثم۔

حسن اور کردار کی پاکیزگی جھلک رہی ہو لیکن اثم (گناہ) اس دلکشی اور رعنائی سے محروم ہوتا ہے اور برائی کا یہ بھی ایک وصف ہے کہ وہ قلب وضمیر کا کانٹا بنی رہتی ہے اور مجرم کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی تردامنی کے ساتھ نگاہِ خلق کے سامنے آئے لیکن ایک صالح انسان کا دل اس خلش سے پاک ہوتا ہے اسکو اپنے صحیفۂ عمل پر حسرت وندامت نہیں لاحق ہوتی، وہ مسرور ومطمئن ہوتا ہے کہ اس نے عرصۂ حیات میں وہی کچھ کیا جو اسے کرنا چاہیے۔

ایمان آدمی کے اندر یہی وصف پیدا کرتا ہے۔ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ[1] (جب تمہیں اپنا نیک عمل مسرور وشاداں کردے اور اپنی برائی ناگوار محسوس ہونے لگے تو سمجھ لو کہ تم مومن ہو۔)

جذبۂ حیا کا فروغ

جب احساسِ عظمت جاگ اٹھتا ہے اور وجدان وضمیر کی قوتیں زندہ ہوتی ہیں تو آدمی اپنے مرتبہ سے فروتر کسی فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے ندامت اور پشیمانی محسوس کرتا ہے۔ گناہ کے ارتکاب سے اس کا سر اونچا نہیں ہوتا بلکہ جھک جاتا ہے معصیت کوشی اس کے لئے باعثِ افتخار نہیں۔ شرم وغیرت کا سبب بن جاتی ہے، یہ جذبہ اگر سرد ہو جائے تو آدمی کو معصیت کے حملوں سے بچانے والی ساری قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یہی حقیقت ہے جسے ہر داعیٔ خیر نے اپنے اپنے دور میں سمجھایا تھا۔

عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ | ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان بحوالہ احمد۔

اَلنَّبِیُّ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ [1]	علیہ وسلم نے فرمایا کہ گذشتہ انبیا کی تعلیمات کا جو حصہ لوگوں تک پہنچا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب حیا اٹھ گئی تو جو چاہے کرو۔

حیا اور غیرت کی تعلیم ہمیشہ سے کیوں لازمۂ نبوت رہی ؟ اس کی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بیان فرمائی ہے۔

حضرت سعدؓ نے ایک مرتبہ فرمایا، یا رسول اللہ ! اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی کی عصمت دری کرتے دیکھے تو کیا اس کی غیرت اس بات کی اجازت دے گی کہ وہ قرآن کے حکم کے مطابق چار گواہ تلاش کرتا پھرے۔ خدا نخواستہ اگر میرے ساتھ یہ ناگوار صورت پیش آئے تو میں اس بدمعاش کو وہیں ڈھیر کردوں گا۔

آں حضرتؐ، اس غیرت مندانہ تقریر کو سن کر حاضرین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّيْ مِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ [2]	کیا تم سعدؓ کی غیرت سے تعجب کرتے ہو خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہے اور اپنی اسی غیرت کی وجہ سے اس نے کھلی اور چھپی تمام بیحیائیوں کو حرام کیا۔

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ ابو داؤد کتاب الادب باب فی الحیاء

[2] بخاری، کتاب التوحید، باب قول النبیؐ لا شخص اغیر من اللہ۔ مسلم کتاب اللعان۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جب کوئی دنی الطبع اور کمینہ انسان اپنی طرف رذائل کا انتساب پسند نہیں کرتا تو خدائے تعالیٰ کی مقدس و باعظمت ہستی اس سے کہیں ارفع ہے کہ معاصی و فواحش اسے محبوب ہوں اور وہ ان کا حکم دے۔ جب ایک شریف اور باحیا انسان خود تو کیا معصیت کا مرتکب ہوگا دوسرے تک کو آلودۂ معصیت نہیں دیکھ سکتا تو خدائے غیور اپنے بندوں کی بے حیائی اور جرم پروری کو کیسے بخوشی برداشت کر سکتا ہے؟ اس نے ہر دور میں اپنے برگزیدہ بندوں کی زبانی اسی ناپسندیدگی کا اعلان کیا تھا۔ خدا کے جس بندے پر ان صفاتِ الٰہی کا جتنا زیادہ اثر پڑے گا وہ اتنا ہی گناہ سے دور بھاگے گا بلکہ ایک متقی شخص کو تصورِ جرم تک سرنگوں اور شرمسار کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی اور خدا ترس ہستی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں آتا ہے:۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ [۱]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پردہ میں رہنے والی دوشیزہ سے زیادہ شرمیلے تھے۔ جب حیا کے منافی کوئی بات پیش آجاتی تو آپؐ زبان مبارک سے اس کا تذکرہ تک نہیں کرتے تھے بلکہ ناپسندیدگی رُخِ مبارک سے ظاہر ہونے لگتی جسے ہم بھانپ لیتے۔

اس باحیا انسان نے دنیا کو جس انداز سے حیا کی تعلیم دی اس کا اندازہ ذیل کی حدیثوں سے کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] مسلم کتاب الادب باب کثرۃ حیائہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِيْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ قَالَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَّا يَرَيَنَّهَا اَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا اَحَدٌ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِذَا كَانَ اَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ ؎

بہز بن حکیم اپنے باپ کی وساطت سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ سے دریافت کیا اے اللہ کے نبی! ہم اپنی ستر پوشی کہاں کریں اور کہاں نہ کریں آپؐ نے جواب دیا، اپنی شرم گاہ کو اپنی بیوی اور اپنی باندی کے علاوہ کسی کے سامنے کھلنے نہ دو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! جبکہ لوگ باہم ملے جلے ہوں اور آدمی ستر پر پوری طرح قادر نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا جہاں تک ممکن ہو کوشش کرو کہ کوئی شخص تمہارے قابلِ ستر مقامات کو دیکھنے نہ پائے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! جب کوئی شخص تنہا ہو تو کیا اس وقت بھی وہ ننگا نہیں ہو سکتا؟ آپ نے جواب دیا، اس کا اللہ تو موجود ہوتا ہے، اور اللہ کی ذات لوگوں کے مقابلہ میں اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمْ

عتبہ بن عبد السلمی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کرے تو چاہیے

؎ ترمذی ابواب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی حفظ العورۃ۔ ابن ماجہ ابواب النکاح باب التستر عند الجماع۔

أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ وَلَا يَتَجَرَّدْ تَجَرُّدَ الْعِيْرَيْنِ [1] — کہ پردہ کرے اور دونوں اس حالت میں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہو جائیں۔

اس تعلیم نے شرم و حیا کا درجہ اس قدر بلند کر دیا کہ دورِ حاضر کے ذہن کے لئے اس کا تصور بھی دشوار ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔
"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قابلِ ستر حصّہ کبھی نہیں دیکھا ہے۔" [2]

تہذیب و شرافت اور شرم و حیا کا ایک معیار یہ ہے اور دوسرا معیار وہ ہے جو اس وقت کی عریاں تہذیب پیش کر رہی ہے کہ بے حجابی کے بغیر وہ تکمیل ہی نہیں پاتی۔ یہاں یہ کیفیت کہ تعلقات کے فطری حدود کے اندر بھی شرم و حیا کا دامن نہیں چھوٹتا، وہاں عریانیت کا یہ عالم کہ مرد اور عورت دونوں بر سرِ بازار ننگے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک طرف زبان، ناشائستہ کلمہ تک نکالنے سے انکار کر رہی ہے اور دوسری طرف ہر گلی کوچہ میں داستانِ حسن و عشق سنائی جا رہی ہے اور محبت و جوانی کے نغمات گائے جا رہے ہیں۔ بتائیے سیرت کی تعمیر کا وہ انداز آدمی کو معصیت کے دَل دَل میں پھنسنے سے باز رکھ سکتا ہے یا یہ؟

محاسبۂ آخرت

حیا کا جذبہ بالکل فطری ہے لیکن اس کو حیاتِ دوام، محاسبۂ آخرت کی فکر اور پرسشِ اعمال کے خوف سے حاصل ہوتا ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ زوال پذیر ہو جائے۔ کیوں کہ حیا کو

---

[1] ابن ماجہ ابواب النکاح باب التستر عند الجماع [2] ایضاً مسند احمد ج ۶ ص ۶۳

زندگی اور فروغ دینے والی قوت اندیشۂ ملامت ہے، لیکن جہاں یہ تصور ہو کہ آدمی سرزنش و عتاب اور مدح و توصیف کا مستحق بس اسی دنیا میں ہوتا ہے اور اس کے ماوراء کوئی ایسا عالم نہیں ہے جہاں ہمارے اعمال زیرِ بحث آسکتے ہوں تو آدمی معصیت کے لئے ایسے بے شمار گوشے تلاش کرسکتا ہے جہاں تک دنیا والوں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں، یا وہ گناہ کو اتنا حسین اور نظر فریب بنا سکتا ہے کہ گناہ گناہ نہ رہے بلکہ کارِ ثواب بن جائے اور خود ملامت کرنے والی قوتیں اس پر مفتون ہو جائیں۔ اس کے برعکس اسلام یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ اس کائنات میں ایک ایسی ہستی ہے جس کی چشمِ نگران سے اعمالِ انسانی کا کوئی گوشہ اوجھل نہیں ہو سکتا، نہ نورِ سحر میں واقع ہونے والے افعال اور نہ ظلمتِ شب میں کی جانے والی حرکات، جس کا علم پہاڑ کے واقعات سے لے کر عزم و ارادہ کی جنبش اور خطراتِ قلب تک پر یکساں حاوی ہے اور ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے جب کہ تمام انسانوں کے سامنے میرے اعمال کا دفتر کھول دیا جائے گا اور مجھے اس لطیف و خبیر ہستی کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہو گا۔ یہ یقین انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان اعمال سے احتراز کرے جو اس کو سرنگوں اور رسوا کرنے والے ہیں۔

آج اگر دو چار افراد کے سامنے ہمارا کوئی جرم آجاتا ہے تو شرمندگی سے نگاہیں جھک جاتی ہیں، حسرت و ندامت کے آنسوؤں سے گلا گھٹنے لگتا ہے جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ کل تمام اہلِ دنیا اور ان کے آقا و مالک کے سامنے اس کا صحیفۂ حیات پڑھا جائے گا اور اس کے داغ دھبے عالم آشکارا کئے

جائیں گے، سوچیے اس سے زیادہ محتاط اور پاکیزہ کردار اور کون ہو سکتا ہے! اس یقین کو بڑھانے کے لئے قرآن مجید نے جگہ جگہ احوالِ قیامت کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ ظالموں کے بے پایاں افسوس اور انتہائی ندامت کی تصویر کھنچ جاتی ہے کہ کس طرح اُن کے چہروں پر ذلت و رسوائی کی پھٹکار ہوگی، شرمندگی سے ان کی آنکھیں نیچی اور دل دہل رہے ہوں گے؟ اس کے ساتھ وہ نیکوکاروں کی حسنِ عاقبت کا بھی بڑے دل کش اور موثر پیرایہ میں ذکر کرتا ہے تاکہ آدمی کی نگاہ میں گناہ مکروہ اور نیکی محبوب ہو جائے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (عبس)

اس دن کتنے ہی چہرے روشن ہوں گے خنداں و شاداں اور کتنے ہی چہرے ایسے ہوں گے جن پر گرد پڑی ہوئی ہوگی ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی یہی لوگ ناشکرے اور بدکار ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

جن لوگوں نے بھلائی کی روش اختیار کی ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور اس سے بھی زیادہ ان کو دیا جائے گا اور ان کے چہروں پر تاریکی نہیں چھائی ہوگی۔ یہ لوگ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے لیکن جن لوگوں نے بُرے عمل کئے دا کھیں ان کی بُرائی کے مقدار

عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

(یونس ع ۳)

ہی بدلہ دیا جائے گا اس لئے کہ) برائی کا بدلہ اسی کے مثل دیا جاتا ہے (پھر بھی) ان سے ذلت و رسوائی چپکی ہوگی، انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا (اُن کے چہرے بالکل سیاہ ہوں گے) گویا کسی تاریک رات کے ٹکڑے نے انھیں ڈھانک لیا ہے۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

خدائے تعالیٰ کی ذات اور روزِ جزا پر یقین ایک مومن کے ایمان کی اساس ہے۔ اس کے تمام اعمال اسی محور کے گرد چکر کاٹتے ہیں، اس عقیدہ کے دل و دماغ میں راسخ ہو جانے کے بعد تصور گناہ تک سوہانِ رُوح ہو جاتا ہے اور معصیت وجہ کیف و سرور نہیں رہتی بلکہ دل اس سے انقباض اور گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستانِ حیات میں جہاں عبرت و بصیرت کے بے شمار خزانے پوشیدہ ہیں وہاں یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ جو دل خشیتِ الٰہی کا مسکن ہو اور جن نگاہوں میں خالقِ کائنات کے جلوے سمائے ہوئے ہوں انہیں دنیا کا کوئی حسن و جمال خیرہ نہیں کر سکتا۔ حسینانِ مصر اپنی دلربائیوں سے یوسف پاک باز کو مسحور کرنا چاہتی ہیں لیکن حضرت یوسف ہیں کہ خدا کے خوف سے کانپ رہے ہیں اور اپنے ہاتھ تضرع و الحاح کے ساتھ اس کے روبرو پھیلائے ہوئے ہیں کہ ان آندھیوں میں تو ہی مجھے ثابت قدم رکھ سکتا ہے۔ میرے لئے ہر مصیبت قابلِ برداشت اگر اس کے نتیجہ میں میرا دامن معصیت کے چھینٹوں سے محفوظ رہے۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ۔

(یوسف ع ۴)

میرے رب مجھے قید خانہ محبوب ہے اس عمل سے جس کی مجھے یہ دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو نے ان کی چال کو مجھ سے نہیں پھیرا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور پھر نادانوں میں میرا شمار ہوگا۔

فکر و نظر کے اس تفاوت کو دیکھیے کہ ایک طرف خواہشاتِ نفس کی تسکین کے لئے صدہا چالیں چلی جاتی ہیں۔ ہزار طریقہ سے دام مکر و فریب پھیلایا جاتا ہے تقویٰ و طہارت کی دنیا کو تاریک کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی جاتی ہے اور دوسری طرف یہی گوشت پوست اور جذبات و خواہشات والا انسان ہے کہ کائناتِ حسن و جمال کی ملتجیانہ پیش کش کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اسے یہ پسند ہے کہ قید کی سختیاں جھیلے لیکن وہ یہ نہیں چاہتا کہ دنیا کے عیش و آرام کے ساتھ معصیت کی گندگی اس کے ساتھ چپکی رہے۔ اب آپ ہی بتایئے جب تک کسی علیم و خبیر ہستی کی بازپرس کا یقین نہ ہو کیا یہ حیرت انگیز کردار وجود میں آسکتا ہے؟ جو دل اس یقین سے خالی ہو گیا اس کے لئے ممکن ہے کہ جذبات کے سیلاب میں پہاڑ کی مانند اس طرح جما رہے ۔

حضرت مریم علیہا السلام کے روبرو اچانک ایک متناسب الاعضاء اور خوبصورت انسان نمودار ہوتا ہے۔ تنہائی میں حضرت مریمؑ اسے دیکھتے ہی خوفِ خدا سے پکار اٹھتی ہیں، اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا (میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا سے ڈرنے والا ہے) جب اس

"انسان" نے انھیں بتایا کہ وہ انسانی شکل میں فرشتہ ہے جو انہیں ایک صالح اور نیک اولاد کی خوشخبری سنانے کے لئے آیا ہے۔ تو حضرت مریمؑ حیرت سے پوچھتی ہیں، اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا۔ (میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ کسی بشر نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدکار ہوں۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ وَشَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ [1]

سات قسم کے آدمی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس دن سایہ عطا کرے گا جب کہ اس کے سایہ کے سوائے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں وہ نوجوان بھی ہے جس کی نشو و نما ہی اللہ کی بندگی میں ہوئی ہو۔ اور ایسا شخص جس کو کسی صاحبِ مرتبہ اور حسین وجمیل عورت نے معصیت کی پیش کش کی ہو اور اس پیش کش کو اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہو کہ میں گناہ کرتے ہوئے اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور ایسا شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور اپنے اعمال کا خیال کر کے اس کی آنکھوں سے اشکِ ندامت رواں ہو جاتے ہیں۔

یہ ہے وہ کردار جو قیامت کے خوف سے وجود میں آتا ہے اور اسلام ایسی ہی اعلیٰ سیرت کی ایک مومن سے توقع رکھتا ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ بالیمین، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اخفاء الصدقۃ، ترمذی، ابواب الزہد، باب ما جاء فی الحب فی اللہ۔

گناہ کا واضح تصور

اسلام معصیت کے خلاف انسان کے ان فطری جذبات کو ابھار کر چھوڑ نہیں دیتا بلکہ گناہ و ثواب، حق و باطل اور حسن و قبح کا واضح تصور عطا کرتا ہے تا کہ حق کی راہ کا مسافر ظلمتوں میں بھٹکنے نہ پائے اور ایک طالبِ نجات خوب جان لے کہ معاصی کیا ہیں اور محاسن کیا؟ فضائل کن اعمال کو کہا جاتا ہے اور رذائل کن افعال کو؟ اور اگر کوئی بے راہ روی اور آوارگی ہی کو کمالِ فکر و نظر سمجھتا ہے تو اس انجام سے بھی واقف ہو جائے جن سے ہر غلط کار کو لازماً دوچار ہونا ہے۔

اس نے یہ تفصیلی ہدایات زندگی اور معاملات کی طرح تعلقاتِ مرد و زن کے سلسلہ میں بھی دی ہیں اور بتایا ہے کہ دونوں کے درمیان روابط کی وہ کون سی نوعیت ہے جو خدائے تعالیٰ کے رضا کی موجب ہے اور وہ کون سی صورتیں ہیں جو مالکِ ارض و سماء کی نگاہ میں ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں اور دنیا و آخرت میں ناکامی اور خسران کا سبب بنتی ہیں۔

زوجین ایک دوسرے کے لئے وجہِ آزمائش ہیں:

جنسی میلان کے متعلق وہ پہلے ہی قدم پر یہ اعلان کرتا ہے کہ اس امتحان گاہ حیات میں وہ خدا کی جانب سے بندہ کی ابتلاء و آزمائش کا ایک ذریعہ ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان بے پایاں کشش آدمی کو ایک ایسے موڑ پر کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے اس کے حق پرست اور بندۂ ہوا و ہوس ہونے کا بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف جذبات کے ہنگامے ہیں کہ اس کو ہر بندش کے توڑ پھینکنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

اور دوسری طرف خدا کا خوف اور عقل وفطرت کے تقاضے اسے حدود کی پاسبانی پر مجبور کرتے ہیں ۔ یہ کش مکش آدمی کے دعوئ ایمان کے لئے ایک کسوٹی بن جاتی ہے کہ کہاں تک وہ اپنے عزم واعتقاد میں سچّا ہے ۔

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ۔

مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ ؕ[1]	میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان رساں اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ۔

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا :-

مَا مِنْ صَبَاحٍ اِلَّا وَمَلَكَانِ يُنَادِيَانِ وَيْلٌ لِّلرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَوَيْلٌ لِّلنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ[2]	ہر صبح دو فرشتے اعلان کرتے ہیں کہ مردوں کے لئے عورتیں تباہ کن ہیں اور عورتوں کے لئے مرد ۔

---

[1] بخاری کتاب النکاح، باب ما یتقی من شوم المرأۃ ۔ [2] ابن ماجہ ابواب الفتن باب فتنۃ النساء ۔ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۵۹ ، اس حدیث کے راوی خارجہ بن مصعب کو بیشتر محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے لیکن ابو حاتم کی رائے اتنی سخت نہیں ہے ۔ یحیٰی بن یحیٰی اس کے صرف ایک سلسلۂ سند پر تنقید کرتے ہیں اور بقیہ سلسلوں کو صحیح سمجھتے ہیں ۔ مذکورہ حدیث اس متروک سند سے نہیں ہے ۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۷۶ تا ۷۸ ۔

زنا کی پاداش کامیابی اسی شخص کے لئے ہے جو اس کش مکش میں عفت و پاکبازی کا دامن نہ چھوڑے اور جذبات کے اندھے بہرے تقاضے اس کو جادۂ مستقیم سے منحرف نہ کریں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝

(فرقان)

(اللہ کے نیک بندے وہ ہیں) جو اس کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے۔ اسے قتل نہیں کرتے الّا یہ کہ حق اس کا تقاضا کرے اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ان بدعملیوں کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے گناہوں کے نتائج سے ضرور دوچار ہو گا۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ ؎۱

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا ایک میٹھی اور سرسبز شے ہے اور اللہ تمہیں اسی پرلذت دنیا کا جانشین بنانے والا ہے پس تم دنیا کی رنگینیوں سے احتراز کرو اور عورتوں کے فتنہ سے بچو۔ تم سے اگلی امت بنی اسرائیل کی پہلی آزمائش عورتوں ہی کے ذریعہ ہوئی تھی۔

؎۱ رواہ مسلم ورواہ ابن ماجہ فی ابواب الفتن غیر قولہ فان اول فتنۃ۔ الخ

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ خلافتِ ارضی کے وسیع اختیارات ان ہی بلند کردار اور صالح سیرت افراد کو سونپے جاتے ہیں جن کو یہ اختیارات دنیا کی لذتوں اور آسائشوں میں منہمک نہ کرسکیں (خصوصاً جو پاسبانِ عصمت ہوں، جن کی فرشتہ سیرتی معیارِ عفت و پاک بازی ہو) لیکن جس قوم کا دامن ان اخلاقی جواہر سے خالی ہو وہ خدا کی اس عظیم الشان نعمت سے محروم کردی جاتی ہے۔ اگر دیدۂ عبرت ہو تو گذشتہ امتوں سے سبق لیا جاسکتا ہے کہ کس طرح وہ اپنی ہوس ناکیوں کی وجہ سے منصبِ خلافت سے ہٹادی گئیں۔

عفت کی جزا

سوال یہ ہے کہ اس تباہی سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب ایک اور سوال کے حل پر منحصر ہے، وہ یہ کہ آدمی زنا کیوں کرتا ہے؟ اس کے دو ہی سبب ہیں، ایک تو یہ کہ وہ زنا میں لذت اور کیف محسوس کرتا ہے، اس سے اس کے جذبات کو آسودگی اور سکون میسر آتا ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ وہ باعفت زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس لئے زنا پر مجبور ہے۔ یہ مجبوری خواہ ماحول اور معاشرہ کی پیدا کردہ ہو یا غلط افکار و عقاید کی۔ یہ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہو یا تہذیب و ثقافت کا۔ جب تک ان دونوں محرکات کا سدِّ باب نہیں کیا جاتا دامنِ عفت محفوظ نہیں رہ سکتا۔

لہٰذا زنا اور اس کے نتائج سے تحفظ کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے اولاً انسان کی نگاہ میں معصیت کی رنگینیاں پھیکی پڑ جائیں اور اس کی جاذبیت ختم ہو جائے۔ ثانیاً اس کے سامنے صحیح راہیں کھلی ہوئی ہوں تاکہ وہ جذبات کے مقابلہ میں نہتا اور غیر مسلح ہو کر نہ رہ جائے اور ان صحیح راستوں میں اتنی

دل کشی اور رعنائی پیدا کردی جائے کہ اس کے لئے ناجائز رخوں کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت نہ رہے ۔

اسلام نے معصیت کو بے کیف کرنے کے لئے ایک ایسی زندگی کا تصور پیش کیا ہے جو اس زندگی سے زیادہ رنگین اور زیادہ پرکشش ہے جس کا عیش بے پایاں اور حس کی آسائشیں غیر منتہی ہیں

ایک طرف وہ زنا اور بدکاری سے روکتا ہے اور دوسری طرف ایسی حسین وجمیل اور پری پیکر دوشیزاؤں کا وعدہ کرتا ہے جن کے تصور تک سے فکر و خیال کی قوتیں قاصر ہیں ۔

حسن وجمال کے ان بے پایاں جلووں کا تصور معصیت کو بے نور بنا دیتا ہے اور اس ابدی کیف وسرور کی یاد دُنیا کی فانی لذتوں کو بے نمک کر کے رکھ دیتی ہے ۔ زندگی کے اس تابناک پہلو پر یقین، آدمی کے اندر ایک امنگ اور بے چینی پیدا کرتا ہے کہ وہ اسی کو اپنی جد وجہد کا نشانہ بنائے ۔

نکاح کا مقصد زنا کے دوسرے محرک کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے جائز صورتوں کو بالکل آسان اور سہل الوصول کردیا ہے وہ ایک ایک فرد کو انتہائی ترغیب دیتا ہے کہ ان کو اختیار کرے تاکہ اپنے آپ کو معصیت کی آلودگی سے بچاسکے ۔ ان کے نزدیک نکاح کا منشا یہ نہیں ہے کہ گھر پر بھی ایک داشتہ موجود رہے بلکہ وہ نکاح کو معالیٔ اخلاق اور پاک دامنی کی نگہداشت کا ذریعہ سمجھتا ہے ۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید نے اپنے انداز بلاغت میں پیش کیا ہے ۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ — قید نکاح میں لانے والے مرد نہ کہ زنا کرنے والے،
مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ۔ — قید میں آنے والیاں، نہ کہ زنا کرنے والیاں۔

ان آیات میں قرآن مجید نے "احصان" اور "اسفاح" کے دو الفاظ سے نکاح کے مقصد کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

لفظ "سفح" کے اندر انڈیلنے اور بہا دینے کا مفہوم ہے، زنا کو "سفاح" اس لئے کہا جاتا ہے۔

لِاَنَّهٗ كَانَ عَنْ غَيْرِ عَقْدٍ كَاَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ الْمَاءِ الَّذِيْ لَا يَحْبِسُهٗ شَيْئٌ[1] — کیونکہ وہ بغیر عقد کے ہوتا ہے گویا وہ اس پانی کی طرح ہے جس کی راہ میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

گویا بے قید شہوت رانی اس پانی کی طرح ہے جو بہا چلا جا رہا ہے اور جس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ جوئے کے ایسے تیر کو "السفیح" کہتے ہیں جس کا کوئی حصہ نہ ہو اور بازی میں جس کا وزن نہ محسوس کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت زنا کی حرمت اور نکاح کے جواز کے ذریعہ دو اہم مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اول یہ کہ آدمی جنسی خواہش کے پورا کرنے میں بے قید اور آزاد نہ رہے بلکہ حدود کی پابندی کرے۔ دوئم یہ کہ پابندی تحفظ عصمت کے لئے مفید اور کار آمد ہو۔ قرآن نے نکاح

---

[1] لسان العرب لفظ سفح۔

کے لئے دوسرا لفظ "احصان" کا استعمال کیا ہے "حصن" کے معنی ہیں محفوظ قلعہ، عمدہ گھوڑا اور ہتھیار وغیرہ، یہ معانی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آدمی نکاح کے ذریعہ حرام طریقوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، وہ ایسے ہتھیار سے لیس ہوتا ہے جس کے ذریعہ جنسی ترغیبات کے ہر نار وا حملہ کو بے اثر کر سکے۔

اسی مفہوم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِهٖ فَلْیَعْمِدْ اِلٰی امْرَأَتِهٖ فَلْیُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِهٖ۔ [1]	جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اور اس سے اس کا دل متاثر ہو جائے تو اسے اپنی بیوی کے پاس جانا چاہیئے اور اس سے ہم بستر ہونا چاہیئے اس طرح اس کے دل میں پیدا شدہ خیالات دور ہو سکیں گے۔

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ ایک مومن کس مقصد کے لئے نکاح کرتا ہے؟ وہ کون سا عظیم فائدہ ہے جس کے حصول کی وہ اس تعلق سے توقع رکھتا ہے؟ اور تجرد کی زندگی سے وہ کون سے خطرات ہیں جن کے لاحق ہونے کا ہر آن خدشہ رہتا ہے!

حصولِ مقصد کے لئے زوجین کی معاونت

یہی وجہ ہے کہ شریعت شدت کے ساتھ زوجین سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی معاونت کریں اور کوئی ایسی روش نہ اختیار کریں جو چاک عصمت کا سبب بن سکتی ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

[1] مسلم کتاب النکاح، باب ندب من رأی امرأۃ فوقعت فی نفسہ، ترمذی ابواب الرضاع و اللفظ لمسلم

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَلَمْ تَأْتِہٖ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَیْھَا لَعَنَتْھَا الْمَلٰئِکَۃُ حَتّٰی تُصْبِحَ ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری کے لئے بلائے اور وہ نہ آئے اور اس وجہ سے خاوند رات بھر اس پر خفا رہے تو ایسی عورت پر فرشتے صبح تک لعنت بھیجتے ہیں۔

ایک اور موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَہٗ لِحَاجَتِہٖ فَلْتَأْتِہٖ وَاِنْ کَانَتْ عَلَی التَّنُّوْرِ ۔[2]

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری کے لئے بلائے تو اسے فوراً آجانا چاہیئے خواہ وہ کھانے پکانے ہی میں کیوں نہ مصروف ہو۔

اسلام یہ مطالبہ صرف عورت ہی سے نہیں کرتا بلکہ مرد کو بھی حکم دیتا ہے کہ عورت کے جذبات کی آسودگی کی فکر کرے ورنہ ایک بہت بڑے حق کی عدم ادائیگی کا مجرم ہوگا۔

عبدالرحمٰن الجزری لکھتے ہیں:۔

وتحتم علی الرجل ان یعفھا بقدر ما یستطیع کما تحتم علیھا ان تطیعہ فی ما یامرھا بہ من استمتاع الا لعذر

چاروں فقہی مذاہب کے قوانین مرد پر لازم کرتے ہیں کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق عورت کو عفیف رکھے اسی طرح عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیتے ہیں

---

[1] بخاری، مسلم، ابوداؤد، کتاب النکاح واللفظ لمسلم باب تحریم امتناعہا من فراش زوجہا۔

[2] ترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ وروی ابن ماجہ والبیہقی والحاکم۔

صیحح [۱] کہ خاوند اگر اس سے آسودگی حاصل کرنا چاہے تو اس کے مطالبہ کو رد نہ کرے الایہ کہ کوئی صحیح اور جائز عذر ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک خطبہ کے دوران میں فرماتے ہیں۔ وَحَصِّنُوا فُرُوجَ هٰذِهِ النِّسَاءِ [۲] (ان عورتوں کی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو۔) یعنی مرد پر ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کی عصمت کا سامان کرے اور اسے بے راہ روی سے بچائے۔

امام ابن تیمیہ بیان فرماتے ہیں :۔

وَيَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ اَنْ يَّطَاءَ زَوْجَتَهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَهُوَ مِنْ اٰكَدِ حَقِّهَا عَلَيْهِ اَعْظَمَ مِنْ اِطْعَامِهَا۔ [۳]

مرد پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقہ سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرے، یہ بیوی کا بہت ہی موکد حق ہے۔ نان ونفقہ سے بھی عظیم تر۔

عرب جاہلیت میں بعض اوقات شوہر، بیوی کو اس کے اس حق سے محروم کر دیتا تھا۔ مثلاً اگر زوجین میں ناچاقی اور اختلاف ہو جاتا تو شوہر بیوی کو دق کرنے کے لئے اس سے کہدیتا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے اور ازدواجی تعلقات منقطع کر لیتا (اس طریقہ کو ظہار کہا جاتا ہے) یا ان تعلقات کے ادا نہ کرنے کی قسم کھا لیتا (اس کا نام ایلاء ہے)

اس طرح وہ بے چاری شوہر رکھنے کے باوجود بے شوہر کے پڑی رہتی اور اپنی صنفی خواہشات کی تسکین کے لئے اس کے سامنے سوائے اس کے

---

[۱] الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۳ [۲] مسند احمد حدیث ۱۴۲ [۳] فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۵۶

اور کوئی راہ نہ ہوتی کہ وہ بدکاری کرے۔

پہلی صورت اسلام کے مزاج سے بالکل متصادم تھی اس لئے اس نے اسے حرام قرار دیا، کیونکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے تحفظِ عصمت کا ذریعہ ہیں، یہ کتنی بڑی جہالت ہوگی کہ آدمی بیوی کو ماں اور بہن کی حیثیت عطا کردے اور اس بند کو توڑدے جو قرانِ عصمت کو روکے ہوئے ہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے "ظہار کے سلسلہ میں کہا کہ بیوی، بیوی ہی رہے گی تمہاری لغوبیانی ولاف گوئی سے ماں نہیں بن جائے گی۔ لہذا اگر تمہاری زبان اس قسم کے تباہ کن الفاظ نکلنے کی مجرم ہو تو بطور تاوان فدیہ ادا کرو اور بیوی کے ساتھ شوہر کے سے تعلقات رکھو۔ اس کے بیٹے نہ بنے رہو۔

ایلار میں اس نے چار ماہ کی مہلت دی تا کہ اس مدت میں خاوند یہ فیصلہ کرسکے کہ آیا بیوی کے ساتھ اس کا نباہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس عرصہ کے بعد بھی وہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ ان ذمہ داریوں سے دست کش ہوچکا ہے۔ لہذا اب عورت اپنے کسی اور پاسبانِ حقوق کے تلاش میں آزاد ہوگی۔[1]

اس سلسلہ میں تیسرا اصول، شریعت، جس کا ایک خاوند کو پابند بناتی ہے یہ ہے کہ وہ صنفی خواہش کی تکمیل کا وہی فطری طریقہ اختیار کرے جس سے عورت کے جذبات کی بھی آسودگی ہوتی ہو، اور قطعاً کوئی ایسا طریقہ نہ اپنائے جو عورت

---

[1] ملاحظہ سورۂ مجادلہ آیت ۱تا۴ اور سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶ اور ۲۲۷، تفصیل فقہ کی کسی بھی مشہور کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کے جائز مطالباتِ نفس کو پامال کرنے والا ہو۔ اسی لئے شریعت نے عورت کے ساتھ لواطت کو حرام قرار دیا ہے کیوں کہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی، دنی الطبع اور سفلہ شعار اپنے جذبات کی آگ بجھالے لیکن عورت اس سکون سے محروم ہو جائے گی جو باعفت زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ ملعونٌ مَنْ اَتَی امْرَءَةً فِیْ دُبُرِهَا [1]

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے اس اس شخص پر جو اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کرے۔

ایک اور روایت ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلٍ جَامَعَ امْرَأَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا [2]

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو دیکھے گا تک نہیں جس نے اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کی۔

اس منع کی علت واضح کرتے ہوئے امام ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

فللمرأة حقٌّ علی الزوج فی الوطئ ووطؤها فی دُبُرِهَا یُفَوِّتُ حقها ولا یقضی

بیوی کا خاوند پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ فطری طریقہ پر ہم بستری کرے۔ عملِ لواطت سے خاوند اس کے اس حق کو تلف

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح [2] ابن ماجہ۔ ابواب النکاح باب النہی عن اتیان النساء فی ادبارهن۔

وَطَرَهَا وَلَا يُحَصِّلُ مَقْصُوْدَهَا وَاَيْضًا فَاِنَّ الدُّبُرَ لَمْ يَتَهَيَّأْ لِهٰذَا الْعَمَلِ وَلَمْ يُخْلَقْ لَهٗ وَاِنَّمَا الَّذِىْ هُيِّئَ لَهُ الْفَرْجُ فَالْعَادِلُوْنَ عَنْهُ اِلَى الدُّبُرِ خَارِجُوْنَ عَنْ حِكْمَةِ اللّٰهِ وَشَرْعِهٖ جَمِيْعًا [1]

کرتا ہے، اور اس طبعی حاجت کو پورا نہیں کرتا اور نہ اس طریقہ سے عورت کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں، سرین اس گندے فعل کے لئے تیار کی گئی اور نہ بنائی گئی ہے، اس مقصد کے لئے تو صرف شرمگاہ ہے، پس جو لوگ خواہشِ نفس کے لئے اس فطری طریقہ کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ اللہ کی حکمت اور اس کی شریعت سب کو پھاند رہے ہیں۔

احکام کی یہ سختی بلا وجہ نہیں ہے۔ اگر ازدواجی زندگی فرد کو عفّت کی زندگی گذارنے میں مدد نہ دے اور اس کو اخلاق باختگی اور پستیٔ عمل سے نہ بچا سکے تو یہ رشتہ ایک لغو اور مہمل رشتہ ہے۔ اس کے بعد یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اسلام کا نظامِ معاشرت اپنے مطلوبہ ثمرات پیدا کر سکے گا۔ اس لئے شریعت ضروری سمجھتی ہے کہ نکاح زیادہ سے زیادہ عصمت کے تحفظ کا ذریعہ بنے۔

مقصد کے معاون اسباب

چنانچہ اس نے جائز حدود میں ایسی تمام صورتوں کے اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے جو مقصدِ نکاح میں معاون ہو سکتی ہیں اور ان تمام طریقوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ جو آدمی کو شادی شدہ ہونے کے باوجود بے شادی شدہ کی پوزیشن میں رکھتے ہیں۔

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص۲۷۔

اس پہلو سے جب ہم اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس نے کتنی دقت نظر اور گہرائی سے نکاح کو محفوظ قلعہ میں تبدیل کر دیا ہے

اس وقت ہم اس سلسلہ کے بعض پہلوؤں کی طرف چند مجمل سے اشارات کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) محبت اور دل بستگی جنسی تعلقات کی جان ہے۔ محبت ہی سے اس چمن کو بہار ہے۔ محبت کے بغیر ان تعلقات میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو مرد کو عورت کے لئے وجہ سرور اور عورت کو مرد کے لئے سکونِ قلب کا باعث بناتی ہے۔ یہ انتہائی اہم بات ہے کہ متقابل جنس کے جن افراد کے درمیان طبعی مناسبت اور لگاؤ پایا جائے۔ شریعت ان کو نکاح کا مشورہ دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لم یر للمتحابین مثل النکاح[۱]

(دو محبت کرنے والوں کے لئے نکاح سے بہتر اور کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔

اس حدیث کا قطعاً یہ منشا نہیں ہے کہ جائز تعلقات سے قبل ہی عشق بازی اور آشنائی شروع کر دی جائے۔ اس کا تصور بھی اسلام کے مزاج پر بار ہے۔ جو دین کسی نامحرم کی طرف آنکھ اٹھانے تک کو غلط سمجھتا ہو وہ داستانِ حسن و عشق کہنے اور سننے کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ یہ حدیث ہمارے سامنے دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر کہیں فطری طور پر اسباب محبت موجود ہوں تو ان کو صحیح رُخ دے دیا جائے تاکہ یہ اسبابِ محبت فرد اور معاشرہ کے لئے بجائے ضرر رساں

---

[۱] ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح۔ مستدرک ج ۲ ص ۱۶۰

ہونے کے سود بخش اور کارآمد بن جائیں۔ دوسرا پہلو یہ کہ مزاجوں کا اتحاد، تحفظ عصمت میں مددگار ہوتا ہے کیوں کہ انسان کو جائز ذریعہ سے جتنی زیادہ وابستگی ہوگی، ناجائز ذرائع کی طرف اسی قدر اسی طرف اس کی توجہ کم ہوگی۔

(۲) ناجائز رشتوں میں دلکشی کو بڑھانے کے لئے شریعت سن و سال کی برابری کو بھی اہمیت دیتی ہے۔ کیوں کہ عمروں کے بیّن تفاوت کے ساتھ تعلقات میں وہ جاذبیت مشکل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے جو بے راہ روی کے لئے کوئی کشش نہ چھوڑے۔

اس نفسیاتی حقیقت کی طرف ذیل کے دو واقعات اشارہ کر رہے ہیں،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی جوانی میں ایک بیوہ سے شادی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔

فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ وَتُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ [1]

کیوں نہیں تم نے کسی دوشیزہ سے شادی کی کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی اور تم اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے اور وہ تمہارے ساتھ مذاق کرتی۔

اس لئے کہ ہو سکتا ہے ایک بیوہ جس کے جذبات بڑی حد تک سرد ہو چکے ہوں اس آتش جذبات کی متحمل نہ ہو سکے جو ایک نوجوان کے سینہ میں شعلہ فگن ہے۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب عون المرأۃ زوجہا فی ولدہ۔

کی کہ حضرت فاطمہؓ کا ان سے نکاح کر دیا جائے۔ آپؐ نے دونوں کی درخواست یہ کہہ کر رد کر دی کہ وہ چھوٹی ہے۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے بھی درخواست کی تو آپؐ نے قبول فرمالیا اور نکاح کرا دیا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے اس کی پیش کش کی تھی۔

اس واقعہ پر امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں باب باندھا ہے "تَزَوُّجُ الْمَرْأَةِ مِثْلَهَا فِي السِّنِّ" (عورت کا اپنے ہم سن مرد سے شادی کرنا) یعنی یہ مناسب اور اولیٰ ہے۔

امام نسائیؒ کا یہ استدلال اس غرض سے پوری مطابقت رکھتا ہے جس کے لئے شریعت نے نکاح پر زور دیا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس کی تردید کی کوئی وجہ نہیں الّا یہ کہ شریعت کے عظیم تقاضے سن و سال کے فرق کو نظر انداز کرنے پر مجبور کرتے ہوں۔

(۳) شریعت اس مقصد کی خاطر نامحرم عورت کو دیکھنے تک کی اجازت دیتی ہے، تاکہ آدمی اپنے جذبِ خاطر اور رغبت و شوق کا فیصلہ کر سکے کہ آیا یہ رشتۂ عفت کی زندگی گذارنے میں معاون ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضؓ أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ

مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک عورت سے نسبت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی بہتر

بگینگما۔ ؎ صورت ہے۔

"یہ تم دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی بہتر صورت ہے۔"
کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ شریعت چاہتی ہے کہ زوجین کے درمیان رشتۂ محبت محکم سے محکم تر ہو اور اس میں کوئی ایسا پیچ نہ آنے پائے جس سے نکاح کی غرض کو دھکا لگتا ہو۔ کیوں کہ زوجیت کی دنیا میں اختلاف و نفرت کے راہ پانے کے بعد حریفِ عصمت طاقتیں بآسانی حملہ آور ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نکاح فسخ کر دیئے جن میں عورت اپنے خاوند کی بداطواری کی وجہ سے اس کی رفاقت پر آمادہ نہیں تھی۔

(۴) اس کشش و جاذبیت کو فزوں تر کرنے کے لئے اسلام ازدواجی زندگی میں عورت کے لئے زینت و آرائش کو مستحسن سمجھتا ہے جب کہ وہ ایک نامحرم کے سامنے عورت کو آراستگی اور بناؤ سنگار کی نمائش کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ پہلی صورت میں صنفی کشش کو تقویت دینا چاہتا ہے اور دوسری صورت میں اس کا منشا یہ ہے کہ اسے کمزور سے کمزور تر کر دیا جائے۔

دورِ اول کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کی خاطر زیب و زینت کا سامان کیا کرتی تھیں۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ نے عثمان بن مظعون کی بیوی کو ان اسباب زینت سے

؎ ترمذی، ابواب النکاح ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ، نسائی، ابن ماجہ، ابواب النکاح

خالی پایا جن سے اس دور کی عورت، شوہر کی موجودگی میں بالعموم آراستہ ہوتی تھی آپؐ نے فوراً دریافت فرمایا کیا عثمانؓ کہیں سفر پر گئے ہوئے ہیں ؟ [1]

اس حدیث کی شرح میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں۔

وَاِسْتِنْكَارُ عَائِشَةَ عَلَيْهَا تَرْكَ الْخِضَابِ وَالطِّيْبِ يُشْعِرُ بِاَنَّ ذَوَاتِ الْاَزْوَاجِ يَحْسُنُ مِنْهُنَّ التَّزَيُّنُ لِلْاَزْوَاجِ بِذَالِكَ۔ [2]

خضاب اور خوشبو کے چھوڑ دینے پر حضرت عائشہؓ کا اُن سے تعجب کے ساتھ سوال کرنا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ سہاگنوں کو اپنے شوہروں کی خاطر زیب وزینت کرنا پسندیدہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی جب کسی دُور کے سفر سے واپس ہو تو اچانک گھر میں نہ گھس جائے کیوں کہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ایسے پھوہڑ پن اور ناپسندیدہ حال میں، گھر والوں پر اسکی نظر پڑے جو نفرت کا موجب ہو۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ سے واپسی کے بعد ہم اپنے گھر جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا :۔

اَمْهِلُوْا حَتّٰى تَدْخُلُوْا لَيْلًا اَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ [3]

ابھی رک جاؤ اور رات کو اپنے اپنے گھر جاؤ تاکہ جس عورت نے کنگھی چوٹی نہیں کی ہے وہ کنگھی چوٹی کرے اور جس عورت کا شوہر

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۶ [2] نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۲۶ [3] بخاری کتاب النکاح باب طلب الولد، مسلم کتاب الرضاع باب استحباب نکاح البکر۔

غائب تھا وہ نہا دھو کر صاف ستھری ہو جائے۔

(۵) اسلام نے جیسے مرد کے جذبات کا پاس ولحاظ رکھا ہے ویسے ہی وہ عورت کے جذبات کے احترام کی بھی تعلیم دیتا ہے، اس نے مختلف اسالیب سے اس حقیقت کی توضیح کی کہ نہ عورت محض شہوت رانی اور تکمیلِ ہوس کا کوئی آلہ ہے اور نہ وہ احساسات سے خالی کوئی مضغۂ گوشت ہے بلکہ اس کا دل لطیف ترین احساسات کا نشیمن ہے، جو ایسے ہی لطافتِ اعمال اور نزاکتِ کردار کے متقاضی ہیں، معاملات کی ناہمواری اور کرختگی اس کے جذبات کے آبگینوں کو چور چور کر سکتی ہے، پھر وہ ایک پتھر بن جائے گی، جسے توڑا تو جا سکتا ہے لیکن اس سے وہ نگینہ نہیں تراشا جا سکتا جس کی تابانی قلب و نظر کو اپنا گرویدہ کرے اور معصیت کے ہر نظارہ سے دل کشی چھین لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

إِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلَعِ إِذَا ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَإِنْ تَرَكْتَهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ [۱]

عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے لیکن اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ حاصل کر سکو گے۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا:۔

۱؎ بخاری، ابواب النکاح باب المداراۃ مع النساء، مسلم کتاب الرضاع باب الوصیۃ بالنساء، ترمذی، ابواب الطلاق واللفظ لمسلم۔

لَا يَجْلِدْ اَحَدُكُمُ امْرَأَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِیْ اٰخِرِ الْیَوْمِ ۔ لہ

ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح پیٹنے لگے اور پھر شام کو اسی سے ہم بستری کرے ۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے دل کی تسکین کے لئے آراستہ پیراستہ رہنا پسند کرتا ہوں جیسا کہ خود میری خواہش ہوتی ہے کہ وہ میرے لئے زیب و زینت کے ساتھ رہے ۔ ٢ه

(۶) زوجین کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں اسلام نے حُسنِ خلق اور بلند کرداری کی جو تعلیم دی ہے ، اس کی بھی ایک اہم غرض یہی ہے کہ دونوں کی باہمی آویزش اور کشیدگی اس جاذبیت کو ختم نہ کر دے جو صنفی آوارگی سے بچائے رکھتی ہے ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ آپ نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ ایسے امور میں دلچسپی لی جو بہت ممکن ہے زہد و اتقا کے عام تصور کے خلاف معلوم ہوں لیکن درحقیقت ان سے ازدواجی تعلقات میں شگفتگی اور حسن پیدا ہوتا ہے ۔

اس قسم کے چند واقعات ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں ۔ جن سے ہر شخص ان کی تہ میں کام کرنے والی روح کا اندازہ لگا سکتا ہے ۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو گیارہ عورتوں کی ایک دلچسپ کہانی سنائی ۔ جن میں سے بیشتر نے اپنے شوہروں کی شکایت کی تھی ۔

لہ بخاری ، کتاب النکاح ، باب ما یکرہ من ضرب النساء ، ٢ه السنن الکبریٰ بیہقی ج ۷ ، صفحہ ۲۹۵

لیکن گیارھویں (ام زرع) نے کہا کہ میں اپنے شوہر ام زرع کی کیا مدح وتوصیف کر سکتی ہوں؟ انھوں نے میرے کانوں کو زیورات سے ڈھک دیا اور میرے دُبلے پتلے بازوؤں کو پُر گوشت بنا دیا، غرض مجھے خوش و خرم رکھنے کا اتنا سامان کیا کہ میری زندگی مسرت سے گزرنے لگی میری خوش بختی کا کیا کہنا، میں بکریوں والے (کم حیثیت) خاندان میں عسرت کی زندگی گزار رہی تھی مجھے انھوں نے گھوڑے، اونٹ اور کھیتی باڑی والے لوگوں میں لبسایا، میں ان سے بے تکلف گفتگو کرتی لیکن کبھی انھوں نے میری زبان نہیں پکڑی، میں بلا کسی خوف کے صبح تک آرام کرتی اور لذیذ ترین کھانے اور پینے کی چیزیں سیر ہو کر کھاتی اور پیتی۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا، عائشہؓ! میں تیرے حق میں ابوزرع ہوں[1]۔ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے اپنے بارے میں ایک دل چسپ تمثیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی تھی۔ یا رسول اللہ! بتلائیے! اگر درختوں والی وادی میں آپ کا گزر ہو تو کیا آپ بکریوں کو کسی برگ دار درخت کے پاس چراتے یا ایسے پیڑ کے پاس جسے جانوروں نے صاف کر دیا؟ آپ نے جواب دیا، پتوں والے درخت ہی کے پاس چراتا[2] (نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری (کتاب النکاح، حسن المعاشرہ مع الاہل) مسلم اور نسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کہانی، نبی صلی اللہ نے سنائی اور بعض روایات ظاہر کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آخری فقرہ ارشاد فرمایا، حافظ ابن حجر کی تحقیق میں یہ مکمل داستان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے ادا ہوئی تھی۔ فتح الباری ج ۹ ص۲۰۲

[2] بخاری کتاب النکاح، باب نکاح الابکار۔

کی ازواجِ مطہرات میں صرف حضرت عائشہؓ باکرہ تھیں، باقی سب بیوہ تھیں، غور کیجیے، یہ کنایہ مزاج کے حسن اور لطافتِ ذوق کی کتنی عمدہ دلیل ہے؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں، میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑ لگائی تھی، چونکہ میں اس وقت دبلی پتلی تھی اس لیے آگے نکل گئی۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہم دونوں میں مسابقت ہوئی تو میں پیچھے رہ گئی کیوں کہ میں ان دنوں فربہ ہوگئی تھی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، لیجیے ہم نے پہلے کا بدلہ چکا دیا۔ ؎۱

صحاح کی مشہور روایت ہے کہ کسی عید میں حبشی، کھیل کود کی نمائش کر رہے تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تماشا دیکھو گی؟ یا... حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے انھیں اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ جب حضرت عائشہؓ... اکتا گئیں تو آپ نے کہا اچھا تو اب چلی جاؤ۔ ؎۲

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گوشت سے بھری ہوئی ہڈی تھوڑی سی کھا کر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی تھی اور آپ اسے اسی جگہ سے تناول فرماتے جہاں سے میں نے چھوڑا تھا۔ اسی طرح کوئی چیز پی کر آپ کی طرف بڑھاتی اور آپ اپنا دہنِ مبارک پیالے کے اسی حصہ کو لگا کر پیتے جہاں سے میں نے

؎۱ مسند احمد ج ۶ ص۲۳۹، ابوداؤد، کتاب الجہاد باب فی السبق علی الرجال

؎۲ بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید، مسلم، کتاب العیدین۔

پہنا تھا۔[1]

اس قسم کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن یہ چند مثالیں بھی اس بات کا باآسانی ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ اسلام ازدواجی زندگی کو کوئی ضابطہ کی بندش نہیں بنانا چاہتا بلکہ وہ اس میں اتنی رنگارنگی اور جمال آرائی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ خود ایک عالم کیف و سرور بن جاتی ہے اور صنفی داعیات میں سے کوئی ایسا داعیہ نہیں ہے جس کا ازدواجی رشتہ میں اس نے سامان نہ کیا ہو۔

احتیاطی تدابیر

اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ جنسی تقاضے ایسے طوفان کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کس وقت، سیرت و کردار کی دنیا کو تہ و بالا کر دے۔ اس لئے شریعت، فرد کو بعض ایسی احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے جو معصیت کی راہ کو تنگ سے تنگ کرنے والی ہیں اور جن پر عمل پیرا ہو کر انسان بڑی حد تک جنسی آلودگیوں سے دامن کش رہ سکتا ہے۔

قرآن نے اس سلسلہ میں ایک اہم اصول ہمیں عطا کیا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ٥ (زنا کے قریب نہ جاؤ کیوں کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے) غور کیجیے! زنا سے اجتناب کی تعلیم کے لئے کتنا اچھوتا اسلوب اختیار کیا گیا ہے؟ اس اندازِ بیان نے انسانی نفسیات کے ایسے گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جن کی عدمِ رعایت سے موجودہ دور فواحش کا دور بن گیا ہے۔

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۶۵، مسلم الکتاب الحیض، نسائی، ابن ماجہ ابواب الطہارۃ

قرآن صرف زنا سے ملوث نہ ہونے ہی کا حکم نہیں دیتا بلکہ ان تمام صورتوں سے بھی احتراز کا حکم دیتا ہے جو بظاہر کتنی ہی معصوم اور بے ضرر کیوں نہ معلوم ہوں، لیکن بالآخر اس عمل بد تک پہنچانے والی ہیں۔

اگر آپ انسانی اعمال کا ذرا ژرف نگاہی سے تجزیہ کریں تو وہ آپ کو مربوط اور منظم معلوم ہوں گے اور ان میں ایک طرح کا تدریجی ارتقا ملے گا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی ایک ہی جست میں نیکی اور تقویٰ کے تمام مراحل طے کر لے یا گناہ کی آخری سرحد پر پہنچ جائے۔ بلکہ اس کا ہر پہلا قدم، دوسرے قدم کے لئے محرک کا کام دیتا ہے جس طرح داخلی اور خارجی عوامل انسان کے فکر و خیال پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح اس کے اپنے اعمال بھی اس کے مزاج اور داخلی کیفیات کو متاثر کرتے ہیں۔ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے، فریب دیتا ہے اور خیانت کرتا ہے تو یہ اعمال اس کی اگلی پچھلی زندگی سے بے تعلق نہیں ہوتے۔ ان میں ماضی کی جھلک اور مستقبل کا نشان ملتا ہے، وہ اس کے اگلے اقدامات کے لئے سمت سفر متعین کرتے ہیں اور ان میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ یہی حال نیکی کا ہے۔ اس کی ہر منزل دوسری منزل تک پہنچانے والی اور اس کو آسان کرنے والی ہوتی ہے۔

اسلام انتہائی باریک بینی کے ساتھ نشان دہی کرتا ہے کہ آدمی کن حدود کے اندر اپنی خواہشات اور جذبات کی تسکین کر سکتا ہے اور کہاں سے تباہی و بربادی کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس نے ان اعمال و افعال ہی کو ممنوع نہیں قرار دیا جو انسانیت کے لئے مہلک ہیں بلکہ ان تمام راہوں پر بھی قدغن لگائی ہے جو تباہی کا پیش خیمہ ہیں اور جن پر چلنے والا کسی گھناؤنے نتیجہ سے دوچار ہوئے

بغیر نہیں رہ سکتا ۔

یہ موقع ان مباحث کی تفصیل کا نہیں ہے ۔ ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے چند ایسی پیش بندیوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن پر شریعت نے خاص زور دیا ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " ابن آدم کے زنا کی مختلف صورتیں ہیں ۔ آنکھوں کا زنا ، چلنا ، نفس کا زنا ، خواہش اور آرزو اور آخر میں شرمگاہ ان مقدمات کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے "[1]

یہ حدیث بتاتی ہے کہ شریعت کی نگاہ میں محرکاتِ معصیت بھی معصیت ہی کا حکم رکھتے ہیں ۔ اسی لئے وہ ابتدائی اقدامات پر بھی زنا ہی کا حکم لگاتی ہے ۔ دوسرے مقامات پر شریعت نے اس کی تفصیل بیان کی ہے ۔ آیئے اب ہم اس کا مطالعہ کریں ۔

غضِ بصر قدرت نے انسان کے اندر ذوقِ جمال پیدا کیا ہے اس لئے وہ کائنات کے ایک ایک ذرہ میں نکھار اور جمال کا متلاشی ہے وہ دنیا کی کسی بھی شے کو بے ڈھب اور بے ہنگم حالات میں نہیں بلکہ حسن و خوبصورتی کے قالب میں دیکھنا چاہتا ہے ۔ وہ شب و روز قدرت کے دل کش مناظر سے کیف و سرور حاصل کرتے ہوئے اکتاتا نہیں کیوں کہ وہ حسین ہیں ۔ ان میں دلربائی اور

---

[1] امام ابوداؤد نے اس حدیث کے مختلف ٹکڑوں کو مختلف سندوں سے نقل کیا ہے ، ہم نے ان سب کا ایک موزوں ترتیب سے ترجمہ کر دیا ہے ۔ کتاب النکاح ، باب ما یؤمر من غض البصر ۔ مسلم میں یہ پوری حدیث ایک ہی سند سے روایت کی گئی ہے ۔ نیز اس کا بیشتر حصہ بخاری میں بھی ہے ۔

زیبائی ہے ۔ اسی ذوق کی جلوہ گری ہے جو تمدن کے مختلف مظاہر میں کارفرما نظر آتی ہے ۔

یقیناً یہ ذوق، انسان کا ایک فطری ذوق ہے اور اس کی تکمیل نہ کرنا انسانیت پر ظلم کے مترادف ہوگا ۔ اس کارآمد ذوق کے ختم کرنے کے بعد دنیا تمدن کے ان بے شمار فوائد سے محروم ہو جائے گی جن سے آج وہ مالا مال ہے لیکن جمال پسندی کا یہ رجحان، اسی وقت تک خیر اور افادیت کا حامل رہتا ہے جبتک کہ وہ حدودِ اعتدال میں رہے ۔ اس کی بے اعتدالی تہذیب کے بگاڑ اور فساد کا موجب بنتی ہے ۔ یہ بے اعتدالی زندگی کے اور میدانوں کی طرح صنفی خواہش کے میدان میں بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مقابل صنف کا کوئی رخ زیبا جتنی سرعت کے ساتھ انسان کو کج رو بنا سکتا ہے اتنی تیزی سے حسن وجمال کا اور کوئی مظہر اس کو فساد کی طرف نہیں لے جا سکتا ۔ اس کی ایک وجہ تو خود انسان کی ساخت کا حسن ہے کہ وہ اس قدر متناسب الاعضاء اور موزوں قدوقامت کا مالک ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ دوسری اہم ترین وجہ یہ ہے کہ جنس مقابل اپنے قدوقامت کی درستی اور بناوٹ کی خوبصورتی کے ساتھ انسان کے ایک زبردست داعیہ کی تسکین کا مرکز ہوتی ہے اور بے اختیار اس کی طرف رغبت اور کشش رکھتا ہے ۔ اس لئے شریعت جنس مقابل کے نظارہ سے روکتی ہے کیوں کہ نظر کی آوارگی کے بعد جنسی آوارگی سے بچا رہنا انتہائی مشکل ہے ۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے :-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ ‏ (اے نبیؐ) تم مئوں سے کہدو کہ وہ اپنی

أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ

(النور ع ۴)

نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے حق میں بہت بہتر ہے اور بلاشبہ اللہ، جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے باخبر ہے اور ایمان والی عورتوں سے کہدو کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قرآن مجید نے غضِ بصر اور شرمگاہ کی حفاظت کا بالکل ایک ساتھ ذکر کیا ہے گویا پاک دامنی کے لئے نظر کی پاکی پہلی شرط ہے۔

اسی مفہوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے انداز سے پیش فرمایا ہے:۔

يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ [1]

اے علی! (رضی اللہ عنہ) نظر کے پیچھے نظر نہ دوڑاؤ۔ کیونکہ پہلی (اتفاقی) نظر تو تمہارے لئے معاف ہو سکتی ہے لیکن دوسری کا کسی طرح تمہیں حق نہیں پہنچتا۔

یعنی پہلی نگاہ اتفاقی ہوتی ہے اس لئے قابلِ عفو و درگزر ہے لیکن قصد ارادہ کے ساتھ نظر بازی قطعاً جائز نہیں ہے کیوں کہ یہی شیطانی تیر ہیں جو شرافت و اخلاق کو چھلنی کر کے رکھ دیتے ہیں۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ما یؤمر بہ من غض البصر۔ ترمذی۔ ابواب الآداب، باب ما جاء فی نظرۃ الفجاۃ۔

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اگر کسی نامحرم پر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ نے جواب دیا فوراً اپنی نظر پھیر لو۔ [۱]

محرمات کے ساتھ اختلاط کی شریعت، اس لئے اجازت دیتی ہے کہ یہاں بالعموم جذباتِ محبّت موجزن ہوتے ہیں۔ اگر کوئی دیوث، ان جذباتِ محبّت کو ہوس اور شہوت کی آگ میں تبدیل کر کے نظر اٹھاتا ہے تو شریعت کی نگاہ میں وہ حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

فَلَوْ نَظَرَ اِلٰی اُمِّہٖ وَاُخْتِہٖ وَابْنَتِہٖ یَتَلَذَّذُ بِالنَّظَرِ اِلَیْھِمَا کَمَا یَتَلَذَّذُ بِالنَّظَرِ اِلٰی وَجْہِ الْمَرْأَۃِ الْاَجْنَبِیَّۃِ کَانَ مَعْلُوْمًا لِکُلِّ اَحَدٍ اَنَّ ھٰذَا حَرَامٌ [۲]

اگر کوئی شخص اپنی ماں، بہن یا بیٹی کو اس خیال سے دیکھتا ہے کہ ان سے لذّت حاصل کرے جس طرح وہ ایک اجنبی عورت کو دیکھ کر لذت یاب ہوتا ہے تو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حرام ہے۔

سماع پر پابندی

بینائی کی طرح قوتِ سامعہ بھی انسان کے جذبات و احساسات پر گہرے اثرات ڈالتی ہے، وہ نفع بخش بھی ثابت ہو سکتی ہے اور نقصان دہ بھی۔ کسی قانون کی کامیابی یہ ہے کہ اس کے

---

[۱] مسلم، کتاب الادب، باب نظر الفجاۃ۔ ترمذی ابواب الآداب، ابوداؤد، کتاب النکاح

[۲] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۴۹

سو و دریاں کے خطوط کو واضح الفاظ میں نمایاں کر دے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو صاف صاف بتاتا ہے کہ وہ اس چمنستان عالم کے ہر حسین نغمہ سے اپنے ذوقِ سماع کو بہرہ یاب کر سکتے ہیں اِلّا یہ کہ وہ مہیجِ شہوت اور غارت گرِ اخلاق ہو۔ کیوں کہ عفت اور کردار کی پاکیزگی، انسانیت کا تاج ہے۔ اس کے لئے دنیا کے ہر نشاط و سرور کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی عیش و راحت کے عوض اس کی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اس کے نزدیک موسیقی اور آلات موسیقی کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گانے کی حرمت کی نفسیاتی توجیہ کے لئے ہم اس وقت حافظ ابن جوزیؒ کے الفاظ مستعار لیتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ سَمَاعَ الْغِنَاءِ يَجْمَعُ شَيْئَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنَّهُ يُلْهِي الْقَلْبَ عَنِ التَّفَكُّرِ فِي عَظَمَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَالْقِيَامِ بِخِدْمَتِهِ وَالثَّانِي اَنَّهُ يُمِيْلُهُ اِلَى اللَّذَّاتِ الْعَاجِلَةِ الَّتِي تَدْعُوْا اِلَى اسْتِيْفَائِهَا مِنْ جَمِيْعِ الشَّهَوَاتِ الْحِسِّيَّةِ وَمُعْظَمُهَا النِّكَاحُ وَلَيْسَ تَمَامُ لَذَّتِهِ اِلَّا فِي الْمُتَجَدِّدَاتِ وَلَا سَبِيْلَ اِلَى كَثْرَةِ الْمُتَجَدِّدَاتِ

معلوم ہونا چاہیے کہ گانا سننے سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ گانا آدمی کو خدا کی عظمت میں تفکر اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل کر دیتا ہے۔ دوسری خرابی گانے کی یہ ہے کہ وہ آدمی کو دنیوی لذتوں کی طرف مائل کر دیتا ہے، جو اس کو تمام مادی خواہشات کی تکمیل پر مجبور کرتے ہیں۔ ان خواہشات کے سرفہرست صنفی خواہش ہے اور صنفی خواہش کی پوری طرح آسودگی نئے نئے تعلقات کے لئے جائز حدود میں گنجائش نہیں۔ اس طرح غنا آدمی کو زنا پر

مِنَ الْحِلِّ فَلِذَالِكَ يَحُثُّ عَلَى الزِّنَا فَبَيْنَ الْغِنَاءِ وَالزِّنَا تَنَاسُبٌ مِنْ جِهَةِ اَنَّ الْغِنَاءَ لَذَّةُ الرُّوحِ وَالزِّنَا اَكْبَرُ لَذَّاتِ النَّفْسِ وَلِهٰذَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا۔ ؎

اکساتا ہے۔ پس گانے اور زنا کے درمیان ایک طرح کی مناسبت ہے بایں طور کہ گانا روح کی لذت ہے تو زنا نفس کی ایک بڑی لذت ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ گانا آدمی کو زنا کی طرف لے جانے میں جادو کا حکم رکھتا ہے۔

زبان کی حفاظت

زبان کے معاملہ میں انسان بہت ہی بے احتیاط واقع ہوا ہے۔ حالانکہ جو کلمات ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ فضا میں تحلیل ہو کر نہیں رہ جاتے بلکہ ہمارے افکار و خیالات پر عکس ریز ہوتے ہیں اور زبان کے یہ اثرات سمع و بصر کے اثرات سے بھی زیادہ اپنے اندر وسعت اور گہرائی رکھتے ہیں کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز آپ کے لئے باصرہ نواز اور راحت گوش ثابت ہو رہی ہو وہ خود کو بھی کسی تاثر کے حوالے کر دے۔ برعکس اس کے زبان اظہار خیال کا ایسا ذریعہ ہے جس کے توسط سے آدمی اپنے اچھے یا برے خیالات کا پر تو اپنے مخاطب پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کوشش کے نتیجہ میں مخاطب کا رد عمل اس کے موافق ہو تو اس کے خیالات کو مزید تقویت پہنچتی ہے اور وہ انفرادیت کے دائرے سے نکل کر اجتماعی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اسی تناسب سے ان کی قوت میں

؎ نقد العلم والعلماء صت ۲۳۷

بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

خیال فرمایئے! اگر یہ عظیم قوت راہ راست سے ہٹ جائے اور جذبات جیسے نازک اور کمزور گوشوں پر حملہ آور ہو تو کس قدر فتنہ سامانی پیدا کر سکتی ہے؟

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يَضْمَنُ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ۔[1]

حضرت سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی مجھے ضمانت دے، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:۔

مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔[2]

جس شخص کو اللہ تعالیٰ زبان اور شرمگاہ کے شر سے بچالے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

لباس کا اہتمام

عریانی اس دور کا ایک عظیم فتنہ ہے، جس نے جذبات کی دنیا میں آگ لگا دی اور انسان کو شہوت اور ہوس کا دیوانہ بنا دیا ہے۔ صنفِ مقابل ویسے بھی اپنے اندر جاذبیت رکھتی ہے۔ عریانی اس جاذبیت کو اس قدر سخت کر دیتی ہے کہ آدمی کا معصیت سے دور رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فحاشی اور بدکاری

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ترمذی، ابواب الزہد باب ما جاء فی حفظ اللسان۔ [2] ترمذی، ابواب الزہد۔

کے اس محرک کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اسی مطالبۂ فطرت کے تحت آدمی نے لباس کا اہتمام کیا۔

لیکن تہذیبِ نو کے نزدیک معراجِ آدمیت یہ ہے کہ آدمی، عفت و پاک دامنی کے تصور تک سے ناآشنا ہو۔ چوں کہ لباس اس ترقی کی راہ کی ایک رکاوٹ تھا اس لئے اس نے اسے اتار پھینکا۔ اسلام کی نگاہ میں زنا حرام ہے اور وہ آدمی کو اس جرم سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ اس مانعِ معصیت قوت کو اور مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ اس نے تفصیل کے ساتھ مرد اور عورت کے حدودِ ستر کا تعین کیا ہے اور دونوں کو ان کے التزام کی سخت تاکید کی ہے۔

اسلام عریانی کو کس قدر ہلاکت خیز تصور کرتا ہے اس کا اندازہ آپ ایک حدیث سے فرما سکتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَزَعَتْ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا هَتَكَتْ سِتْرَ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا۔[1]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کے مکان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنے کپڑوں کو اتارتی ہے وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان تعلق کو توڑتی ہے۔

نامحرم کے ساتھ تنہائی کی ممانعت

تحفظِ عصمت کی راہ میں ایک اور مرحلہ آتا ہے جو نظر بازی، ہیجان انگیز نغموں، فحش گفتگو اور عریانی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور وہ ہے صنفِ مقابل

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۳

کے ساتھ تنہائی جب کہ دونوں کے درمیان کوئی طبعی حجاب بھی نہ ہو۔ ایسے نازک موقع پر کوئی ایسا خارجی دباؤ نہیں ہوتا جو انسان کو جذبات کے ہاتھوں مارے جانے سے بچا سکے۔

اسلام، انسان کی اس کمزوری کے پیش نظر کسی نامحرم کے ساتھ خلوت کو سختی سے منع کرتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوا عَلَی الْمُغِیْبَاتِ فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ أَحَدِکُمْ مَجْرَی الدَّمِ [1]

حضرت جابرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جن عورتوں کے ساتھ محرم مرد نہ ہوں ان کے ہاں نہ جاؤ۔ کیوں کہ شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے (پتہ نہیں کب وہ آدمی کو گناہ کے دل دل میں پھنسا دے)

شریعت نے انسان کو پاک باز بنانے اور معصیت سے بچانے کے لئے جو پابندیاں اس پر عائد کی ہیں ان کی مزید عنوانات کے تحت تشریح کی جا سکتی ہے لیکن وہ کسی نہ کسی صورت سے مذکورہ بالا تفصیل کے تحت آجاتے ہیں، اس لئے انھیں یہاں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے اسلام فرد کی تربیت کے ساتھ معاشرہ کی اصلاح کا کیا طریقہ اختیار کرتا ہے، جس سے عفت کی زندگی گذارنے میں مدد ملے۔

---

[1] مسلم، کتاب اللباس والزینۃ ۔ ترمذی، کتاب النکاح۔

معاشرہ کی اِصلاح

ہر معاشرہ کے کچھ بنیادی مطالبات ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا افراد کے لئے ناگزیر ہوتا ہے۔ ان مطالبات سے اعراض یا مخالفت کو کوئی بھی معاشرہ برداشت نہیں کرسکتا کیوں کہ ان تقاضوں سے انحراف سوسائٹی سے بغاوت کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اگر کوئی سوسائٹی ان مطالبات سے دست بردار ہو جائے یا عوام کو ان کا پابند نہ کرسکے تو اس کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔

اسلامی معاشرہ کے بھی کچھ اساسی تقاضے ہیں جن کا پورا کرنا اس دائرہ میں رہنے والے کے لئے ضروری ہے۔ قرآن مجید نے ان تقاضوں کو مختلف مقامات پر پیش کیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا:۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ

اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے ارادہ سے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ جانتے بوجھتے

بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الممتحنہ ع ۲)

کسی پر بہتان باندھیں گی اور یہ کہ کسی بھلی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت کر لیجئے اور اللہ سے ان کے گناہوں کی معافی کی دعا کیجئے۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان احکام کا رُخ عورتوں کی طرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت مدینہ میں اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی جا رہی تھی۔ اسلامی ریاست نے بعض مصالح کے تحت اہلِ مکہ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ قریش کے کسی فرزند کو ان کی مرضی کے خلاف پناہ نہیں دے گی۔ اس لئے وہ قانوناً صرف ان خواتین ہی کو امان دینے کی مجاز تھی جو اس کے زیرِ سایہ رہنا چاہتی ہوں۔ اس پس منظر میں قرآن مجید نے ان شرائط کی توضیح کر دی جن کی پابندی کا عہد کرنے کے بعد کوئی عورت مسلم سوسائٹی کا جزو قرار پاتی ہے۔ اس مخصوص پس منظر سے قطع نظر یہ اسلامی معاشرہ کے ایسے حتمی تقاضے ہیں جن سے مرد بھی قطعاً مستثنیٰ نہیں ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

اَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اَخَذَ عَلَى النِّسَاءِ اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ اَوْلَادَنَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عورتوں سے عہد لیا تھا اسی طرح ہم سے بھی عہد لیا کہ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں اور یہ کہ ہم ایک دوسرے

وَلَا یَعْضَہَ بَعْضُنَا بَعْضًا ۔[1] پر تہمت نہ تراشیں۔

اس عہد نامہ کو دیکھ کر ہر شخص بتا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کسے کہتے ہیں؟ اس کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ وہ انسانیت کے قافلہ کو کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔؟ اور یہ کہ اس کی فضا میں کس قسم کے افراد پرورش پا سکتے ہیں۔؟ کیوں کہ معاشرہ ہی فرد کی تگ و دو کے لئے میدان فراہم کرتا ہے اور فرد اپنی ساری جد و جہد کو اس کے کھینچے ہوئے دائرے میں محصور رکھنے پر مجبور ہے اگر وہ اس سے باہر قدم رکھنا چاہے تو معاشرہ کی قوتیں اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتی ہیں۔ بلکہ مزاحم راہ اور بندشِ پا بن جاتی ہیں۔ لہٰذا معاشرہ جس قسم کے افکار و رجحانات کا حامل ہو گا اسی قسم کا کردار اُبھر کر سامنے آئے گا۔ ایک پاکیزہ ماحول اپنے اندر گندہ اطوار و عادات کو جگہ نہیں دے سکتا اور نہ کوئی معصیت پرست سوسائٹی کسی خوگرِ اخلاق کو برداشت کر سکتی ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ	(اے نبیؐ) تم لوطؑ کا واقعہ ان لوگوں کو سناؤ
اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ	جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم انتہائی
بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○	بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ تم سے پہلے اس
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ	گندے فعل کا ارتکاب کسی نے نہیں کیا
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ	تم تو اپنی شہوت رانی کے لئے عورتوں
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○	کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔
وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ	بلکہ واقعہ یہ ہے کہ) تم حد سے بڑھ جانے

[1] مسلم، کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لاھلھا۔

اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (الاعراف ع ۱۰)

والی قوم ہو۔ اور دیکھو) اس کی قوم کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ نکالو ان کو اپنی بستی سے۔ یہ تو بڑے ہی پاک باز لوگ ہیں۔

لہٰذا اگر آپ عیاشی اور بدکاری کو اپنے اور انسانیت کے لئے تباہ کن سمجھتے ہیں تو آپ کو سب سے پہلے موجودہ جرائم پرور ماحول کو بدلنا ہوگا اور ایسی فضا تیار کرنی ہوگی جس میں عفت و پاک دامنی کی نشوونما ہو سکے۔

موجودہ معاشروں کی ناکامی کی ایک اہم ترین وجہ یہی ہے کہ وہ افراد سے جن قوانین کا اتباع کرانا چاہتے ہیں خود ہی ان کی راہ کا سنگ گراں بن جاتے ہیں۔ مثلاً ہمارے زیر بحث موضوع ہی کو لے لیجئے۔ آج بھی دنیا کی بیشتر سوسائٹیوں میں زنا قانوناً ممنوع ہے۔ لیکن ہر جگہ کے افکار و عقائد، تعلیم و تربیت، تہذیب و معاشرت غرض تمام اجتماعی قوتیں اس قانون کی بے حرمتی اور پامالی پر مجبور کرنے والی ہیں۔ اس وقت کے تمدن و تہذیب کا کوئی جز ایسا نہیں ہے جس پر شہوانیت اور خواہشِ نفس کا تسلط نہ کیا گیا ہو۔ یہ فحش لٹریچر، ننگی تصاویر، عریاں لباس، عورت اور مرد کا آزادانہ اختلاط، رقص و سرود کی ہیجان انگیز محفلیں، کیا یہ سب کچھ آدمی کو باعفت زندگی گزارنے میں مدد دینے والے اسباب ہیں یا آلودۂ معصیت کرنے والے؟ ایسے گندے معاشرہ میں پاک دامنی کا مطالبہ خود ایک جرم ہے۔ جب سوسائٹی افراد پر کوئی فرض عائد کرتی ہے تو اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس فرض کی ادائیگی میں ہر طرح سے معاونت کرے ورنہ قانون کی پابندی کے مطالبہ کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا۔

اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قانون دینے سے پہلے ایسا ماحول تیار کرتا ہے جس میں اس کا نفاذ ہو سکے اور جس پر عمل درآمد افراد کے لئے ممکن ہو۔ وہ زنا کو حرام قرار دیتا اور عفت کا مطالبہ کرتا ہے تو سوسائٹی میں ایسی فضا بھی پیدا کرتا ہے جس میں معصیت کا درخت خزاں رسیدہ ہو کر رہ جائے اور جہاں باعفت و پاک دامن رہنا آسان تر اور زانی اور اوباش بنا رہنا زیادہ دشوار ہو۔

کسی نظریہ کے نفاذ کے لئے معاشرہ کے پاس تین قوتیں ہوتی ہیں۔ افکار و نظریات کی قوت، اجتماعی احساس کی قوت اور قانون کی قوت۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ اسلام، معاشرہ کو با اخلاق اور عفت شعار بنانے کے لئے اپنی ان توانائیوں کو کس طرح صرف کرتا ہے۔

نظریات کی قوت

کسی معاشرہ کی کامیابی ان نظریات میں مضمر ہوتی ہے جو اس کی قیادت کرتے ہیں۔ اگر نظریات کھوکھلے اور کمزور ہوں تو دنیا کی کوئی قوت اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ دنیا قوانین کے صدہا دفتر تیار کر چکی لیکن اس کے باوجود انسان کو بے راہ روی سے باز نہیں رکھ سکی۔ اس کے پاس وہ طاقت ہی نہیں جو آدمی کو ہر آن آئین کی زنجیریں باندھے رکھے۔

اسلام ایسے نظریات عطا کرتا ہے جو انسان کے ارادہ و عمل پر شب و روز خفیہ اور علانیہ ہر حال میں یکساں حکمرانی کرتے ہیں زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نہیں ہے جس میں ان کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہو۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ — اور چھوڑ دو خفیہ اور علانیہ ہر قسم کے گناہ

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ۔ (الانعام ع ۱۴)

کہ بلاشبہ جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں انھیں ان کی بدعملی کی سزا مل کر رہے گی۔

* * *

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (الاعراف ع ۴)

کہہ دو (اے نبیؐ) کہ میرے رب نے تو کھلے اور چھپے تمام فحش کاموں کو حرام کیا ہے۔

معصیت و فحاشی کا ظہور جس شکل اور جس رنگ میں بھی ہو اس کے جواز کی سند اسلام کی جانب سے نہیں مل سکتی کیوں کہ وہ جس نقشہ پر فرد کی تربیت اور معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے۔ اس میں گناہ کی کسی بھی صورت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے پیش نظر حیوانوں کا کوئی جنگل نہیں بسانا ہے جس میں آدمی ہر طرف چرتا چگتا اور شہوت رانی کرتا پھرے بلکہ وہ انسانوں کی ایسی بستی آباد کرنا چاہتا ہے جو انسانیت اور شرافت و اخلاق کا گہوارہ ہو۔ جو صفاتِ حسنہ اور پاکیزہ کردار کو نشو و نما دے سکے۔ وہ انسان کو انسانیت کے سانچے میں ڈھالتا ہے تاکہ اس کا ہر نقشِ پا کردار کی پاکیزگی اور حسنِ سیرت کا نشان بن جائے اور اس کے پاک انفاس سے روح کو بالیدگی اور احساسات کو جلا نصیب ہو، اور سوسائٹی اس اعلیٰ کردار کی بدولت پاسبانِ عصمت و ناموس بن جائے۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

سلیمان بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُرْمَۃُ نِسَاءِ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ کَحُرْمَۃِ اُمَّھَاتِھِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِّنَ الْقَاعِدِیْنَ یَخْلُفُ رَجُلًا مِّنَ الْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ اَھْلِہٖ یَخُوْنُہٗ فِیْھِمْ اِلَّا وُقِفَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیَاْخُذُ مِنْ عَمَلِہٖ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّکُمْ۔

نے فرمایا جو لوگ میدان جنگ میں نہ جائیں اور اپنے گھروں ہی میں رہ جائیں ان پر مجاہدین کی عورتیں ان کی ماؤں کی طرح محترم ہیں۔ جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے جو شخص کسی مجاہد کے اہل وعیال میں اس کا جانشین ہو اور وہ ان میں خیانت کرے تو قیامت کے دن اس خائن کو مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائیگا اور وہ اس کی نیکیوں سے جتنا چاہے گا لے لے گا۔ خیال کرو کہ اس وقت اس مجرم کا کیا حال ہوگا۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَھَّزَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِخَیْرٍ فَقَدْ غَزَا[2]

زید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں کسی جہاد کرنے والے کے لئے سامان جنگ فراہم کیا تو گویا اس نے بھی جہاد کیا اور جس شخص نے کسی اللہ کی راہ کے مجاہد کی اس کے اہل و عیال میں بہتر طریقہ سے جانشینی کی تو اس نے بھی

---

[1] مسلم، کتاب الامارۃ، باب حرمۃ النساء المجاہدین واثم من خانہم، ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی حرمۃ نساء المجاہدین [2] بخاری کتاب الجہاد، باب فضل من جہز غازیا اوخلفہ بخیر، مسلم کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی الخ۔

جہاد کیا۔

اخلاق کی قدر و قیمت

ظاہر ہے جس سوسائٹی کی اساس اس قدر شائستہ خیالات اور پاکیزہ جذبات پر رکھی گئی ہو۔ اس میں اخلاقی اقدار کی قدر و قیمت لازماً بڑھ جائے گی۔ عفت و عصمت، پاک دامنی و نیک سیرتی جیسی اعلیٰ صفات صرف واعظانہ مسکینی کی مظہر نہیں ہوں گی بلکہ ان میں قانون کی قوت اور سیاست کا زور پیدا ہو جائے گا اور ہر فرد ان اخلاقی خوبیوں کو اپنی عزت و آبرو کا سرمایہ سمجھے گا اور سوسائٹی میں باعزت و مفتخر رہنے کے لئے جان و مال اور خاندان و قبیلہ کی طرح ان کی حفاظت کرے گا۔

اسلامی معاشرہ فرد کے جذبۂ عفت و پاک بازی کی انتہائی قدر کرتا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

وَمَنْ طُلِبَ مِنْهُ الْفُجُوْرُ كَانَ عَلَيْهِ اَنْ يَّدْفَعَ الصَّائِلَ عَلَيْهِ فَاِنْ لَّمْ يَنْدَفِعْ اِلَّا بِالْقَتْلِ كَانَ لَهٗ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِ الْفُقَهَاءِ [1]

اگر کسی شخص سے سختی کے ساتھ بدکاری کا مطالبہ کیا جائے تو اس پر ضروری ہے کہ حملہ آور کی مدافعت کرے۔ اگر وہ دفع ہو جائے تو ٹھیک لیکن اگر سوائے قتل کے مدافعت کی اور کوئی صورت نہ ہو تو فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اسے قتل کا بھی حق حاصل ہے۔

اسلام فرد کے اس پاکیزہ جذبہ کو اس کا فطری حق سمجھتا ہے جس کی

[1] مختاراتِ علمیہ ص ۱۷۵

توہین وتحقیر کسی طرح برداشت نہیں کی جاسکتی اور اس کو مجروح کرنے کی ہر کوشش اسلامی معاشرہ کی نگاہ میں قابلِ مواخذہ اور مستحق تعزیر ہے اسی لئے اسلامی معاشرہ کسی کو یہ حق نہیں دیتا کہ دوسرے کی عصمت دری کرے اور اس کی پاک دامنی پر بٹّہ لگائے کیونکہ تہمت تراشنے والا متعلقہ فرد کی سیرت ہی پر حملہ نہیں کرتا بلکہ سوسائٹی میں اس کو جو باعزت مقام حاصل ہے اسے بھی وہ خطرہ میں ڈال رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً
وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً
اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت باندھیں اور پھر چار گواہ نہ پیش کریں تو ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو کیوں کہ ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

(النور رع ۱)

بدکاروں کی توہین

ایک طرف اسلامی معاشرہ کسی باعفت انسان کے خلاف افترا پردازی کو قانوناً جرم قرار دیتا ہے تاکہ وہ عزت ووقار کی زندگی بسر کرسکے۔ دوسری طرف وہ کسی عصمت فروش کو اپنے اندر وہ پوزیشن دینے کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہے جو ایک صالح سیرت انسان کو حاصل ہوتی ہے۔

مغربی تہذیب نے جن سوسائٹیوں کو جنم دیا ہے چوں کہ ان کی نگاہ میں اخلاقی اقدار کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ اس لئے ان میں ایک شخص انتہائی

عیاش اور غنڈہ صفت ہوتے ہوئے بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح سوسائٹی بالواسطہ افراد کی بدعملی کی ہمت افزائی کرتی رہتی ہے۔

لیکن اسلام، ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں بدکار اپنا مقام کھو دے۔ اس کی قدر و قیمت گھٹ جائے، اس کی طرف بجائے عزت کی نگاہوں کے حقارت کی نظریں اٹھنے لگیں۔ وہ سوسائٹی کا انتہائی ناپاک اور گندہ عنصر قرار پائے جس سے شریف اور باعزت افراد کنارہ کشی اختیار کرلیں اور وہ اپنے ہی جیسے کم ظرف انسانوں سے تعلقات قائم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا سوائے زانی یا مشرک کے اور یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

(النور ع ۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ وَزَیْدِ بْنِ خَالِدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْاَمَةِ اِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ قَالَ اِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا

ابوہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لونڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اگر اس کی شادی نہ ہوئی ہو اور وہ زنا کرے تو کیا کیا جائے؟ آپ نے جواب دیا اگر وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ دوبارہ زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ اور

ثُمَّ بِیْعُوْھَا وَلَوْ بِظَفِیْرٍ[1] اگر اس کے بعد بھی زنا کرے تو کوڑے
مارو اور پھر اسے بیچ دو خواہ ایک رسی کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔

تجرد کا خاتمہ کیا مجرم کی توہین و تحقیر اور اس سے کنارہ کشی کے ساتھ معاشرہ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے؟ ہرگز نہیں اس کا اصل فرض تو یہ ہے کہ بدچلن کو نیک راہ پر لے چلے۔ سرگشتۂ معصیت کو عصمت کا شیدا کر دے تاکہ اس کا ہر فرد عصمت و پاکبازی کا متا اور شائستہ زندگی کا علمبردار بن جائے۔ اور رفعتِ اخلاق کا طالب۔ جنگل کا تنہا مسافر نہ ہو بلکہ کاروانِ صلاح و تقویٰ اس کا ہم صفیر رہے۔ وہ گناہ سے دامن کش ہونا چاہے تو ہزاروں اسے بچانے والے ہوں۔ وہ معصیت کے خلاف صدا بلند کرے تو صدہا زبانیں اس کی ہم آواز ہو جائیں۔ وہ فسق و بدکاری کے مقابلہ کے لئے اٹھے تو پوری سوسائٹی اس کے لئے ڈھال بن جائے۔

قدرتی طور پر یہ ذمہ داری ہر شخص کے متعلقین پر سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔ ایک شخص جن لوگوں کو زندگی کے تمام معاملات میں قابلِ اعتماد سمجھتا ہے جن کی طرف اپنی پریشانیوں میں رجوع کرتا ہے اور جن کو اپنی کمزوری و بے بسی کا سہارا تصور کرتا ہے وہی اس بات کے مستحق ہیں کہ آدمی انھیں طلبِ عفت و عصمت میں ہاتھ بٹانے والا، نیکی کی راہ کا ساتھی اور بھلائی کے کاموں کا معاون خیال کرے۔

آپ کسی خاندان کے فرد ہوں تو آپ کا صرف یہی فرض نہیں ہے کہ وہ بھوکے ہوں تو ان کو کھانا دیں، ننگے پاؤں ہوں تو پوشاک فراہم کریں۔ بے گھر ہوں تو مکان کا

---

[1] بخاری، کتاب المحاربین۔ باب اذا زنت الامۃ۔

انتظام کریں بلکہ یہ بھی آپ کی ذمہ داری ہے کہ ان کو اخلاقی گراوٹ سے بچائیں ان کے نفسیاتی امراض کا علاج کریں اور ان کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا سامان فرمائیں۔ جس بچہ کے بدن پر ایک ادنیٰ چوٹ آپ دیکھنا پسند نہیں کرتے کیا اس کا صفاتِ رذیلہ میں گرفتار ہو جانا آپ کو گوارا ہے؟

قرآن مجید نے اس فطری حق کو حسب ذیل الفاظ میں یاد دلایا ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ	تم میں سے جو بے شادی شدہ ہوں ان کا
وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ	نکاح کرو اور اپنے صالح غلاموں اور
وَاِمَآئِكُمْ۔ (النور ع ۴)	لونڈیوں کا بھی۔

اس حکم کو فقہی زبان میں جس اصطلاح سے بھی تعبیر کیا جائے اور اس کے مخاطب خواہ اولیاء و سرپرست ہوں یا حکومت و ریاست، اس آیت کا واضح مطالبہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی شخص تجرد کی زندگی نہ گذارنے پائے تاکہ اسے اپنے نفس کی تشنگی کو ختم کرنے کے لئے ناجائز صورتیں نہ تلاش کرنی پڑیں۔

اس آیت میں مسلم معاشرہ کے مرد اور عورت، لونڈی اور غلام سب ہی اصناف شامل ہیں۔ دورِ اول کی اسلامی سوسائٹی ان تمام طبقات کے صنفی مطالبات کی تکمیل کا انتظام کرتی تھی۔

مشہور تابعی احنف کہتے ہیں کہ تین معاملات ایسے ہیں جن میں کسی قسم کی تاخیر نہیں کی جا سکتی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سے معاملات ہیں تو جواب دیا! عملِ صالح کی انجام دہی، میت کو سپرد خاک کرنا اور کسی ناکتخدا کے لئے مناسب بَر مل جانے پر اس کی شادی کرنا۔

فرماتے تھے میرے گھر کے کسی کونے میں اژدھے کا پایا جانا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ کسی بے شوہر عورت کے لئے اس کے ہم مرتبہ مرد کی جانب سے پیغام آئے اور میں اسے رد کر دوں۔ [1]

شداد بن اوسؓ اپنے اعزہ سے فرماتے ہیں، میری شادی کا انتظام کرو۔ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں بے شادی شدہ رہ کر خدا سے ملاقات نہ کروں۔ [2]

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اپنے غلاموں کو شادی کی پیش کش کرتے تھے اور فرماتے تم میں سے جو شادی کرنا چاہے میں اس کی شادی کرانے کے لئے تیار ہوں (یاد رکھو) تجرد کی زندگی بسر کرنے میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور زنا کی خباثت کا یہ حال ہے کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو اللہ تعالے اس کی گردن سے ایمان کا قلاوہ نکال دیتا ہے اگر وہ چاہے تو دوبارہ یہ قلاوہ پہنائے اور نہ چاہے تو نہ پہنائے۔" [3]

امام نخعیؒ کہتے ہیں "سلف اپنے غلاموں کو نکاح پر مجبور کرتے تھے۔ (اگر وہ نکاح کے لئے آمادہ نہ ہوتے تو) ان کو مکانات میں بند کر دیتے تھے۔" [4] (تاکہ معاشرہ کے بگاڑ کا سبب نہ بنیں)

اسلامی معاشرہ میں یہ صرف افراد ہی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ریاست کے

---

[1] البیان والتبیین ج ۲ ص ۳۰۲ [2] احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۳۵۲۔

[3] المحلی لابن حزم ج ۱۱ ص ۱۲۱۔

[4] تفسیر قرطبی ج ۱۲ ص ۲۴۱۔

فرائض میں بھی شامل ہے کہ وہ متعففانہ زندگی گزارنے میں مدد دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

السلطان ولی من لا ولی	جس عورت کا کوئی سرپرست نہ ہو۔
لہ۔ [1]	حاکم وقت اس کا سرپرست ہے۔

آپؐ نے حضرت علیؓ کو تین باتیں یاد رکھنے کا حکم دیا۔ نماز اپنے وقت پر ادا کرو۔ کسی کا انتقال ہو تو اس کے کفن دفن میں تاخیر نہ کرو۔ کسی بے شادی شدہ کو مناسب شریک حیات مل جائے تو شادی میں جلدی کرو۔ [2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گورنر کوفہ زید بن عبدالرحمٰن کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

تم نے لکھا ہے کہ فوج کو تنخواہ دینے کے بعد بھی تمہارے پاس مال بچا ہوا ہے۔ پس اس مال کے ذریعہ ان میں سے جو شخص حقیقی ضروریات کے تحت مقروض ہو گیا ہو اس کا قرض ادا کرو اور جو لوگ ادائیگی مہر سے قاصر ہوں ان کو مہر دو۔ [3]

چار بیویاں رکھنے کی اجازت

عمر کی ایک خاص حد تک مرد کے اندر جنسی جذبات پوری شدت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں لیکن عورت بار بار ایسے حالات سے گزرتی رہتی ہے جن میں اس کے جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں اور بعض حالات میں تو یہ حالات

---

[1] ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابواب النکاح [2] ترمذی کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی الوقت الاول من فضل [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز تالیف عبداللہ بن عبدالحکم المتوفی ۲۱۴ھ۔

لمبے عرصہ تک اس پر طاری رہتے ہیں۔ اس لئے وہ ہر وقت مرد کی جنسی خواہش پوری نہیں کر سکتی اس وجہ سے اسلامی معاشرہ مرد کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ چار تک بیویاں رکھے۔ یہ حق عیاشی کے لئے نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ مرد اپنی جنسی خواہش کی تسکین کے لئے بعض اوقات ایک سے زائد جائز ذرائع کا محتاج ہوتا ہے۔

لیکن شریعت کے اس حق سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ مرد بیویوں کے درمیان ان تمام معاملات میں عدل و مساوات کا پابند رہے جو اس کے بس میں ہیں۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے :۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء ع ۱)	پس جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار سے نکاح کرو اور اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ تم ان کے ساتھ عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک پر اکتفا کرو یا لونڈیوں پر

علامہ ابن الہمام حنفی نے اس آیت کے قانونی پہلو پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی :۔

فاستفید نا ان حل الاربع مقید بعدم خوف عدم العدل وثبوت المنع عن الکثر من واحدة عند خوفه	اس سے معلوم یہ ہوا کہ چار عورتیں اس شرط کے ساتھ حلال ہیں کہ ان کے ساتھ ناانصافی کا خوف نہ ہو لیکن اگر اس کا خوف ہو تو ایک سے زائد شادی کرنا

فعلم ایجابہ عند تعددھن[۱] ممنوع ہے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ متعدد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ انصاف ضروری ہے۔

علامہ بدر الدین کاشانی فرماتے ہیں:۔

لو کانت تحتہ امرأتان حرتان او امتان یجب علیہ ان یعدل بینھما فی الماکول والمشروب والملبوس والسکنیٰ والبیتوتۃ۔[۲]

اگر خاوند دو آزاد عورتیں یا دو لونڈیاں رکھتا ہو تو اس کے لئے واجب ہے کہ ان دونوں کے درمیان غذا، لباس، مکان اور شب باشی میں عدل اور برابری کا سلوک کرے۔

عورت کے لئے عقدِ ثانی کا حق

عورت کے طبعی حالات مرد کے طبعی حالات سے مختلف ہیں اس لئے اسلام یہ تو صحیح نہیں سمجھتا کہ ایک عورت کے بہت سے شوہر ہوں۔ البتہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ وہ تسکینِ نفس کے جائز ذریعہ سے کبھی محروم نہ رہے۔ چنانچہ وہ اس کے نکاح کی اتنی ہی شدت سے تاکید کرتا ہے جتنی شدت سے کہ مرد کے نکاح پر زور دیتا ہے اور اگر بیوگی یا طلاق اور خلع نے اس کو شوہر سے الگ کر دیا ہے تو معاشرہ کو ترغیب دیتا ہے کہ فوراً اس کا دوسرا نکاح کر دے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے دور میں بڑی آسانی سے عورتوں کا عقدِ ثانی ہو جاتا تھا۔

عاتکہ بنت زید کی شادی حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ

---

[۱] فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۶ [۲] بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۲

سے ہوئی بعض اسباب کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ عبداللہ نے اپنے والد کے مشورہ پر بیوی کو طلاق دے تو دی لیکن ان کو اس اقدام کا سخت افسوس تھا کیوں کہ وہ عاتکہ کو بہت چاہتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ کا رجحان دیکھا تو دوبارہ نکاح کی اجازت دے دی اور عبداللہ نے اس پر عمل کیا لیکن طائف کی جنگ میں ان کی شہادت پیش آئی۔ اس کے بعد بعض روایات کے مطابق زید بن خطاب نے عاتکہ سے نکاح کر لیا۔ جب وہ یمامہ میں شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت زبیر سے ان کی شادی ہوئی۔ حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا لیکن خود ہی انھوں نے انکار کر دیا۔

سہیلہ بنت سہیل کا نکاح یکے بعد دیگرے چار اصحاب حضرت حذیفہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ بن الاسود اور شماخ بن سعید سے ہوا۔

اسی طرح عبداللہ بن اُبَیْ کی لڑکی جمیلہ کا عقد حضرت حنظلہ سے ہوا۔ وہ احد میں شہید ہو گئے تو ثابت بن قیس نے ان سے شادی کی ثابتؓ کے بعد مالک بن دخشم نے اور آخر میں حبیب بن لیساف کے عقد میں وہ آئیں۔

اسماء بنت عمیس کی پہلی شادی، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ سے ہوئی، ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا۔

حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم حضرت عمرؓ سے بیاہی گئیں حضرت عمرؓ شہید ہو گئے تو عون بن جعفرؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ عون کی وفات کے

بعد ان کے بھائی عبداللہ نے ان سے نکاح کر لیا [1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں عورت کے لئے نکاح ثانی کے معیوب یا ناپسندیدہ ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا جیسا کہ ہندو مذہب یا دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے خواتین کے ایک سے زاید نکاح بکثرت ہوئے ہیں۔ ہم نے کسی خاص چھان بین اور تلاش کے بغیر چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں ورنہ اس طرح کے واقعات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں ان کی تفصیل بھی دشوار ہے۔

فسخ نکاح کا اختیار

اسلام کے نزدیک نکاح کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ انسان کو عفت کی زندگی گزارنے میں مدد ملے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک اس قابل ہو کہ دوسرے کا جنسی مطالبہ پورا کر سکے۔ اس لئے اسلام زوجین کو یہ حق دیتا ہے کہ فریق ثانی میں اس کی صلاحیت نہ ہو تو ازدواجی بندھن سے کٹ جائے۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابہ و تابعین کی رائے میں جنسی نقص ہی نہیں بلکہ برص، جذام، اندھاپن اور جنون بھی ایسے عیوب ہیں جن کی بنا پر زوجین کو ایک دوسرے سے جدا ہونے کا اختیار ہے۔ [2]

---

[1] ان مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو، ابن سعد کی طبقات اور ابن عبدالبر کی الاستیعاب فی اسماء الاصحاب میں متعلقہ صحابیات کا تذکرہ [2] السنن الکبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۲۱۵ ۲۱۴ حنفیہ کے نزدیک خاوند کو اگر جذام یا برص کی قسم کا کوئی عیب ہو تو بیوی کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں ہے البتہ اگر خاوند مقطوع الذکر عنین یا خصی ہو تو اس کو تفریق کے مطالبہ کا حق ہے (بقیہ ص ۴۰۲ پر ملاحظہ ہو)

امام ابن قیمؒ نے ان عیوب پر دوسرے عیوب کو بھی قیاس کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

أما الاقتصار على عيبين او ستة او سبعة او ثمانية دون ماهو اولى منها مساوٍ لها فلا وجه له والقياس ان كل عيب ينفر الزوج الآخر منه ولا يحصل به مقصود النكاح من الرحمة والمودة يوجب الخيار[1]

دو یا چھ یا سات یا آٹھ عیبوں پر انحصار کرنا اور ان سے بڑے بڑے یا ان کے برابر کے عیوب کو شمار نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا قیاس یہ کہتا ہے کہ ہر اس عیب پر علیحدگی کا اختیار ملنا چاہیے جو میاں بیوی میں سے ایک کو دوسرے سے متنفر کرے اور جس کی وجہ سے باہمی رحمت و مودت ختم ہو جائے جو نکاح کا مقصود ہے۔

جائز رشتوں کا احترام

ایک طرف اسلام ان رشتوں کو توڑنے اور ختم کرنے کی آزادی دیتا ہے جن سے عفت کی زندگی گذارنے میں مدد نہ ملے دوسری طرف وہ ایسے رشتوں کو مستحکم کرنے اور حتی الوسع ان سے چمٹے رہنے کی تعلیم دیتا ہے جو طلب عفت میں معاون ہوں کیوں کہ جب تک یہ رشتے مضبوط نہ ہوں اور ان کی عظمت اور احترام دلوں میں بیٹھ نہ جائے اس وقت تک وہ ذہنیت نہیں مٹ سکتی جو آدمی کو ہر وقت ایک نئے دلبر کی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہے۔ آج جو لوگ بدکار و بدچلن ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ جنسی آسودگی کے لئے جائز ذرائع رکھتے ہوں لیکن وہ ان کو ایسے ذرائع سمجھتے ہیں جو جذبات

(بقیہ ص۴۰۱) فقہی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" ج ۴ ص۱۸۰ تا ص۱۸۹

[1] زاد المعاد ج ۴ ص۴۳۔

کی آگ بجھانے کے لئے ہر وقت ان کے قبضہ میں ہیں ۔ وہ اس تصور ہی سے نا آشنا ہیں کہ ان مخصوص طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے نفسانی خواہشات کی تسکین صحیح نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جنسی محبت کا مرکز آج ایک ہے تو کل دوسرا ہو سکتا ہے ۔ راستہ چلتے وقت کسی غنڈہ کو دھتکارتے ہوئے کوئی شخص جتنا پس و پیش کرتا ہے اتنا غور و فکر بھی وہ اپنے رفیقِ حیات کو جدا کرتے ہوئے ضروری نہیں سمجھتے ۔

اسلام اس ذہنیت کا دشمن ہے ۔ وہ سختی کے ساتھ اسے بدلنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اس کے نزدیک نکاح ایک قابلِ احترام عہد و پیمان ہے، وہ اس لئے نہیں باندھا جاتا ہے کہ آدمی جب تک چاہے حظِ نفس اٹھاتا رہے اور جب چاہے توڑ پھینکے ۔ اگر نکاح اتنا ہی بے وقعت تعلق ہے تو اس میں اور کھلی کھلی حرام کاری میں کیا فرق ہے ؟ ایک شخص جو ہر دن نئے نکاح اور نئے تعلق کی ضرورت محسوس کرتا ہو آخر اس میں اور اس شخص میں کیا وجہ امتیاز ہے جو اپنی صنفی بھوک کو ختم کرنے کے لئے کسی بیسوا کے کوٹھے کی طرف رجوع کرتا ہے ؟

اس ناپاک جذبہ کے خلاف اسلام کی تعلیمات بہت ہی سخت ہیں ۔ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ ۔ [1]	جو عورتیں بلا وجہ اپنے شوہروں سے طلاق و خلع کا مطالبہ کرتی ہیں وہ منافق ہیں ۔

---

[1] نسائی ، کتاب الطلاق ، باب ماجاء فی الخلع ۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا :-

اَیُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ [۱]	جو عورت بلا کسی حقیقی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔

ایک تیسری حدیث ہے :-

اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَمَّا قَضٰى حاجته طَلَّقَهَا وَذَهَبَ بِمَهْرِهَا [۲]	اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور جب اپنی خواہش پوری کرلے تو اسے طلاق دے دے اور ساتھ ہی اس کا مہر بھی کھا جائے۔

جائز حدود میں قائم ہونے والے تعلقات کا احترام صرف فرد ہی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ معاشرہ بھی اس کا پابند ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب سوسائٹی ناپسندیدہ تعلقات کی مذمت کرتی ہے تو جائز رشتوں کی توقیر و عزت بھی اس کا فرض ہے۔ چنانچہ وہ ایک شرعی رشتہ کو پوری سوسائٹی کے لئے ماں کی طرح محترم قرار دیتا ہے۔ جب تک قانون کی قینچی اس رشتہ کو کاٹ نہ دے کسی کو اس حرمت کے توڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے "شادی شدہ عورتیں تم پر حرام ہیں۔" اس حرمت کو ختم کرنے والی ہر کوشش اسلام کی نگاہ میں انتہائی مبغوض اور سخت ناپسندیدہ ہے۔

---

[۱] ترمذی، ابواب الطلاق واللعان۔ باب ماجاء فی المختلعات، ابن ماجہ ابواب الطلاق، باب کراھیۃ الخلع للمرأۃ۔ [۲] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۸۲

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ[1]

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے خاوند سے برگشتہ کردے یا کسی غلام کو اس کے آقا سے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں " اگر کوئی شخص کسی کی بیوی سے خود نکاح کرنے یا کسی دوسرے سے نکاح کرانے کے لئے اس کے شوہر کو قتل کر دیتا ہے تو خواہ عورت اس سازش میں شریک ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اصول دین اور اس کی رُوح کا تقاضا یہ ہے کہ متعلقہ شخص کو حقِ نکاح سے محروم کر دیا جائے "[2]

اجتماعی احساس

انسان اپنے ماحول پر اثر انداز ہوتا ہے اگر اس کی زندگی میں کردار کا نور ہے تو اس سے بہت سی زندگیاں تب و تاب حاصل کرتی ہیں اور اگر وہ بُرا ہے تو اس کی بُرائی بھی اس کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے ماحول میں پھیلتی ہے۔ اس طرح انسان اپنی سیرت و کردار سے دوسروں کو بناتا بھی ہے اور بگاڑتا بھی ہے اس لئے جب تک ہر شخص یہ نہ محسوس کرے کہ وہ سوسائٹی کی سیرت و کردار کا محافظ اور نگراں ہے اس وقت تک اخلاق کی دنیا آباد نہیں ہو سکتی۔

اسلام فرد کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ تم سوسائٹی کے معمار ہو۔ تمہارا کام صرف اپنی سیرت کی تعمیر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی اصلاح بھی ہے نہیں

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی من خبب امرأۃ علی زوجہا [2] اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل المطبوع مع الفتاوی ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

اپنے ماحول میں با اخلاق ہی نہیں بلکہ معلم اخلاق بن کر رہنا ہے۔ تمہارا فرض صرف اپنے کردار ہی کو بلند کرنا نہیں ہے بلکہ دوسروں کو پستیٔ کردار سے بچانا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے :-

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ [1]

سن لو تم میں کا ہر شخص نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام جو لوگوں کا حاکم ہوتا ہے وہ نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اور اس مال کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا (دوبارہ) سن لو تم میں سے ہر ایک شخص نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

سوسائٹی کا دباؤ بہت سخت ہوتا ہے۔ اگر وہ اخلاق کی تخریب کی اجازت نہ دے تو کوئی شخص اس کی ہمت نہیں کر سکتا لیکن اگر سوسائٹی کی مجموعی فضا

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ الخ

خراب ہو تو ہر طرف سے فسق و فجور کا سیلاب امنڈ پڑتا ہے اور اخلاق و سیرت کے چشمے خشک ہونے لگتے ہیں۔

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کی اخلاقی حس کو اس قدر بیدار کرتا ہے کہ وہ کسی معمولی سی بداخلاقی کو بھی برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی۔

ایک عورت خوب عطر اور خوشبو لگائے راستہ سے گزر رہی تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اسے دیکھ لیا۔ پوچھا کیا مسجد سے آرہی ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے دوبارہ سوال کیا، کیا مسجد جانے ہی کے لئے تم نے یہ خوشبو استعمال کی تھی؟ عورت نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد جائے اللہ تعالیٰ اس کی نماز نہیں قبول کرتا جب تک کہ وہ پورے اہتمام سے اس طرح غسل نہ کرے جیسے جنابت سے غسل کیا جاتا ہے[1]

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِ درداء رضؓ کو حمام سے آتے دیکھا تو ان کو حمام جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ کپڑے اتارتی ہے وہ اس پردے کو چاک کرتی ہے جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے۔[2]

اسلام انسان کی یہ ذمہ داری سمجھتا ہے کہ جن لوگوں سے اس کے سماجی و

---

[1] ابوداؤد، کتاب الرجل، باب فی طیب المرأۃ للخروج

[2] مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۲

رحمی اور معاشرتی تعلقات ہوں۔ وہ ان کی اخلاقی نگرانی بھی کرے، یہ تعلقات جتنے گہرے اور مضبوط ہوں انسان کی ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نزدیک اپنے کسی عزیز کی عصمت دری انسان کی سیاہ کاریوں کی بدترین مثال ہے۔ بعض فقہاء ایسے شخص کی سزا قتل سے کم نہیں سمجھتے۔ [1]

یہی حال پڑوسی کی عورت کی عصمت پر دست درازی کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں :۔

قال رجل یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو اللہ ندًا وھو خلقک قال ثم ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک قال ثم ای قال ان تزنی حلیلۃ جارک۔ [2]

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے حالاں کہ تنہا اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ اس نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے بچہ کو اس خوف سے قتل کردے کہ وہ تیری روزی میں شریک ہو جائیگا (اور تجھ کو بھوکا رہنا پڑے گا) اس نے پھر سوال کیا کہ ان دونوں گناہوں کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

زنا ہر حال میں ایک جرم ہے اور انتہائی گھناؤنا جرم ہے لیکن جب اس کا

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۲۷۲۔

[2] مشکوٰۃ، کتاب الایمان بحوالہ بخاری و مسلم۔

ازنکاب ایسا کوئی شخص کرے جسے سب سے زیادہ عفت پناہ ہونا چاہیئے تو اس جرم کی شناعت بھی دس گنا بڑھ جاتی ہے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا۔ زنا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ خدا اور اس کے رسول نے اس کو حرام کیا ہے اور وہ قیامت تک حرام ہی رہے گا۔ آپ نے فرمایا دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنا نسبتاً ہلکا جرم ہے۔ اس سے کہ انسان اپنے پڑوسی کی بیوی کا دامنِ عفت چاک کرے۔[1]

اسلامی قانون

آیئے اب اسلامی قانون کا جائزہ لیں کہ وہ سوسائٹی کو کس طرح جنسی بے راہ روی سے بچاتا ہے۔

(۱) محارمِ ابدیہ

انسان پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے ماں باپ بھائی بہن اور دوسرے قریبی عزیزوں سے آشنا ہوتا ہے۔ یہ انسان کا قریب ترین ماحول ہے جس میں وہ پڑھتا اور نشوونما پاتا ہے۔ اس ماحول کو وہ اپنی جد وجہد سے نہیں پیدا کرتا بلکہ یہ فطری طور پر اس کو ملتا ہے۔ اگر اس ماحول کو اس سے چھین لیا جائے تو وہ کوئی ایسا ماحول نہیں پیدا کر سکتا جو اس کا بے لوث خادم ہو جو اس کے رنج و راحت اور خوشی اور غم کو اپنا رنج و راحت اور خوشی اور غم سمجھے، جو زندگی کے تمام مراحل میں اس کا حقیقی معاون اور مددگار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انسان غیر شعوری طور پر اپنے اس قریبی ماحول کو ایسی مدد سمجھتا رہا ہے جو اس کی ساخت و پرداخت اور پرورش کے لئے غیب سے فراہم کی جاتی ہے۔

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۸ ۔

اس احساس نے اس ماحول کو ایک مقدس حرم کی حیثیت دے دی اور اس کے ساتھ انتہائی عقیدت اور محبت کے جذبات وابستہ ہوگئے۔

اس کا ایک بڑا فائدہ یہ نکلا کہ انسان جس دائرہ میں شب و روز رہتا اور زندگی گزارتا ہے وہ اخلاقی خرابیوں سے بڑی حد تک محفوظ ہوگیا ورنہ اس دائرہ میں میل جول اور اختلاط کی کثرت کی وجہ سے ہر طرح کی بے راہ روی کے امکانات پائے جاتے ہیں۔

اسلام نے ان امکانات کو اور بھی گھٹا دیا ہے۔ اس نے قانون کے ذریعہ ان افراد کے درمیان جنسی تعلق کو ممنوع قرار دیا جو فطری طور پر ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ اس نے ان افراد کا تعین بھی کر دیا جن سے جنسی تعلق جائز نہیں ہے تاکہ نہ تو کوئی تقشف پسند ایسے افراد کو ان میں شامل کردے جن سے جنسی تعلق رکھنے میں کوئی معقول رکاوٹ نہیں ہے اور نہ کسی اباحت پسند کو یہ موقع ملے کہ وہ اس دائرہ کو بھی اپنی ہوس رانی کا نشانہ بنالے جسے جنسی آوارگیوں سے پاک ہونا چاہیے۔

(۲) خفیہ تعلقات کی ممانعت اس مخصوص دائرہ سے باہر وہ صنفی روابط قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آدمی ان تمام ذمہ داریوں کے اٹھانے کا عہد کرے جو ان تعلقات سے لازمی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ یہ تعلقات برملا اور معاشرہ کی آنکھوں کے سامنے وجود میں آئیں تاکہ معاشرہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں فرد کی دست گیری

کرے اور اگر فرد ان کی انجام دہی سے گریز کرے یا تساہل برتے تو اس سے مواخذہ کرسکے۔

قرآن مجید نے جہاں جنسی تعلقات سے بحث کی ہے وہاں اس بات کی صاف تصریح کردی ہے۔

وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ۔ (النساء)	اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔
وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ۔ (المائدہ)	اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے۔

آدمی ان تعلقات کو پوشیدہ اسی لئے رکھنا چاہتا ہے تاکہ سوسائٹی کا کوئی دباؤ اس پر نہ پڑے اور وہ ماحول کی عائد کردہ بندشوں سے بالکل آزاد رہے کیوں کہ یہ بندشیں اس کی بے راہ روی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان کے ٹوٹ جانے کے بعد وہ ہر وادی میں بھٹک سکتا ہے اور ان تعلقات اور ان کے نتائج کو جس رنگ میں چاہے بدل سکتا ہے۔ اسلام انسان کو اسی آوارگی سے بچانے کے لئے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے اس تعلق کو خفیہ نہ رکھے بلکہ اس کا اعلان کرے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک ایسا نکاح زیر بحث آیا۔ جس کی گواہی دینے والے صرف ایک مرد اور ایک عورت تھے تو آپ نے فرمایا، یہ خفیہ نکاح ہے۔ اسے میں جائز نہیں کرسکتا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکرؓ کا کوئی اسوہ میرے سامنے ہوتا تو میں راس تعلق کو زنا کے حکم میں شامل کر کے، رجم کرتا۔[1]

---

[1] موطا امام مالک، کتاب النکاح، باب جامع مالا یجوز۔

(۳) بیسوائی کے پیشہ پر قدغن

جنسی تعلقات کے سلسلہ میں جائز حدود پر اصرار کرنے کے لئے لازمی ہے کہ بدکاری پر آمادہ کرنے والے محرکات کو معاشرہ سے ختم کیا جائے اور ایسی تمام راہیں بند کردی جائیں جو فکروعمل کی آوارگی کا سبب بنتی ہیں، اس کے بغیر انسان کا صحیح راہ پر قائم رہنا دشوار ہے۔ کبھی نہ کبھی ناپاک طریقوں پر اس کے قدم پڑ ہی جائیں گے۔

اس مقصد کے لئے اسلام، معاشرہ کو بیسوائی کی گندگی سے پاک کرتا ہے۔ وہ اس شاخ ہی کو کاٹ پھینکتا ہے جس پر منحوس پرندے اپنے آشیانے تعمیر کرتے ہیں۔

عرب جاہلیت کی تہذیب نے باقاعدہ زنا کے اڈّے قائم کر رکھے تھے جہاں شہوت رانی کی تمام سہولتیں مہیا تھیں۔ سرمایہ دار اپنی لونڈیوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنی عصمت کی قیمت سے ان کے حرص و آز کی بھوک مٹائیں۔

قرآن مجید نے اس ذلّت آمیز کاروبار کو یک قلم ممنوع قرار دے دیا۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ	دنیوی زندگی کے (حقیر) ساز و سامان
عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا	کے حاصل کرنے کے لئے اپنی لونڈیوں کو
لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ عفت کی
(النور ع ۴)	زندگی گزارنا چاہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ گو مالک صراحتاً لونڈی کو عصمت فروشی کا حکم نہیں دیتا لیکن اس پر اتنی بھاری رقم کی ادائیگی لازم کردیتا کہ بیچاری کسی جائز

طریقہ سے اس کو ادا نہیں کر پاتی۔ اس لئے اپنا جسم فروخت کرنے پر مجبور ہوتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کے اس ظالمانہ حق کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اور بتایا کہ وہ لونڈی کو حدودِ عفت میں رکھتے ہوئے کوئی بھی کام کرانے سے اور اس کی اجرت کھانے کا مجاز ہے۔

رافع بن رفاعہؓ کہتے ہیں:۔

نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَسْبِ الْأَمَةِ اِلَّا مَا عَمِلَتْ بِيَدِهَا وَقَالَ هٰكَذَا بِأَصَابِعِهٖ نَحْوَ الْخُبْزِ وَالْغَزْلِ وَالنَّفْشِ ؎۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کی "کمائی" کھانے سے منع کیا اِلّا یہ کہ وہ اپنے ہاتھ سے کوئی خدمت کرکے کمائے اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرکے فرمایا۔ مثلاً روٹی پکانا، کاتنا اور روئی دھنکنا۔

رافع بن خدیجؓ کی روایت ہے:۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَسْبِ الْأَمَةِ حَتّٰى يُعْلَمَ مِنْ أَيْنَ هُوَ ؎۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کی کمائی کھانے سے منع فرمایا جب تک کہ قطعی طور پر یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اُس نے کس طریقے سے کمایا ہے۔

دورِ جاہلیت میں حرام کاری کے پیشہ کے لئے لونڈیاں مخصوص تھیں۔ اس لئے مذکورہ بالا آیت و احادیث میں ان کو اس پیشہ سے باز رکھنے کا حکم دیا

؎۱ ابوداؤد، کتاب البیوع باب فی کسب الاماء، ؎۲ ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی کسب الاماء۔

گیا ہے۔ لیکن اگر نئی تہذیب کی روشنی "شریف و مہذب" بیٹیوں سے یہ تجارت کراتی ہے تو اسلام کی تعلیمات اس کے بھی ناپاک و حرام ہونے کا اعلان کرتی ہیں اسلام کسی کام کے کرنے والے کی شکل وصورت، حیثیت و مرتبہ اور خاندان و قبیلہ سے نہیں بلکہ کام کی نوعیت سے بحث کرتا ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دوسرے مواقع پر عام الفاظ میں بیسوائی کی آمدنی کو جائز قرار دیا ہے۔

حضرت مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں:۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَہْرِ الْبَغِیِّ [1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور بیسوائی کی آمدنی سے فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا۔

ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں:۔

مَہْرُ الْبَغِیِّ خَبِیْثٌ [2]	زانیہ کی آمدنی گندی اور ناپاک ہے۔

اس "کاروبار" کے خلاف اسلامی علوم کے محققین کی رائے کتنی سخت ہے۔ اس کا اندازہ آپ امام ابن تیمیہ کی حسب ذیل تصریح سے کر سکتے ہیں۔

فَاَمَّا اِذَا کَانَ ھُوَ یُرْسِلُھَا لِتَبْغِیَ وَتُنْفِقَ عَلٰی نَفْسِھَا مِنْ مَہْرِ الْبِغَاءِ اَوْ یَاْخُذُ ھُوَ	اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو زنا پر بھیجتا ہے تاکہ کمائے اور اپنے آپ پر خرچ کرے یا وہ خود اس کمائی میں شریک ہوتا ہے ایسے شخص

---

[1] بخاری، کتاب الاجارة، باب کسب البغی والاماء، مسلم کتاب المساقاة والمزارعة۔

[2] ابوداؤد، باب فی کسب الحجام، ترمذی، ابواب البیوع، باب ثمن الکلب۔

شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَهٰذَا مِمَّنْ
لَعَنَهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَهُوَ
فَاسِقٌ خَبِيْثٌ اٰذِنٌ فِى الْكَبِيْرَةِ
وَاٰخِذٌ مَهْرَ الْبَغِيِّ وَلَمْ
يَنْهَهَا عَنِ الْفَاحِشَةِ وَمِثْلُ هٰذَا
لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُعَدَّلًا
بَلْ لَا يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ
بَلْ يَسْتَحِقُّ الْعُقُوْبَةَ الْغَلِيْظَةَ
حَتّٰى يَكُوْنَ اِمَارَةً وَاَقَلُّ
الْعُقُوْبَةِ اَنْ يُّهْجَرَ فَلَا يُسَلَّمَ
عَلَيْهِ وَلَا يُصَلّٰى خَلْفَهٗ اِذَا
اَمْكَنَتِ الصَّلٰوةُ خَلْفَ غَيْرِهٖ
وَلَا يُسْتَشْهَدَ وَلَا يُوَلّٰى وِلَايَةً
اَصْلًا وَمَنِ اسْتَحَلَّ ذٰلِكَ فَهُوَ
كَافِرٌ مُرْتَدٌّ يُسْتَتَابُ فَاِنْ
تَابَ وَاِلَّا قُتِلَ وَكَانَ مُرْتَدًّا
لَا تَرِثُهٗ وَرَثَتُهُ الْمُسْلِمُوْنَ
وَاِنْ كَانَ جَاهِلًا بِالتَّحْرِيْمِ
عُرِّفَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُوْمَ عَلَيْهِ

پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت بھیجی ہے
وہ فاسق و بدکردار ہے (کیوں کہ) اس نے
ایک بہت بڑے گناہ کی اجازت دے رکھی
ہے اور ایک فاحشہ کی آمدنی حاصل کر رہا
ہے اور اسے اس فحاشی سے باز نہیں رکھتا
ایسے شخص کو قانوناً ساقط الاعتبار سمجھا
جائے بلکہ اسے مسلمانوں کے اندر رہنے ہی
نہ دیا جائے - ایسا بدکردار انتہائی سخت سزا
کا مستحق ہے یہاں تک کہ وہ اپنی لونڈیوں کو
اس پیشہ سے باز رکھے - اس کی کم سے کم یہ
سزا ہو سکتی ہے کہ اس سے تعلقات منقطع کر لئے
جائیں۔ اس کو سلام نہ کیا جائے اس کے پیچھے
نماز نہ پڑھی جائے بشرطیکہ کوئی دوسرا امام
مل سکتا ہو اس کو گواہ نہ بنایا جائے اور
اس کو قطعاً کوئی عہدہ نہ دیا جائے - اگر وہ
اس کو حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر اور مرتد ہے
اس سے توبہ کرائی جائے گی اگر وہ توبہ کر لے
تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا - اس کے
ارتداد کی وجہ سے اس کے مسلم ورثاء اس کے

الْحُجَّةُ فَإِنَّ هٰذَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ الْمُجْمَعِ عَلَيْهَا۔ ؎

مال کے وارث نہیں ہوں گے۔ اگر اس کو حرمت کا علم نہ ہو تو بتایا جائے گا تاکہ حجت پوری ہو جائے (اور پھر اس کے ساتھ اوپر والا معاملہ کیا جائے گا) کیوں کہ یہ ایسا فعل ہے جس کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

(۴) آزادانہ اختلاط پر پابندی

آدمی بیسواؤں کے کوٹھوں اور معصیت کے مراکز سے آنکھیں بچا کر آگے بڑھ سکتا ہے لیکن جہاں پورے معاشرہ کو بدکاری کے اڈے میں تبدیل کر دیا گیا ہو وہاں وہ کس طرف بھاگے؟ اپنے اخلاق و کردار کی تربیت کے لئے کون سی دنیا آباد کرے؟ آج حال یہ ہے کہ ایک شخص خواہ بازار کا تاجر ہو یا کارخانہ کا ملازم، کالج کا طالب علم ہو یا آفس کا کلرک، وہ کسی ہوٹل میں بیٹھا ہو یا پارک میں سیر و تفریح کر رہا ہو، ہر جگہ صنف مقابل معصیت کا پیغام لئے موجود ہوتی ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں موجودہ تہذیب نے عورت اور مرد کے ایک ساتھ عمل دخل کو لازم نہ کر دیا ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس یکجائی کو اس قدر رنگین و جاذب بنا دیا ہے کہ قدم قدم پر نگاہیں بھٹکنے لگتی ہیں اور عزم و ارادہ جواب دینا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ پر جنسی بھوک اور فاقہ کی کیفیت طاری ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شہوانیت ہر طرف بھیک کا پیالہ لئے گھوم رہی ہو۔۔۔!

جب تک عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کو ختم نہیں کیا جاتا معاشرہ

؎ فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۴۵۔

اس کیفیت سے نجات نہیں پا سکتا۔ آگ اور روئی کا اتحاد ہمیشہ تباہی کا سبب بنا ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے حدودِ کار بالکل جدا رکھے ہیں۔ اس لئے ایسے معاشرہ میں میل جول کے مواقع بہت کم آسکتے ہیں جو اسلام کی بنیاد پر قائم ہو اور اگر کبھی دونوں کو ایک ہی دائرہ میں کام کرنا پڑے تو اختلاط سے بچے رہنے کا اسلام سختی سے حکم دیتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنْ یَّمْشِیَ یَعْنِیْ الرَّجُلَ بَیْنَ الْمَرْاَتَیْنِ۔ [1]

عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان چلے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور مردوں کو خلط ملط ہوتے دیکھا تو عورتوں کو حکم دیا۔

اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ [2]

پیچھے ہو جاؤ کیوں کہ تمہیں بیچ راستہ پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہیے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورتیں راستہ چلتے وقت اس قدر سمٹی ہوئی اور دیواروں سے لگی ہوئی گزرتی تھیں کہ بسا اوقات ان کے کپڑے دیواروں میں اٹک اٹک جاتے تھے۔ [3]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی مشی النساء فی الطریق [2] ایضاً

[3] ابوداؤد بحوالہ مذکور

حضرت علیؓ فرماتے ہیں :۔

اَلَا تَسْتَحْیُوْنَ فَاِنَّهٗ بَلَغَنِیْ أَنَّ نِسَاءَکُمْ یَخْرُجْنَ فِی الْاَسْوَاقِ یُزَاحِمْنَ الْعُلُوْجَ [۱]	کیا تمہیں شرم نہیں آتی ؟ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں جاتی ہیں اور وہاں کفار سے ان کی مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں گشت لگا رہے تھے دیکھا کہ ایک شخص کسی عورت سے مصروفِ گفتگو ہے ۔ آپ نے تعزیراً اس پر درے برسانے شروع کر دیئے ، اتنے میں اس نے کہا امیرالمومنین ! یہ تو میری بیوی ہے ۔ یہ سُن کر آپ کو بڑی ندامت ہوئی اور فرمایا ۔ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے ۔ اگر تم چاہو تو مجھ سے بدلہ لے سکتے ہو ۔ اس نے کہا ۔ میں نے معاف کیا [۲]

شریعت اختلاط ہی کو نہیں روکتی بلکہ اس سے بھی منع کرتی ہے کہ عورت انتہائی شوخ لباس میں اور بن سنور کر گھر سے نکلے اور معاشرہ کی پاکیزہ فضا میں معصیت کے جراثیم پھیلائے ۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال کل عین زانیة والمرأة اِذَا استعطرت نمرت بالمجلس فھو کذا وکذا یعنی زانیة [۳]	حضرت ابوموسیٰؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرتی ہے (اس لئے عورت کو چاہیے کہ مردوں کی نگاہوں سے بچ کر گزر جائے ۔ جب عورت عطر لگا کر کسی مجلس سے گزرتی ہے

---

[۱] مسند احمد حدیث ۱۱۱۸ [۲] العقد الفرید [۳] ترمذی ، ابواب الآداب ، باب ما جاء فی کراہیۃ خروج المرأۃ متعطرۃ ۔

تو وہ ایسی اور ایسی ہوتی ہے یعنی زانیہ ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشھدن معنا العشاء ۔ [1]

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو استعمال کرے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ مختلف احادیث کی بنا پر علماء نے کہا کہ عورت کو مسجد جانے کی اجازت اسی وقت دی جائے گی جب کہ وہ :-

ان لا تکون متطیبۃ ولا متزینۃ ولا ذات خلاخل یسمع صوتھا ولا ثیاب فاخرۃ ولا مختلطۃ بالرجال ولا شابۃ ونحوھا ممن یفتتن بھا وان لا یکون فی الطریق ما یخاف بہ مفسدۃ ونحوھا ۔ [2]

خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو، زیب و زینت سے آراستہ نہ ہو۔ ایسے پازیب نہ پہنی ہوئی ہو جن کی جھنکار سنائی دے۔ بھڑکیلے لباس میں ملبوس نہ ہو۔ مردوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جوان یا ایسی حالت میں نہ ہو جس سے وہ فتنہ کا باعث بنے اور نہ راستہ میں کسی فساد کا خدشہ ہو، اسی قسم کے شرائط علماء نے بیان کئے ہیں

علامہ ابن الہمام حنفیؒ فرماتے ہیں :-

وحیث اجنا لھا الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینۃ وتغییر

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عورت کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے تو یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الرجل، باب فی طیب المرأۃ للخروج۔

[2] شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۳۔

الهيئة الى مالا يكون داعية
الى نظر الرجال والاستمالة له

وہ زیب و زینت کے ساتھ نہیں نکلے گی اور ایسی ہئیت میں ہو گی جو مردوں کو دیکھنے اور مائل ہونے پر نہ ابھارے۔

امام ابن قیمؒ کی حسب ذیل تصریحات شریعت کے منشا کی پوری پوری تائید کرتی ہیں:۔

اِنَّ وَلِيَّ الْاَمْرِ يَجِبُ عَلَيْهِ
اَنْ يَّمْنَعَ مِنْ اختلاطِ الرِّجَالِ
بِالنِّسَاءِ فِي الْاَسْوَاقِ وَالْفُرُوجِ
وَمَجَامِعِ الرِّجَالِ فَالْاِمَامُ
مَسْئُوْلٌ عَنْ ذٰلِكَ وَالْفِتْنَةُ
بِهٖ عَظِيْمَةٌ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً
اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ
وَفِي حَدِيْثٍ آخَرَ اَنَّهٗ قَالَ
لِلنِّسَاءِ لَكُنَّ حَافَّاتُ الطُّرُقِ
وَيَجِبُ عَلَيْهِ مَنْعُ النِّسَاءِ مِنَ
الْخُرُوْجِ مُتَزَيِّنَاتٍ مُتَجَمِّلَاتٍ
وَمَنْعُهُنَّ مِنَ الثِّيَابِ الَّتِيْ

حاکم کا فرض ہے کہ وہ بازاروں، کھلے مقاموں اور مردوں کے مجمعوں میں مردوں کو عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے باز رکھے، اسلئے کہ امام اس سلسلہ میں خدا کے یہاں جوابدہ ہے کیوں کہ یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور فتنہ کی روک تھام امام پر لازم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے عورتوں سے فرمایا تمہیں راستہ کے کناروں پر چلنا چاہیے امام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عورتوں کو آراستہ پیراستہ ہو کر نکلنے سے منع کرے اور انہیں ایسے کپڑوں میں ملبوس ہو کر نکلنے کی اجازت نہ دے

له فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۶۔

يكن بها كاسيات عاريات كالثياب الواسعة والرقاق ومنعهن من حديث الرجال في الطرقات ومنع الرجال من ذلك وان رأى ولي الامر ان يفسد على المرأة اذا تجملت وتزينت ثيابها بحبر ونحوه فقد رخص في ذلك بعض الفقهاء واصاب وهذا من ادنى عقوباتهن المالية وله ان يحبس المرأة اذا اكثرت الخروج من منزلها ولا سيما اذا خرجت متجملة بل اقرار النساء على ذلك اعانة لهم على الاثم والمعصية والله سائل ولي الامر عن ذلك وقد منع امير المؤمنين عمر بن الخطاب النساء من المشي في

جس کے پہننے کے بعد بھی وہ عریاں معلوم ہوتی ہوں۔ مثلاً چوڑے چوڑے اور پتلے کپڑے اور راستوں میں عورتوں کو مردوں سے گفتگو کرنے اور مردوں کو عورتوں سے گفتگو کرنے سے روکنا بھی اس پر ضروری ہے۔ بعض فقہاء کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ جب عورت بن سنور کر باہر نکلے تو امام کو یہ حق ہے کہ روشنائی وغیرہ سے اس کے کپڑے خراب کردے، یہ بہت ہی ہلکی مالی سزا ہے۔ اگر عورت بلاضرورت) بار بار گھر سے باہر گھومنے لگے خصوصاً بھڑکیلے لباس میں تو امام کو اس کے قید کرنے کا بھی حق حاصل ہے بلکہ ان کو اس حالت پر چھوڑ دینا ان کے ساتھ معصیت میں تعاون کرنے کے مترادف ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مردوں کے راستہ (یعنی راستہ کے بیچ میں) چلنے اور ان کے ساتھ خلط ملط ہونے سے روک دیا تھا۔ اس معاملہ میں حاکم کو حضرت عمرؓ کی

طَرِیْقَ الرِّجَالِ وَالْاِخْتِلَاطِ بِھِمْ فِی الطَّرِیْقِ فَعَلٰی وَلِیِّ الْاَمْرِ اَنْ یَقْتَدِیَ بِہٖ فِیْ ذَالِکَ ؎۱   اقتدا کرنا ضروری ہے۔

۵۔ فحاشی کی اشاعت کا عدم جواز

بدکاری کی نشرو اشاعت، عورت اور مرد کے بے حجابانہ میل جول سے کچھ کم فتنہ انگیز نہیں ہے۔ خیالات وجذبات کے بنانے اور بگاڑنے میں پبلسٹی کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ آدمی کے پاس فکر، احساس اور جذبات کا جو کچھ سرمایہ ہے نشرو اشاعت کے ذرائع، اس کا مصرف متعین کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس پونجی کو کس جذبہ کی تسکین میں لگانا چاہیئے۔

عفت کی زندگی اسی وقت گزاری جاسکتی ہے جب کہ بدکاری کی طرف دعوت دینے والی زبان کاٹ دی جائے اور معصیت کے چرچوں کو بند کر دیا جائے جس سوسائٹی میں تعلیمی ادارے عفت و پاکبازی کے تصور سے ناآشنا ہوں ریڈیو اور اخبار و رسائل بدکاری کے اعلانچی بنے ہوئے ہوں ادب اور آرٹ کے نام پر معصیت پھیلائی جارہی ہو وہاں کیسے ممکن ہے کہ انسان خواہشاتِ نفس کی اتباع سے بچا رہے۔ جہاں جذبات میں آگ لگانے والی بے شمار قوتیں کام کر رہی ہوں وہاں آدمی اپنے دامنِ عفت کی کس طرح حفاظت کرے؟ جس تہذیب میں دن ہو کہ رات، گھر ہو یا بازار، تنہائی ہو یا بھری محفل ہر جگہ ہوس پرستی کی ترغیب دی جارہی ہو، وہاں آدمی گناہ سے گریز کرے

؎۱ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ص ۲۵۹، ۲۵۸

تو کیسے کرے۔؟

اسلام کے آنے سے قبل عرب کا یہی کچھ حال تھا۔ ان کی مجلسوں میں اخلاق و شرافت کی موت کا سامان کیا جاتا تھا۔ شاعر اپنی شاعری سے سفلی جذبات کو برانگیختہ کرنے کا کام لے رہے تھے، ادیب اپنے ادب کے ذریعہ بدکاری کے مختلف مراحل اور کیفیات کو اس فحش طریقہ سے بیان کرتے تھے کہ کسی شریف انسان کے لئے ان کا زبان پر لانا بھی گراں گزر سکتا ہے۔

اسلام نے اعلان کیا کہ معصیت و فحاشی کی اشاعت، خواہ زبان و قلم سے ہو یا آرٹ کے نمونوں اور تمدن کے آثار سے، اس کا اظہار بھری محفلوں میں یا انفرادی صحبتوں میں یہ ایک جرم ہے۔ انتہائی گھناؤنا جرم جسے کسی طرح برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بیحیائی پھیلے بلا شبہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے (اور اس کی مصلحت) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(النور ع ۲)

عطاء تابعی کہتے ہیں:۔

عَلٰی مَنْ اَشَاعَ الْفَاحِشَةَ نُکَلٌ وَاِنْ صَدَقَ [1]

جو شخص بے حیائی پھیلائے اسے عبرتناک سزا دی جائیگی خواہ اس میں وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔

[1] المحلی لابن حزم ج ۱۱ ص ۲۸۱۔

بعض لوگ جائز تعلقات کے مختلف احوال و کیفیات کی بھی اس انداز سے تصویر کشی کرتے ہیں کہ سننے والے کے حیوانی جذبات جاگ اٹھتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰی امْرَأَتِہٖ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّھَا۔ ؎	قیامت کے دن تمام لوگوں میں بدترین ٹھکانا اس شخص کا ہو گا جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے اور پھر اس کی خفیہ حالت کو پھیلاتا پھرے۔

ایک مرتبہ آپؐ نے نماز کے بعد حاضرین سے سوال کیا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے تو کیا پردہ لٹکاتا اور دروازہ بند کر لیتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کیا وہ اس کے بعد لوگوں میں بیٹھے اس تعلق کی کیفیت پر گفتگو نہیں کرتا؟ یہ سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ یہی سوال دوبارہ آپؐ نے عورتوں کے مجمع سے کیا۔ وہاں بھی سکوت طاری رہا۔ لیکن ایک نوجوان لڑکی اٹھی اور اس نے کہا یا رسول اللہ، عورتیں اور مرد سب آپس میں ایسی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ لڑکی کا جواب سننے کے بعد آپ نے فرمایا:۔

ھَلْ تَدْرُوْنَ مَا مَثَلُ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِکَ مَثَلُ شَیْطَانَۃٍ لَقِیَتْ شَیْطَانًا فِی السِّکَّۃِ	معلوم ہے اس کی مثال کیسی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گلی میں کسی مادہ شیطان کی نر شیطان سے ملاقات ہو جائے

؎ مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم افشار سر المرأۃ۔

فَتَقْضِیْ مِنْهَا حَاجَتَهُ وَالنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ اَلَا اِنَّ طِیْبَ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِیْحُهُ وَلَمْ یَظْهَرْ لَوْنُهُ وَطِیْبَ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَلَمْ یَظْهَرْ رِیْحُهُ [۱]

اور وہ اُسے پکڑ کر وہیں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اپنی خواہش پوری کرنے لگے۔ سن لو دبے حیائی اور فحاشی کا اشتہار ہر طریقے سے ہوتا ہے یہاں تک کہ زیب و زینت سے بھی، اس لئے) مردوں کا عطر وہ ہے، جس کی خوشبو ظاہر ہو اور رنگ نمایاں نہ ہو اور عورتوں کے لئے ایسی خوشبو مناسب ہے جس کا رنگ تو ظاہر ہو لیکن خوشبو نہ پھیلے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْاَۃُ الْمَرْاَۃَ لِتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا کَاَنَّمَا یَنْظُرُ اِلَیْهَا۔ [۲]

ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ ایک چادر میں نہ سوئے کہ بعد میں وہ اس کے جسم کی نزاکتوں کا حال اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرنے لگے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

(۶) تعزیر ان ساری اصلاحات کے بعد اگر کوئی فرد یا جماعت، عفت کی راہ کا پتھر ثابت ہو تو اسلام پوری قوت کے ساتھ اسے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ وہ ایسی کوششوں کو برگ و بار لانے کا موقع ہی نہیں دیتا جو انسانیت کی کشتی کو معصیت کے منجدھار کی طرف لے جا رہی ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود میں منافقین اپنے کردار سے اس بات

---

[۱] ابو داؤد، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اھلہ۔

[۲] ابو داؤد، کتاب النکاح، باب ما یؤمر بہ من غض البصر۔

کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ سوسائٹی کو با عفت دیکھنا پسند نہیں کرتے، وہ چاہتے ہیں کہ انسانیت کا جو قافلہ اخلاق و شرافت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کو اپنی منزل سے بیگانہ کردیں۔ قرآن مجید نے ان فتنہ پردازوں کو سخت تحدید کی اور آگاہ کیا کہ وہ اپنی روشِ بد سے باز آجائیں ورنہ ان کے ارادوں کے روبعمل آنے سے پہلے ہی ان کا سر کچل دیا جائے گا۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (الاحزاب ع ۸)

منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور دلوں کو ہلا دینے والی باتیں مدینہ میں پھیلانے والے اگر اپنی روش سے باز نہ آئیں تو ہم تجھ کو (اے محمدؐ) ان پر مسلط کردیں گے۔ پھر وہ تیرے قریب کم ہی رہ سکیں گے۔ پھٹکار ہے ان پر جہاں کہیں وہ پائے جائیں پکڑے جائیں اور بری طرح قتل کئے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے ایسے افراد کو جلا وطن کردیا تھا جو معاشرہ کو بگاڑنے میں مصروف تھے۔ جعدۃ السلمیؓ نام کے ایک صاحب تھے۔ جب مجاہدین محاذ جنگ پر ہوتے تو یہ ان کی عورتوں کو شہر سے باہر بقیع کی طرف لے جاتے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے۔ مجاہدین کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے حضرت عمرؓ کو صورت حال لکھ بھیجی۔ آپ نے فوراً ان صاحب کو مدینہ سے نکال باہر کیا۔[1]

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۳۰

ایک رات حضرت عمرؓ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے سُنا:۔

هل من سبيل الى خمر فاشربها ... او من سبيل الى نصر بن حجاج

کیا شراب پینے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے ... اور نصر بن حجاج تک پہنچنے کا کوئی طریقہ ممکن ہے

دوسرے دن آپ نے نصر بن حجاج کو طلب کیا حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ بہت ہی حسین و جمیل ہے۔ اس سے کہا ذرا اپنے بال ٹھیک کر لو جب اس نے بال ٹھیک کئے تو اس کی خوبصورتی اور بڑھ گئی۔ پھر آپ نے کہا اچھا تو عمامہ باندھ لو اس نے عمامہ باندھا تو اس کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا۔

گزشتہ رات اس عورت کی بے کلی اور حسرت بھری تمنا صاف ظاہر کر رہی تھی کہ نصر بن حجاج اور اس کے درمیان ناجائز محبت راہ پا چکی ہے اس لئے آپ نے اس کی ضرورت کا انتظام کر کے اس کو بصرہ بھیج دیا۔ کیوں کہ مدینہ میں اس کی موجودگی سے اس کا امکان زیادہ تھا کہ دونوں معصیت میں مبتلا ہوں۔[۱]

ایک مخنث ضرورت پر بغیر کسی روک ٹوک کے گھروں میں آجایا کرتا تھا کیوں کہ اس کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ صنفی داعیات سے خالی ہے، ایک مرتبہ وہ حضرت ام سلمہؓ کے بھائی عبداللہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر طائف فتح ہو تو میں تمہیں فلاح پیکر حسن و جمال دکھاؤں گا پھر وہ اس عورت کے حُسن کا اس انداز سے نقشہ کھینچنے لگا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صنفی رجحانات رکھتا ہے، نبی صلی اللہ

---

[۱] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۳ ص ۵۷۹

علیہ وسلم نے اتفاق سے اس کی یہ گفتگو سن لی۔ آپ نے ایک طرف ازواج مطہرات سے فرمایا کہ یہ کبھی تمہارے پاس نہ آنے پائے[1] اور دوسری طرف بعض روایات کے مطابق اسے مدینہ سے باہر صحرا میں بھیج دیا۔[2]

حضرت عمرؓ نے بھی ایک مخنث کو جلاوطن کیا تھا[3] حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں بھی اسی قسم کا ایک اقدام منقول ہے۔[4]

(۷) رجم اور کوڑوں کی سزا

بدکاری کی راہ میں جو شخص جتنا آگے بڑھتا جائے۔ اسلام کا قانون بھی اس کے حق میں اتنا ہی سخت ہوتا جاتا ہے۔ عشق و محبت کے تذکروں پر وہ انسان کو جلاوطن کرتا ہے تو عفت شکنی پر برملا دُرّے لگانے کا حکم دیتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے جذبہ کی آسودگی کے لئے جائز ذریعہ رکھتے ہوئے ناجائز طریقوں سے لذت حاصل کرتا پھرے تو اسے اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ کسی پاکیزہ سوسائٹی میں زندہ سلامت چلے پھرے۔ اس کے نزدیک ایسے ناپاک عنصر سے معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا	زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا ان میں سے
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ	ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اللہ کے

---

[1] بخاری کتاب اللباس، مسلم کتاب السلام [2] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی قولہ غیر اولی الاربۃ [3] بخاری، کتاب اللباس

[4] بیہقی ج ۸ صـ ۲۲۴

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(النور ع ۱)

قانون کے نفاذ میں تمہارے اندر کوئی نرمی نہیں ہونی چاہیے، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان دونوں کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو موجود ہونا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ یہ حکم بے شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے ہے۔ لیکن جو شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے اسے رجم کیا جائے گا۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّيْ خُذُوْا عَنِّيْ فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّنَفْيُ سَنَةٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ [1]

عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو سنو میرے اس حکم کو۔ لو سنو میرے اس حکم کو، اللہ نے زانی عورتوں کے لئے صورت نکال دی ہے۔ جب کسی دوشیزہ کا کسی مجرد شخص سے زنا ہو تو دونوں کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا۔ اس مفہوم کی روایات مستند طریقہ سے مروی ہیں اور صحاح کی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لئے سوائے خوارج اور بعض معتزلہ کے تمام امت کا رجم پر اجماع ہے۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ۷، صفحہ ۲۵۴

اگر کوئی شادی شدہ عورت کسی شادی شدہ مرد سے زنا کرے تو دونوں کو سو کوڑے اور رجم کی سزا دی جائے گی۔

اس حدیث کی بنا پر امام احمدؒ، اسحٰق اور داؤد ظاہریؒ کہتے ہیں کہ شادی شدہ شخص اگر زنا کرے تو اس کو پہلے کوڑے لگائے جائیں گے۔ پھر رجم کیا جائے گا۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، زفرؒ، محمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، اوزاعیؒ، ثوریؒ، حسن بن صالحؒ وغیرہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا نہیں دی جائے گی۔

بے شادی شدہ شخص اگر بدکاری کا مرتکب ہو تو امت کا اجماع ہے کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں گے لیکن فقہاء کے خیالات اس میں مختلف ہیں کہ جلاوطنی جزو حد ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ زانی خواہ مرد ہو یا عورت اگر اس کی شادی نہیں ہوئی ہے تو اس کو سو کوڑوں کی سزا بھی دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ البتہ امام شافعیؒ اس میں اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ زانی غلام ہے تو اس کو صرف چھ ماہ کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔

امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ جلاوطنی کی سزا صرف مردوں کو دی جائے گی عورتوں کو نہیں۔ فقہاء احناف جلاوطنی کو جزءِ حد نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق امام کی رائے اور وقت کے مصالح سے ہے۔ جن حالات میں امام مناسب سمجھے گا اس پر عمل کرے گا اور جب اس کو مملکت اور اسلام کے لئے نقصان دہ خیال کرے گا عمل نہیں کرے گا۔[۱]

(حاشیہ صفحہ ۴۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

جلاوطنی کے دو اہم مقصد ہیں، ایک تو یہ کہ مجرم کے حق میں حالات ناسازگار کردیے جائیں اور اسے ایسے ماحول سے ہٹا دیا جائے جہاں محرّک معصیت موجود ہے اور جہاں رہتے ہوئے اس کے لئے برائی سے دامن بچانا دشوار ہو رہا ہے۔ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس سے مجرم کو راہ راست پر آنے میں مدد ملتی ہے کیوں کہ وطن سے دوری اور آرام و آسائش سے محرومی آدمی کے جنسی جذبات کو ابھرنے نہیں دیتی۔ زندگی کی حقیقی کلفتوں میں اس کا موقع کم ہی ملتا ہے کہ انسان اپنی جنسی خواہش کی طرف توجہ کرے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام چند خاص حدود ہی کے اندر جنسی تسکین کی اجازت دیتا ہے۔ ان حدود سے باہر جو شخص قدم رکھے اسلام اس کے خلاف سخت سے سخت اقدام کرنے سے بھی نہیں چوکتا وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ انسان اپنے فطری جذبہ کی آسودگی کا سامان کرے اور اس کے لئے معاشرہ کو تمام سہولتیں بہم پہنچانے کا حکم بھی دیتا ہے۔ لیکن وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان انسانیت کا لباس ہی اتار پھینکے اور معاشرہ کو حیوانیت کا مسکن بنادے۔ وہ انسان جیسی کائنات کی عزیز ترین متاع کو بے دردی کے ساتھ ختم کردینا پسند کرتا ہے لیکن اس کو یہ گوارا نہیں کہ سوسائٹی میں زنا کے مہلک جراثیم پرورش پاتے رہیں۔

ٹ تفصیل کے لئے دیکھی جائے احکام القرآن جصاص ج ۳ صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۹۔ نیل الاوطار ج ۷ صفحہ ۲۴۹ تا ۲۵۶

مصنّف کی دوسری کتابیں

خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں	۴/۵۰
معروف و منکر	۵/۰۰
انسان اور اس کے مسائل	۱/۰۰
اسلام کی دعوت	۳/۰۰

ہماری مکمل فہرست کتب مفت طلب فرمائیں۔

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی ۶